وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (سورۃ القمر)

جلد 11	شمارہ 11	صفر 1438ھ	نومبر 2017ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

اس شمارے کی قیمت 300 روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		7
3	باب1	انجینئر مختار فاروقی	9
4	باب2		19
5	باب3		33
6	باب4		63
7	باب5		133
8	باب6		187
9	باب7		211
	باب8		221
	باب9		229
	باب10		247

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(آل عمران 03:102-109)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O

اور مت مرنا سوائے مسلمان (کی موت کے)

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا

وَ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا

تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی

اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے

وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا

اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ O

اس طرح اللہ تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَ لْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے

وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O

یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں

وَلَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ هُمُ الْبَيِّنٰتِ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد

ایک دوسرے سے (خلاف و) اختلاف کرنے لگے

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ O

یہ وہ لوگ ہیں جن کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ

جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ

تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا)

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ O

کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ

اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے

فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ O

وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے (اور) ان میں ہمیشہ رہیں گے

تِلۡكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَیۡكَ بِالۡحَقِّ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو صحت کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں

وَ مَا اللّٰهُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعٰلَمِیۡنَ O

اور اللہ تمام جہان والوں (میں سے کسی) پر ظلم نہیں کرنا چاہتا

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے

وَاِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ O

اور سب کاموں کا رجوع (اور انجام) اللہ ہی کی طرف ہے

(الروم 30:41-445)

ظَهَرَ الۡفَسَادُ

فساد پھیل گیا ہے

فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ

خشکی اور تری میں لوگوں کے (اپنے) اعمال کے سبب

لِیُذِیۡقَهُمۡ بَعۡضَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ O

تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں

قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا

کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ

كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ

جو لوگ (تم سے) پہلے ہوئے ہیں اُن کا کیسا انجام ہوا ہے

كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ مُّشۡرِكِیۡنَ O

ان میں زیادہ تر مشرک ہی تھے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ

(علاج صرف یہ ہے کہ) تم دین (کے رستے) پر سیدھا رُخ کیے چلے چلو

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ

اس روز سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آ کر رہے گا اور رُک نہیں سکے گا

يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ O

اس روز (سب) منتشر ہو جائیں گے

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ

جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ O

اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے ہی لیے آرام گاہ درست کرتے ہیں

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو اللہ اپنے فضل سے بدلہ دے گا

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ O

بے شک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

وَ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (القرآن)

اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

(قال الحارث الاعور) مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ، فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ، فَاَخْبَرْتُہٗ، فَقَالَ: اَوَ قَدْ فَعَلُوْھَا؟ قُلْتُ نَعَمْ۔ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ:

الحارث الاعور کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا تو لوگ باتوں میں مشغول تھے پھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو بتایا۔ انہوں نے کہا کہ کیا واقعتاً ایسا ہی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سنو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ

آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے؟

قُلْتُ: مَا الْمَخْرَجُ مِنْھَا ؟ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس (فتنہ کے شر) سے نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟

قَالَ: کِتَابُ اللّٰہِ

آپ ﷺ نے فرمایا: **''کتاب اللہ''**

فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَ حُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ

اس میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں، قرآن میں ان کا حکم اور فیصلہ موجود ہے

ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْھَزْلِ مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ

وہ قول فیصل ہے۔ وہ فضول بات نہیں ہے۔

جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا

وَ مَنِ ابْتَغَی الْھُدیٰ فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ

اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصہ میں

اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی۔

وَ ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ وَ ھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَ ھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ

قرآن ہی حبل اللہ المتین (یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ) ہے

اور محکم نصیحت نامہ ہے.....اور وہی صراط مستقیم ہے

ھُوَ الَّذِی لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَآءُ وَ لَاتَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ

وَ لَایَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَ لَایَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَ لَاتَنْقَضِی عَجَائِبُہٗ

یہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں۔ اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے۔ اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہوگا۔ اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق ولطیف، حقائق ومعارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

ھُوَ الَّذِی لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوا:

"اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِی اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ"

قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنّات نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

''ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے''

مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ وَ مَنْ عَمِلَ بِہٖ اُجِرَ وَ مَنْ حَکَمَ بِہٖ عَدَلَ

وَ مَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی اور جس نے قرآن پر عمل کیا

وہ مستحق اجر وثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کیا

اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراط مستقیم کی ہدایت نصیب ہوگئی۔

خُذْھَا اِلَیْکَ یَا اَعْوَر اے اعور! ان (باتوں) کو اچھی طرح سمجھ لو

عن علی رضی اللہ عنہ (رواہ الترمذی)

باب 1

ا حرفِ آرزو

ب تمہید

حرفِ آرزو

شہنشاہ، پرنس اور ارب پتی
یا درویش حکمران
انسان کے تحت الشعور میں اجتماعی آرزو کیا ہے؟

انجینئر مختار فاروقی

ا

● اگر ایک سرِ راہے یا عوامی سروے (SURVEY) ایسا کرایا جائے جس میں بلالحاظ رنگ و نسل، زبان و علاقہ، نیز مذہب اور عقائد سے بلند ہوکر، امیر و غریب، سیٹھ اور مزدور، فاقہ کش اور ارب پتی، دستکار اور بادشاہ، پرنس اور ہیروئن کا شکار بے روزگار نوجوان نیز عورت یا مرد کے فرق کو بھی بالائے طاق رکھ کر رائے لی جائے کہ ملک میں حکمرانی کی مسند پر بادشاہ، پرنس یا ارب پتی لوگ براجمان ہوں یا درویش منش اور خدا ترس لوگ، تو مجھے آپ کی رائے کا تو کوئی پیشگی اندازہ نہیں مگر راقم یہ بات ببانگ دُہل کہہ سکتا ہے کہ 90 فی صد سے کہیں زیادہ آراء درویش حکمران کے حق میں آئیں گی۔

● یہ تجزیہ اور رائے کسی 'علم نجوم' کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں دولت کی غلط تقسیم اور چند درجن خاندانوں کا ملکی وسائل رزق پر غاصبانہ قبضہ کے ساتھ سیاست میں ہمیشہ موجود (IN) رہنے کی پالیسی کی وجہ سے صورت حال یہی ہے۔ امریکہ سمیت دنیا میں اجتماعی ملکی دولت پر ایک خاص طبقے کا قبضہ ہے مثلاً امریکی دولت کی تقسیم کا یہ گوشوارہ چند سال قبل کی صورت حال کو ظاہر کرتا ہے جو اس ایڈریس پر دیکھا جاسکتا ہے:

http://theunderstatement.com/post/3999331289/us-wealth-distribution-visualized

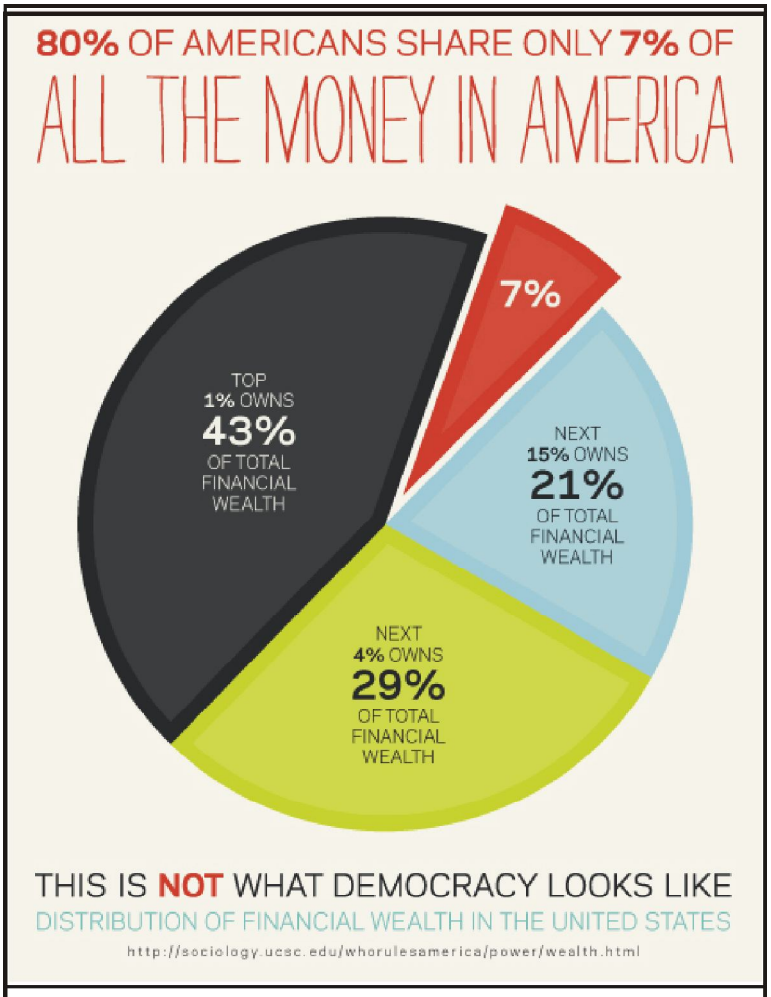

امریکی جمہوریت کا اصلی چہرہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی 80 فیصد آبادی کے مقدّر میں ملکی دولت کا صرف 7 فیصد حصہ ہے۔

جمہوریت کو سب امراض کا علاج سمجھا جاتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

اس نقشہ میں امریکہ میں قومی دولت کی تقسیم ظاہر کی گئی ہے۔

اس تصویر سے ظاہر ہے کہ ملکی آبادی کا ایک فی صد ملکی قومی دولت کے 43% کا مالک ہے اور ملکی عوام 80% ہونے کے باوجود ملکی قومی دولت کا صرف 7% حصے کے مالک ہیں۔

قارئین کرام! اسی سے ملتی جلتی صورتِ حال دنیا کے تمام ممالک کی ہے۔

- اوپر کی سطور میں ہم نے جس عوامی سروے کی بات کی ہے اس میں ملکی آبادی کا وہ طبقہ جو 20% ہو کر ملکی وسائل اور دولت کے 93% حصہ پر قابض ہے وہ کبھی ملکی سطح پر جمہوریت کے اظہار کے لیے منعقدہ الیکشن میں ووٹ ڈالنے نہیں آتا وہ طبقہ کسی عوامی سروے یا سرِ راہے عوامی رائے کے اظہار کو اکٹھا کرنے والی ٹیم کے قابو کب آئے گا۔ لہٰذا کسی عوامی سروے میں ملکی آبادی کا 80% حصہ جو ملکی وسائل کے صرف 7% کا مالک ہے وہ یقیناً ارب پتی اور پرنس (منچلے، عیاش، شاہ خرچ اور اَخلاق دشمن لوگ) قسم کے حکمران نہیں چاہیں گے بلکہ وہ تو دل کے تہ خانوں میں دلی انتقامی آرزوؤں میں ایسے حکمران کے حق میں رائے دیں گے جو ان غاصب 20% آبادی سے 93% دولت کا بیشتر حصہ لے کر 80% عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو اور خود سادہ اور پاکیزہ زندگی (PLANE & SAINT-LIKE LIFESTYLE) کا حامل ہو۔

- 'حکمت بالغہ' کے اس خصوصی شمارے میں اسی اہم انسانی المیہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور نسل انسانی کے باضمیر، باشعور اور انسان دوست و اخلاق دوست افراد کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ وہ اُٹھیں اور اس انسانی المیہ کا کوئی قابل عمل، دیرپا اور انسان دوست حل نکالیں جس میں علم دوستی، اخلاق دوستی کے ساتھ ساتھ خدا شناسی اور مذہبی رواداری کا بھی دور دورہ ہو۔

- ہمیں قوی اُمید ہے کہ ابھی روئے ارضی پر نسل انسانی کی وہ کھیپ جو زندہ ہے اور عمر کے اس حصہ میں ہے کہ وہ کوئی بامقصد اور انسان دوست اِقدام کے لیے جدوجہد کر سکے، یہ نسل ابھی اتنی بانجھ (INFERTILE) نہیں ہوئی کہ موجودہ مغربی ابلیسی، صہیونی، انسان دشمن، خدا بیزار، سیکولر اور بے لگام طرزِ زندگی کو قابو کر کے وسائل رزق کی موجود ظالمانہ، غیر منصفانہ اور انسان دشمن تقسیم کو یکسر ختم کر کے کسی 'آسمانی بادشاہت' یا درویشی کی حکومت کا راستہ ہموار کر سکے۔

دنیا کے 80% وسائل رزق سے محروم لوگوں کے دلوں کی آرزو اور کئی نسلوں سے

آنکھوں میں بسے خوابوں کی تعبیر دنیا میں متوقع اسی انسان دوست اور خداشناس انقلاب میں مضمر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر تمام باضمیر لوگ اسی مقدس فریضہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں تو وہ دن زیادہ دور نہیں ہیں جب دنیا ظلم، جبر، محرومی، بھوک، اِفلاس، بے روزگاری، بے حیائی، بے لباسی اور حیوانیت سے نکل کر عدلِ اجتماعی، انصاف، امن، سکون، بلالحاظِ مذہب وملت وعلاقہ ونسل احترامِ جان ومال وعزت وناموس جیسے دلآویز تصورات کی وادی میں خیمہ زن ہوکر خداشناسی ووحی شناسی کے تصورات کے ساتھ آرام اور آسودگی کے ساتھ اطمینان قلبی کی زندگی گزار رہی ہوگی۔

اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا

اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ لَنَا ھٰذَا

آمین_____

قارئین کے نام

موضوع کی فنی مشکلات کی وجہ سے مدیر کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں، معاصر اہل قلم کے رشحاتِ قلم اور حکمت بالغہ میں شائع شدہ گزشتہ مضامین میں کہیں کہیں مواد کا تکرار آ گیا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ اس تکرار کو ناگزیر خیال کرتے ہوئے درگزر فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

باب 1

باب

تمہید

آج کی دنیا میں جبکہ مغربی ابلیسی افکار کا غلبہ ہے، میڈیا کا عفریت چھایا ہوا ہے اور ہر گھر میں جہاں TV سکرین موجود ہے یا کمپیوٹر انٹرنیٹ، iPhone یا دوسرے قسم کے آلات ہیں، وہاں ہر وقت انسان اس قدر مصروف ہے کہ معاشی بھاگ دوڑ سے ذرا سا وقت ملتا ہے تو وہ ملٹی میڈیا یا Whatsapp میں مگن ہوجاتا ہے۔ مغربی انداز فکر کی حامل جدید تعلیم یافتہ FAMILIES کی خواتین بھی اسی دوڑ میں شریک ہیں۔ لہٰذا۔۔۔۔اس ماحول میں بظاہر لگتا ہے کہ نیکی، خیر، عفت، عصمت، شرم وحیا، خداشناسی اور نماز و روزہ کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارنے کا تذکرہ کرنا اور اس تصور کو عام کرنے کی جدوجہد پر دوسروں کو آمادہ کرنا بڑا اَنہونا (IMPOSSIBLE) کام ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آج بھی ہمارا معاشرہ تو ماشاءاللہ مغربی اور امریکی معاشروں سے کہیں بہتر اور مذہبی ہے۔ امریکی معاشرے میں بھی ضمیر، شرم، حیا، عفّت، عصمت، پاکیزگی، خداشناسی کی بات کرنے والے کم ضرور ہیں مگر ختم نہیں ہوگئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جیسے ہمارے ہاں ایسے لوگ اپنے پروگراموں اور مصروفیات کی پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا میں کسی قسم کی COVERAGE کی توقع نہیں کرسکتے اس طرح امریکی اور مغربی معاشروں میں بھی 'خیر' کی یہ قوتیں اقلیت میں سہی، موجود ضرور ہیں مگر ان کو اپنے آپ کو پبلک کرنے اور اپنے پیغام کو عام کرنے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔ آج کے حالات میں دنیا ایک گلوبل ویلج (GLOBAL VILLAGE) بن چکی ہے اور مغربی بالادستی نے جبر وقہر کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ UNO، IMF، WB اور دوسرے اداروں کے ذریعے دباؤ ڈال کر اپنے مرضی کے لوگوں کو نمایاں کرنا اور میڈیا کوریج (MEDIA COVERAGE) دلانا ان کا واحد مقصد

ہے جبکہ اپنے مغربی نظریات (سیکولرازم اور لبرل ازم) کے مخالف نظریات، شخصیات، افراد اور عوام کو ان کے حق اظہار رائے دہی سے جبراً محروم رکھنا ہی ان جمہوریت کی چمپئن قوتوں کا موٹو (MOTTO) ہے۔

لہٰذا ـــــ توجہ طلب امر یہ ہے کہ اہل حق یعنی انسان دوست اور خداشناس ووحی شناس، باضمیر انسانوں کو اپنے مقصد حیات کے لئے ہمہ تن، ہر وقت اور دامے، درمے، سخنے، قلبے، دماغے ہر طرح سے چوکس اور مصروف رہنا چاہئے تاکہ ان کی بات عوام تک پہنچ سکے اور عام کی جا سکے۔

- قرآن مجید (17:13) میں فرمایا گیا ہے کہ جو بات انسانیت کے فائدے کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے عام کرنے کے لئے غیر مرئی قوتیں کام میں لاتا ہے اور کچھ عرصے بعد حق پھیل جاتا ہے اور باطل بھاگ جاتا ہے۔ اہل حق کی آزمائش ضرور ہوتی ہے۔ آج کے ماحول میں کوئی سنے نہ سنے، کلمہ خیر کہے یا نہ کہے ہمارے ساتھ تعاون کرے یا نہ کرے، ہمیں اپنی بات کہنے اور برملا کہنے میں تامّل نہیں ہونا چاہئے اور نہ مایوسی کو اپنے قریب آنے دینا چاہیے۔

- یہ بات باعثِ اطمینان ہے کہ آج بھی کم از کم پاکستان میں (ویسے ساری دنیا میں ماحول کم وبیش اسی طرح کا ہے) خداشناسی، آسمانی وحی، قرآن مجید، دین، مذہب، آخرت اور حضرت محمد ﷺ کی بات کرنا ناممکن نہیں ہوا۔ مانا کہ سننے اور توجہ کرنے والے کم ہیں تاہم خوشی کی بات یہ ہے کہ اس ملکوتی اور پیغمبرانہ دعوت اور کام کا راستہ روکنے والے لوگ بہت کم ہیں اور ہمارے آس پاس لوگ جو ہماری 'دعوتِ خیر' یا 'دعوتِ نیکی' پر ہمارے ساتھ شریک نہیں ہیں وہ کم از کم ہمارے مخالف بھی نہیں ہیں۔ یہ بڑی خوش کن بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں قرآن مجید کے پیغام اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کو پھیلانے کے مواقع بہت وسیع ہیں، مخالفت کرنے والے موجود ہیں مگر وہ مخالفت کرکے ہماری ہی دعوت کو پھیلاتے ہیں۔ جبکہ اکثریت غیر جانبدار رہ کر بھی دل سے ہماری دعوت کے معترف رہتے ہیں، اسے 'خاموش اکثریت' (SILENT MAJORITY) کہتے ہیں۔ یہ خاموش اکثریت خاموش ہوتی ہے، اندھی بہری نہیں ہوتی ہے۔ وہ حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہتی ہے اور دنیا میں انقلابات کی تاریخ

بتاتی ہے کہ وقت آنے پر جب داعیانِ حق، حق و باطل کے واقعی ٹکراؤ کے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں تو یہ خاموش اکثریت جو اوپر درج حقائق کے مطابق محروم وسائل لوگ ہیں یقیناً حق کا ساتھ دیتے ہیں اور کبھی بھی دنیا کے CORRUPT، حرام خور اور معاشی لحاظ سے بُرے لوگوں (دنیا کے 20% لوگوں کے پاس 93% وسائل ہیں) کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ یہ بات عقلاً اور نقلاً دونوں لحاظ سے محال ہے۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے!

محمد اقبال

باب 2

عمرانیات کا ارتقاء

اور

فکرِ انسانی کا حاصل

حصہ اوّل

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم

عمرانیات کا ارتقاء

حصہ اوّل

(ا) عمرانیات کی ابتداء

● روئے ارضی پر انسانی تاریخ 'خیر و شر' کے معرکہ میں کبھی 'خیر کی قوتوں' کے غلبہ اور کبھی 'شر کی قوتوں' کے غلبے کے درمیان الٹ پھیر کا نام ہے۔ قرآن مجید میں اسے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُـدَاوِلُهَـا بَيْـنَ النَّاسِ (140:03) (انسانوں میں خیر و شر کے حاملین کے درمیان ہم حالات کو زیر و زبر کرتے رہتے ہیں) کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

● انسانی مشاہدہ ظاہری طور پر سیکولر محسوس ہوتا ہے۔ ہر معاشرے میں اسی مشاہدہ کی بنیاد پر جو الفاظ بنتے ہیں اور جملے ہم بولتے ہیں وہ کچھ یوں ہوتے ہیں: ''دریا بہہ رہا ہے، سورج نکل آیا ہے، رات ہوگئی ہے، بارش ہو رہی ہے، فصل پک گئی ہے، وغیرہ وغیرہ''۔ تاہم یہ بات بھی اٹل حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام قدیم معاشروں اور تہذیبوں میں وقفے وقفے سے ایسی شریف النفس، باکردار اور دلآویز شخصیتیں سامنے آتی رہیں جنہوں نے اس انسانی مشاہدے کو ایک 'خالق' اور 'مالک' کے تصور سے جوڑا ہے اور اس کے لیے ناقابل تردید دلائل دیے ہیں۔ پھر انسانوں میں سے ہی باشعور اور باضمیر انسانوں نے آگے بڑھ کر اس دعوت پر لبیک کہا ہے اور ان داعیانِ حق کا ساتھ دیا ہے۔

● ان داعیانِ حق کو تاریخ انسانی میں انبیاء اور رُسل (علیہم السلام) کا نام دیا گیا ہے اور ان ہستیوں نے اپنا تعلق کائنات کے خالق و مالک سے جوڑا ہے اور اپنے پیغام کو اسی کا پیغام قرار دیا ہے اور خود بھی اسی خالق و مالک ہستی کی اطاعت کی زندگی گزاری ہے اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دی ہے۔

● تاریخ انسانی کی تمام قدیم تہذیبیں، معاشرے اور مذاہب اس حقیقت کے شاہد عادل ہیں اوران سب کے ہاں ایسی انسانی شخصیات کا تذکرہ ہے اوران کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے۔

(ب) سیکولرروّیے اور خداشناسی کے روّیے

● تاریخ انسانی کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہے کہ آغاز میں وقفوں وقفوں سے یہ سیکولر انسانی رویے پھیل کر مختلف علاقوں میں پھیلے اور علاقائی سلطنتیں اور بادشاہتیں وجود میں آگئیں۔تاہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اصلاحِ احوال کے لئے علاقائی سطح پر وقفے وقفے سے ایسی عظیم شخصیات اُٹھیں جنھوں نے ان سیکولر رویّوں کا ردّ کیا،ان کو دلیل کے میدان میں مات دے کر خداشناسی کے رویّوں کو نئی زندگی بخشی اور جلا عطا فرمائی۔

● قرآن مجید میں خود خالق کائنات نے انسانی نفسیات کے بعض پہلوؤں کی صحیح صحیح نشاندہی کی ہے کہ آج بھی شاید انسان فکری سطح پر خود ان کا نہ اِدراک کرسکتا ہے اور نہ ان کو EVALUATE کرسکتا ہے اور نہ ہی تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسیاتِ انسانی کی صحیح ترین تشخیص کردی ہے اور نہ خود ہی ان رویّوں کی کوئی معقول توجیہ کرسکتا ہے۔

قرآن مجید کے نزدیک ہزاروں سال قبل ہر آنے والے دور میں جب انبیاء ورُسُل تشریف لائے تو زمان ومکان کے فرق کے باوجود،نسل انسانی کے افراد نے انبیاء ورسل علیہم السلام کی ہو بہو اسی طرح مخالفت کی ہے جیسے یہ طبقہ اپنے بعد والوں کے لئے وصیت کرکے مرتا تھا کہ تم نے اپنے دور میں آنے والے پیغمبروں کی اسی طرح مخالفت کرنی ہے۔انسانی رویّوں کی یہ حددرجہ مشابہت انسانی نفسیات کا ایک اہم اور قابل توجہ باب ہے۔

عمرانیات کا ارتقاء

حصہ دوم

انسان مل جُل کر رہنے والا حیوان ہے اور وہ کہیں اکیلا نہیں پایا جاتا، نہ رہ سکتا ہے۔ انسان نے مل جل کر رہنے سے جو کچھ سیکھا ہے اس کے اہم نکات کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ یہ نکات تعداد میں ____ ہیں۔

1۔ انسانی اجتماعیت کی ابتداء خاندان (FAMILY) سے ہوتی ہے جہاں انسان اپنی رفیقۂ حیات اور بچوں کے ساتھ رہتا ہے۔ انسان کو فیملی کی سطح پر رہنے کے لئے ایک گھر اور چار دیواری درکار ہے، وسیلۂ روزگار درکار ہے اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لئے ایک ایسا نظام درکار ہے جس کے ذریعے اسے ضروریاتِ زندگی گھر کے قریب میسر آسکیں۔

2۔ حضرت آدم علیہ السلام پہلے پیغمبر بھی تھے اور روح و جسد کے ساتھ پہلے مکمل انسان بھی، جسے قرآن مجید کے مطابق دنیا میں آنے سے پہلے مسجودِ ملائک بھی بنایا گیا تھا۔ خاندان میں اضافہ ہوا، بچے جوان ہوئے تو رشتہ ازدواج کے ذریعے نئے یونٹ (خاندان) وجود میں آنے شروع ہوئے اور چند درجن خاندان ہوئے جو خارجی موسمی اور ناگہانی آفات و عوامل سے نمٹنے کے لیے مل جل کر رہتے تھے۔ خاندانوں کا یہ مجموعہ 'برادری' اور 'رشتہ دار' کہلایا۔ اس سطح پر خاندان اور برادری میں باہمی اُلفت و محبت، رواداری و برداشت، دُکھ سُکھ میں شرکت کے احساس کی وجہ سے وسائل رزق میں ہمدردانہ تقسیم کا عنصر غالب تھا۔

3۔ خاندان کی سطح پر افرادِ خانہ کے درمیان اختلاف اور مرضی کے خلاف رویّوں پر اصلاح کی ذمہ داری والدہ اور پھر والد کی تھی اور وہی خوش اسلوبی سے اپنے ماتحت (زیرِکفالت) افراد کا نگران اور ذمہ دار بھی تھا۔ افرادِ خانہ کی تربیت اور ناگہانی واقعات و خطرات سے بچاؤ کے طریقے

سکھانا اور امدادِ باہمی کے ذریعے پُرامن ماحول پیدا کرنا بھی سربراہِ خاندان کے ذمہ تھا۔

4۔ خاندان کی سطح پر جو ذمہ داری والد کی تھی یا سربراہِ خاندان کی تھی برادری کی سطح پر وہی ذمہ داری برادری کے سب سے عمر رسیدہ اور تجربہ کار فرد کی قرار پائی۔ یہی فطری تقاضا بھی تھا اور واحد قابل عمل راستہ بھی۔ گزشتہ ہزاروں سالوں سے انسانی تہذیب وتمدن اسی سطح پر اسی بنیادی اصول پر عمل پیرا ہو کر کامیابی سے پُرامن طور پر شب وروز گزار رہا ہے۔

5۔ وقت گزرتا رہا اور نسل انسانی آگے بڑھتی رہی، تجرباتی علوم میں بھی آباء واَجداد کے تجربات کے تحت بہتری آتی رہی۔ افرادِ نسلِ انسانی میں اضافہ ہوتا رہا تا آنکہ قصبے اور دیہات کے درجے کی چھوٹی آبادیاں وجود میں آگئیں جہاں کئی برادریاں اور قریبی رشتہ دار جمع ہو گئے۔ آبادی کا یہ مجموعہ قبیلہ کے نام سے موسوم ہوا۔

6۔ خاندان کی سطح پر اور برادری کی سطح پر سربراہ کا کام مختصر اور کم وقت میں تکمیل پذیر ہونے والا تھا لہٰذا خاندان کا سربراہ اور برادری کا سربراہ اپنی ذمہ داریاں اپنی معاشی جدوجہد اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ بھی نبھاتا رہا اور انسانی تمدن اچھے رویوں کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ انسانیت ہنسی خوشی زندگی کے لمحات کو بھائی چارہ اور مساواتِ انسانی کی بنیاد پر گزارتی رہی۔ ان دونوں مرحلوں تک خاندان اور برادری کے سربراہ کا کام انسانی ہمدردی کے ساتھ تھا اور اعزازی بھی تھا۔ لہٰذا اس خدمت میں عظمت، باہمی احترام اور ماتحتوں میں سپاس اور شکر کے جذبات پروان چڑھتے تھے، خاندان والے سربراہ خاندان کی عزت کرتے تھے اور برادری اپنے سربراہ کو عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔

7۔ یہ بات سامنے رہے کہ دنیا بھر میں خاندان (کنبہ)، برادری اور قبیلہ کے الفاظ کے مصداق کے طور پر انسانوں کی کوئی معین تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ علاقہ، زبان اور عرف کے ساتھ اس تعداد میں فرق ہوتا ہے تاہم اصطلاحات یہی اور اس ترتیب سے استعمال کی جاتی ہیں۔

8۔ قبیلہ کی سطح پر آکر انسانی اجتماعی سوچ نے ایک ضرورت کے احساس کو جنم دیا ہے جسے انسانی معاشروں نے قبول کر کے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ احساس یہ ہوا کہ قبیلہ کی سطح پر آکر اس قبیلہ میں انسانوں اور خاندانوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ پھر ان کے

درمیان اُٹھنے والے تنازعات اور اختلافات بھی اسی نسبت سے زیادہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا کسی انسان کے لئے جو شیخ قبیلہ ہو یا سربراہِ قبیلہ یا سردار کہلائے، اس کے قبیلے کی طرف سے دی گئی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے اتنا وقت درکار ہے کہ وہ اپنی معاشی بھاگ دوڑ کے لیے وقت نہیں نکال سکتا اور اگر وقت نہ نکالے تو قبیلے کے تنازعات اور جھگڑے معلق ہو جاتے ہیں جس سے کئی انتظامی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں آ کر انسانی سطح پر اہل حل وعقد حضرات کو قبیلہ کی سرداری اور ذاتی معاشی جدوجہد میں سے ایک کا فیصلہ کرنا پڑا کہ جو شخص قبیلہ کے سربراہ کی ذمہ داری سنبھالے گا چونکہ اس کو اپنے خاندان کے لیے معاشی جدوجہد کا وقت قربان کرنا پڑے گا لہٰذا اس سربراہ قبیلہ کی معقول سطح کی کفالت اس قبیلہ کے افراد پر ہوگی۔

9۔ بالفاظِ دیگر افرادِ قبیلہ پر ایک طرح کا ایک ٹیکس لاگو کر دیا گیا اور اس کا ایک خودکار نظام بنا دیا گیا کہ اس طرح جمع ہونے والی رقم (یا وسائل) سے قبیلہ کا سربراہ اپنے خاندان کی کفالت کر سکے، جس کے نتیجے میں وہ قبیلہ کی طرف سے تفویض کردہ ذمہ داریوں کو احسن طریق پر ادا کر سکے یا ان کا حق ادا کر سکے۔

10۔ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ انسانی فکر نے جب یہ فیصلہ کیا تو اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس بات کا برملا اظہار کر کے کتنا بنیادی اور دوررس نتائج کا حامل فیصلہ کر رہی ہے۔ بظاہر اس چھوٹے سے فیصلے سے تاریخ انسانی میں نفسیاتِ انسانی کے خوابیدہ داعیات کے تحت 'شر' اور شیطانی سوچ کا ایک دروازہ ایسا چوپٹ کھل گیا کہ اس کو دوبارہ آدھا بند کرنا خود انسانوں کے لئے ناممکن ہو گیا۔

خاتم المرسلین سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا مظہر قرآن مجید کے ساتھ سیرت وسنت رسول ﷺ کا مصداق انفرادی سطح پر، جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم، اجتماعی اور حکومتی سطح پر خلافت راشدہ اور خواتین اسلام کے لیے نسوانی معاملات میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں
اور ہم نے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

عمرانیات کا ارتقاء

حصہ سوم

انسان اچھا ہے یا بُرا ہے، خیر کا کارکن ہے یا ابلیس کا ایجنٹ ہے، مخلص ہے یا غیر مخلص، اس کی مکمل شناخت انسان کے رویّوں کے مطالعہ سے ہی ممکن ہے۔ انسانی رویّے انسان کی گہری نفسیات کے تابع ہیں۔ یوں انسان دعویٰ ایک بات کا کرتا ہے مگر اس کے پس پشت اس کا مقصود کچھ اور ہوتا ہے۔ سردار یا شیخ قبیلہ بن جانا ایک انسانی ضرورت کا کام ہے اور کسی معقول انسان کو اس منصب یا ذمہ داری پر بٹھایا جاسکتا ہے مگر نفسیاتِ انسانی کے مطالعہ کے بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ معاشرہ کسی کو کوئی منصب دے سکتا ہے یہ اس کا اختیار ہے مگر جو باصلاحیت شخص بھی اس منصب پر ایک دفعہ آجاتا ہے اور اس ذمہ داری کی ادائیگی کے تجربات سے گزرتا ہے اس کی شخصیت میں ایک تبدیلی آجاتی ہے اور اس کی سوچ کا انداز بدل جاتا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ قیادت وسیادت کے مرتبے پر فائز ہونے کے بعد انسان میں سوچ اور انداز فکر میں کیسے اور کیا تبدیلیاں آتی ہیں۔ شیخ قبیلہ یا سردار بنتے ہی تجربہ، مشاہدہ اور روزمرہ کے برتاؤ سے چند رویّے جنم لیتے ہیں جو آگے بڑھ کر پختہ ہوجاتے ہیں اور قیادت (LEADERSHIP) کی نفسیات بن جاتے ہیں۔

(1) احساسِ برتری: اہلِ قبیلہ کا آنا جانا، شیخ قبیلہ کا ادب واحترام اور عزت کا ہر لحظہ خیال رکھنا۔ علاقہ کے ہر ڈیرے اور ہر محفل میں شیخ قبیلہ کی شرافت وعظمت کے تذکرے سنتے سنتے جب عرصہ گزر جاتا ہے، بچے جوان ہوجاتے ہیں، جوان ادھیڑ عمر ہوجاتے ہیں اور چالیس سال کی عمر کے لوگ بڑھاپے میں داخل ہوجاتے ہیں تو یہی احترام شیخ قبیلہ کے افراد خانہ کے لئے ایک آزمائش بن جاتا ہے۔ شیخ قبیلہ کی کہیں برائی اور غیبت ایک عیب اور گناہ کے درجے کی چیز سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا مسلسل تعریف سننا انسان کے اندر ایک ایسا احساس پیدا کرتا ہے کہ آخر مجھ میں کوئی خوبی ہے جو

دوسرے مسلسل ہمیں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔لہٰذا یہ احساسِ برتری ان کی فطرت اور مزاج کا حصہ بن جاتا ہے اور کسی حقیقی عیب کا تذکرہ بھی سوئے ادب شمار ہوتا ہے۔ پنجاب کے نہری نظام کے علاقوں میں اکثر پانی کی تقسیم کے لئے ایک قابل ذکر علاقے میں 'نمبردار' کا تصور ہے جس کے پاس اضافی چند ایکڑ زمین ہوتی ہے مگر اس کا اختیار بے پناہ ہوتا ہے۔لہٰذا نمبردار کیا اس کی اولاد اس کے لاڈلے منچلے جوان بیٹوں کے لیے ہمارے معاشرے میں بے شمار کہانیاں اور گیت موجود ہیں جو نمبردار کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں اور اسی احساسِ برتری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔نمبردار کا بیٹا علاقے میں کسی علاقائی حکومت میں ولی عہد اور شہزادہ کا سا مزاج رکھتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔

(2) دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھنا: سرداری اور شیخ قبیلہ کے خاندان میں احساس برتری کا پیدا ہونا یقیناً دوسری طرف لوگوں میں بھی از خود اپنے آپ کو کمتر محسوس کرنا اور سردار کے اہل خاندان اور قریبی رشتہ داروں کے رویوں میں اہلِ قبیلہ کو حقیر سمجھنا اور بعض اوقات اس کا احساس دلانا ـــــ لازم وملزوم ہیں کہ ایک سوچ پیدا ہوگی تو دوسری سوچ لازماً جنم لے لے گی۔

(3) شیخِ قبیلہ کا طرز بود و باش: انسانی معاشرت میں کئی برائیاں پہلے ناگزیر ضرورت کے طور پر سامنے آتی ہیں اور پھر عادت بن جاتی ہے اور پھر نفسیات کا حصہ بن کر رویوں میں تبدیلی لاتی ہے۔

ہر شخص تصور کر سکتا ہے کہ 200 یا اس سے زیادہ خاندانوں پر مشتمل کسی قبیلہ کے شیخ کا گھر عام گھروں کی طرح نہیں ہوسکتا۔شیخ قبیلہ کے پاس لوگوں رمہمانوں کا آنا جانا، تنازعات کے مشورے، جھگڑوں کے فیصلے اور ملاقاتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔لہٰذا:

(i) اس کے گھر میں ایک مناسب سا مہمان خانہ، رہائشی کمرے، غسل خانے ضروریات زندگی، کھانے کا انتظام، باورچی اور قریبی رشتہ داروں اور دور کے غریب لوگوں میں فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے کئی معیارات کا کھانا اور رہائشیں ناگزیر ہیں۔پھر تنازعات کے چکانے کے لئے مجالس کا انعقاد کرنے کے لئے بڑے بڑے اجتماعات (100 افراد سے لے کر چار یا پانچ سو افراد تک کا انتظام) ضروری ہے اور موسم کے لحاظ سے سردی گرمی، بارش، دھوپ کا لحاظ رکھتے ہوئے کئی طرح کے بڑے ہال، نشستوں کا اہتمام، باہر بیٹھنے کے لئے خوبصورت لان (GRASSY PLOTS & LAWNS) بھی ضروری ہیں۔الغرض شیطان کی آنت کی طرح یہ ایک طویل سلسلہ ہے جو شیخِ

قبیلہ کے مزاج کے مطابق چل پڑتا ہے اور رکنے کا نام نہیں لیتا۔ اتنے بڑے سیٹ اپ کے لئے نوکر چاکر، باورچی، چوکیدار، خدمت گار، مالی وغیرہ وغیرہ کتنے ہی کارکن درکار ہیں۔ پھر اسی طرح کا انتظام خواتین کے آمد پر (جو کہ ناگزیر ہے) ضروری ہیں۔ لہٰذا مردوں کے انتظام کی طرح کا ایک پورا سیٹ اپ (SETUP) خواتین کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہاں سے شیخِ قبیلہ کے لئے بڑے گھر، حفاظت، لوازمات کا طویل سلسلہ درکار ہے، جو ضرورت بن جاتا ہے۔ لہٰذا شیخِ قبیلہ کا بود و باش عام لوگوں سے کہیں نمایاں اور آسودہ حال خاندانوں سے بھی بڑا اور وسیع بنانا ضروری ہو جاتا ہے۔

(4) عوام پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا اور 'شیخ' یا سردار ہونے کو خاندانی اور نسلی بنانے کی کوشش کرنا:

یہ انسانی کمزوری ہے اور ضرورت بھی۔ عام انسان بھی اسی طرح سوچتا ہے اور ہر قبیلے کا شیخ اور سردار بھی۔ عام آدمی بیس پچیس سال کی عمر تک کماتا اور کھاتا ہے، پھر شادی ہو جاتی ہے اور اولاد ہو جاتی ہے۔ عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوتی ہے تو اولاد کی فکر ہوتی ہے، ان کی تعلیم، معاش، شادی اور گھر کی ضروریات نگاہوں کے سامنے آتی ہیں لہٰذا عام آدمی اپنے حالات کے مطابق اس مسئلے کا حل نکالتا ہے۔ یہی مسئلہ سردار اور شیخ قبیلہ کا بھی ہے لہٰذا وہ اس مسئلہ پر سوچتا ہے اس کی اولاد کی ایک طرح کی تربیت ہوتی رہتی ہے کہ سردار کے گھر میں کیا مصروفیات اور واقعات ہوتے ہیں اور ان سے کیسے نمٹا جاتا ہے۔ اس قسم کی تربیت کسی نمبردار یا شیخِ قبیلہ کے علاوہ کسی گھر میں اسے میسر نہیں آسکتی۔

حالات ـــــ یہاں تک آتے ہیں تو شیخِ قبیلہ اپنے بعد اپنے بیٹے کو شیخِ قبیلہ بنانے کے لئے فکرمند ہو جاتا ہے اور اپنا سارا زور اسی پلڑے میں ڈال دیتا ہے کہ کسی طرح اس کی وفات کے بعد یا بڑھاپے میں ہی اس کی نظروں کے سامنے اس کا بیٹا سردار بن جائے اور اس کی دستار بندی ہو جائے۔ بات یہیں نہیں رکتی بلکہ دوسری نسل میں یہی بات ایک نفسیاتی بیماری (CANCER) بن جاتی ہے کہ کسی طرح یہ سرداری یا شیخ کا منصب میری اولاد میں ہی رہے تو کیا کہنے؟ یعنی یہ عزت و وجاہت خاندانی اور موروثی بن جائے۔ چاہے اس غلط کام کے لئے اس کو کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑیں۔ یہاں قیادت و سیادت ایک خاندانی اور موروثی درجہ پاتا ہے اور خرابیوں کی ایک آکاس بیل ہے جو اس قبیلہ کے مقدر پر سوار ہو جاتی ہے اور اس قبیلہ کو ختم کر کے ہی دم لیتی ہے۔

(5) سردار پر اپنے لئے سہولتوں میں اضافہ اور معیار زندگی کو بلند تر کرنے کا بھوت سوار ہونا

ہر قبیلہ کا ایک جغرافیائی علاقہ اور ہر سردار کی سرداری کی حدود ہوتی ہیں، جسے سردار اور اہل قبیلہ خوب سمجھتے ہیں۔ ہر شعبۂ زندگی کے افراد کی طرح شیخِ قبیلہ اور سردار بھی قرب وجوار کے دوسرے قبائل کے شیوخ اور سرداروں سے میل اور روابط رکھتے ہیں۔ ان روابط میں خیر اور شر دونوں طرح کے عوامل شامل ہوتے ہیں اور امکان بھی ہے۔ اس سطح پر آ کر سردار دوسرے سردار کی کسی کمزوری کو تاہی کو دیکھ کر فوراً اپنے لئے اس قسم کے رویّے یا اہل قبیلہ کا ردّعمل مثبت بنانے کی منصوبہ بندی شروع کر دیتا ہے اور دوسرے قبیلہ نے اپنے شیخ کو کتنی سہولتیں اور کتنا اعلیٰ معیاری 'محل' اور 'ڈیرہ' دے رکھا ہے وہ بھی شیخ کے مشاہدے میں آتا ہے اور اگر شیخ ذرا دنیادار اور خداشناسی و وحی شناسی سے دور ہے تو فوراً متأثر ہوسکتا ہے اور اپنے لئے اسی طرح کے انتظامات کرانے کے درپے ہوجاتا ہے۔ یہ بیماری جب پھیل جائے تو لاعلاج ہوجاتی ہے سردار کی دولت بڑھتی جاتی ہے اور عوام غریب ہوتے جاتے ہیں۔ دولت کی غلط تقسیم معاشرے میں دودھاری تلوار کی طرح بیک وقت دو طرح کے عمل کرتی ہے: ایک یہ کہ غریب غریب سے تر ہوتا جاتا ہے اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا جاتا ہے اور معاشرے میں دولت و وسائل رزق کی ظالمانہ اور غیر منصفانہ تقسیم سے معاشرے خانہ جنگی تک پہنچ جاتے ہیں۔

(6) شیخ اور سردار کا اپنے عوام کو باہر کے افکار سے دور رکھنا اپنی سرداری کو موروثی بنا کر دوام بخشنے کے لئے سردار اور شیوخ اپنے اہل قبیلہ کو باہر کے نظریات وافکار سے بے بہرہ رکھتا ہے تاکہ اس کے ماتحت لوگ دنیا کی بیداری، ترقی، سہولیات، عدل وانصاف اور کسی دوسرے سردار کی سادہ زندگی اور بے لوثی نیز عدل وانصاف کی فراہمی جیسے امور پر بے بہرہ رہیں اور یہ کہیں سڑکوں پر آ کر اس کے اقتدار اور بُری بھلی خاندانی سرداری کو ختم نہ کردیں۔ یہ ہمارے سرداروں کی بیماری ہے اور شاید عوام اس کو کماحقہ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ یہ بیماری آج سے ہزاروں سال پہلے بھی اور آج اکیسویں صدی میں بھی نفسیاتی سطح پر ہر سرداری نظام کا جزو لاینفک ہے۔ **اعاذنا اللّٰہ من ذالک**

اس کے علاوہ بھی کئی نفسیاتی عوامل کارفرما ہوجاتے ہیں تاہم ہم یہاں انہیں 6 باتوں پر اکتفا کررہے ہیں۔

عمرانیات کا ارتقاء

حصہ چہارم

عمرانیات کا علم انسانی تجربے کا نچوڑ ہے اور ابتدائی انسانی معاشروں سے ہی یہ تجربات شروع ہوئے جو صدیوں کے تعامل سے آگے بڑھے ہیں انسان نے خاندان، برادری اور قبیلہ کے ابتدائی مراحل تو جلدی طے کر لیے تھے۔ تاہم انسانی آبادی کے پھیلاؤ، علم کی وسعت کے ساتھ ذرائع آمد و رفت کی ترقی اور انسانی معاشروں کے آزادانہ باہمی میل جول سے انسان نے رہن سہن کے اجتماعی علم میں کئی اور منزلیں بھی سر کر لی ہیں۔ انسان آج سے چار ہزار سال پہلے تک قبیلہ سے چھوٹی انسانی آبادی (شہر)، بڑے شہر (جہاں متعدد قبیلے رہائش پذیر ہوں) اور بادشاہتوں کا تصور قائم کر چکا تھا۔ قبیلہ کے شیخ اور سرداری نظام تک خرابیاں اپنی جگہ تاہم انسانی نفوس کی ایک محدود تعداد، محدود علاقہ اور قریبی رشتہ داریوں اور تعلقات کے ساتھ وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ خرابیاں قابل اصلاح حد تک ہی رہیں اور قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کر گئیں۔ اس سے اگلے مراحل میں انسانی آبادی کے بڑھنے اور بادشاہتوں کی حدود کی حد درجہ وسعت کی وجہ سے یہ خرابیاں بھی کئی گنا بڑھ گئیں اور مزید خرابیاں بھی پیدا ہو گئیں جن کا مختصراً تذکرہ درج ذیل ہے:

(1) بڑی بڑی بادشاہتوں کا قیام

- تاریخ انسانی میں مشرق وسطیٰ کا علاقہ اور خط استواء کے شمال کی طرف 15° درجے سے 50° درجے کے علاقے،.....جبکہ مشرق میں دریائے گنگا، جمنا اور سندھ کی وادیوں سے لے کر مراکش تک کے علاقے، براعظم افریقہ کا شمالی علاقہ، جزیرہ نمائے عرب سے ملحق مشرقی علاقہ اور یورپ کا جنوبی اور مشرقی علاقہ انسان کی جولان گاہ رہے ہیں۔

آج سے پانچ صدیاں قبل تک صنعتی ترقی نہیں تھی اور آج زندگی کی جو سہولتیں (بجلی،

وافر پانی، گیس وغیرہ) آسانی سے میسر ہیں، پہلے وہ بادشاہوں کو بھی میسر نہیں تھیں۔ آج مزدور کے گھر میں فرج، بجلی کا پنکھا، ٹی وی، موبائل فون یا بڑے گھروں میں اے سی موجود ہیں، سفر کے لئے آٹو موبائل ٹرانسپورٹ ہے، AC بسیں اور ہوائی جہاز ہیں۔ پہلے یہ سہولتیں امراء طبقے اور بادشاہوں کے لئے بھی نہیں تھیں۔ بادشاہ بھی گھڑے کا پانی پیتے تھے۔ نوکر پنکھا ہلا کر ہوا دیتا تھا، گھوڑے، اونٹ اور گدھے پر سواری ہوتی تھی۔

- روئے ارضی پر یورپ کا شمالی حصہ اور ایران، افغانستان اور کوہ ہمالیہ کے سلسلہ سے اوپر بہت سے علاقے نہایت سرد ہیں۔ سائبیریا کا علاقہ یہیں ہے اور افریقہ کے وسطی و جنوبی علاقے بھی غیر متمدن تھے اور بنیادی سہولتوں سے محروم۔ جنوبی ایشیا میں بھی انتہائی جنوبی علاقے اسی طرح تھے۔

- سائبیریا سے وحشی قبائل وسائل زندگی کی تلاش میں نکلتے تھے اور آگے بڑھتے بڑھتے متمدن دنیا تک آتے تھے۔ سائبیرین اقوام وحشی، غیر مہذب، بے رحم، ظالم اور سفاک ہوتے تھے، لہٰذا علاقوں کو فتح کرتے جاتے تھے اور متمدن دنیا میں رہائش پذیر ہو کر یہیں کے ہو کر رہ جاتے تھے کہ واپسی کا نام نہیں لیتے تھے۔ انسانیت کی معلوم تاریخ میں آج سے آٹھ ہزار سال پہلے اوپر مذکورہ متمدن علاقہ میں سائبیرین اقوام کوئی چھ سات صدیوں بعد حملہ آور ہوتے تھے اور مختلف علاقے فتح کر کے وہاں قابض ہو جاتے تھے۔ تاریخِ انسانی پر لکھی گئی مشہور کتاب

"SYBERIA THE CRADLE OF CONQUERERS" (سائبیریا _ عالمی فاتحین کا گہوارہ) کا مضمون یہی ہے کہ تمام بڑے فاتحین (جو انسانی تاریخ میں نمایاں ہوئے وہ بنیادی طور پر) سائبیریا کے علاقے سے ہی اٹھے تھے۔ اسی طرح جنوبی افریقہ سے 'کالے لوگ' جو عام طور پر مغربی مصنّفین کے نزدیک بربر قبائل کہلاتے ہیں اور انہیں قبائل کی شمال کی طرف متمدن دنیا کی طرف بڑھنے اور علاقے فتح کرنے کی بھی ایک تاریخ ہے اور یہ بھی متمدن دنیا بلکہ یورپ تک کے علاقے پر پہنچ جاتے تھے۔ عالمی انسانی تاریخ پر دوسری اہم کتاب "WHEN BLACKS RULED THE WORLD" (جب تمام متمدن دنیا پر 'کالے' حکمران تھے) کا مضمون یہی ہے۔

2۔ بادشاہتوں کا کئی صدیاں قائم رہنا

آج کے جمہوری دور میں تمام مہذب اور جمہوری ممالک میں حکومت کا دورانیہ (TENURE) عموماً چار یا پانچ سال ہوتا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حکومتوں کے لیے چار سال پورے کرنا مقتدر پارٹی کے لیے دردِ سر بنا رہتا ہے اور دن گن گن کر حکمران جماعت یہ وقت گزارتی ہے۔ اس لیے کہ حزبِ مخالف حکومت کو ہر معاملے پر ٹف ٹائم (TOUGH TIME) دیتی ہے اور طرح طرح سے رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے۔ جبکہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ماضی میں ہزاروں سال پہلے خاندانی بادشاہتیں کئی کئی صدیاں (500 سے لے کر 1000 سال تک) حکومت کرتی رہیں۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے ان حکومتوں کی طویل مدت حکمران رہنے کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ حکومتیں اور حکمران مطلق العنان بادشاہ تھے۔ اکثر و بیشتر بادشاہ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی قانون ہوتے تھے۔ بادشاہ سلامت کسی گویے یا جوکر (JOKER) سے خوش ہو گئے تو اس بات پر بادشاہ کی طرف سے انعامات کی بارش ہو جاتی تھی۔ جبکہ کسی حق گو مصاحب کی تنقید اور مفید مشورہ پر ناراضگی ہو گئی تو اس شخص کو بھوکے شیروں کے سامنے ڈال دینا یا دیگر طریقوں سے مروا دینا کوئی عیب نہیں تھا۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں طویل بادشاہتوں کا راز بالعموم حد درجے کی سفاکانہ سزائیں اور مخالفین کے لئے تعذیب (TORTURE) کے بے رحمانہ طریقے ہی عوام کو جبری

خاموش کر دینے یا مخالفین کے خاتمہ کا سبب بنتے تھے۔لہٰذا حکومتیں طویل عرصہ حکمران رہتی تھیں۔

3 عوام اور حکمرانوں میں دُوریاں

بڑی بادشاہتیں قائم ہوئیں تو اس سے انسانی اجتماعی ضرورت کی روح ختم ہوگئی جس کے تحت انسان نے خاندان، برادری اور قبیلہ کی سربراہی کا سفر شروع کیا تھا اور جس سے انسان کے مسائل حل ہوتے تھے اور انسانی زندگی پرسکون ہوتی تھی اور وسائل رزق (بالخصوص معاشی سطح پر) کی تقسیم میں مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا اور زندہ رہنا ہر انسان کا حق سمجھا جاتا تھا۔احترام جان و مال، عزت آبرو اور اظہارِ رائے کے بھی مواقع ملتے تھے۔ بڑی بادشاہتوں کے قیام سے مقامی سطح پر حکمران بادشاہ کے نمائندے/تنخواہ دار ملازم سامنے ہوتے تھے جنہیں اپنی ذاتی اغراض اور مفاد زیادہ عزیز رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ انگریزی محاورے کے مطابق "LOYAL TO THE KING THAN THE KING HIMSELF" عوام کو ظلم و قہر اور تعذیب (PERSECUTION) کے ذریعے خاموش رکھتے تھے اور محرومین کی آواز بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ جبکہ شیخِ قبیلہ کی سطح تک عوامی مسائل اور شکایت کا ازالہ اور مداوا بڑا سہل اور کم خرچ رہتا تھا۔

4 حکومتی شاہ خرچیاں اور عوام پر ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ

بادشاہتوں کے قیام کے ساتھ ہی حکمرانوں نے اپنے لئے اعلیٰ درجے کے وسیع محلات، سیرگاہیں، باغات، سرکاری عمارات، کھیل کود کے میدان، لہوولعب کے لئے کشادہ اوپن تھیٹر اور مسقّف تھیٹر وغیرہ تعمیر کرائے۔ بادشاہوں نے لوگوں پر مظالم ڈھائے، دشمنوں اور حکومت مخالف لوگوں کو مصلوب کیا، طرح طرح سے تکالیف دے کر زندگی سے محروم کیا۔ لہٰذا عوام کی طرف سے ایک اَن دیکھے متوقع ردّعمل کے لئے ذاتی محافظ اور محلات کی حفاظت کے لیے بڑی بڑی مسلح افواج STANDING ARMIES بنائی گئیں۔ان ساری شاہ خرچیوں پر عوام کا بے تحاشا پیسہ خرچ ہونے لگا۔ضروریات بڑھیں تو ٹیکس بڑھے جس سے عوام میں حکومتوں کے خلاف ناراضگی اور بیزاری (RESENTMENT) پیدا ہوئی، جسے دبانے کے لئے عوام کے پیسے سے

بنائی گئی اَفواج استعمال کی گئیں۔ یوں ماضی کی یہ بادشاہتیں عوام کے پیسے لوٹ کر عیاشی کرنے کی عادی بن گئیں اور ذرا مخالفت پر اسی عوام پر مظالم کی حد کردی گئی۔ عربی محاورے کے مطابق ’’سَمِّنْ کَلْبَکَ یَأْکُلْکَ‘‘ کتے کو پال پوس کر موٹا کرو ایک دن تمہیں کاٹ کھائے گا یا روایتی کہانی کے مصداق کسی نے برف میں ٹھٹھرتے سانپ کو ازراہ خدا ترسی نکالا اور دھوپ میں رکھا سانپ ہوش میں آیا تو اس نے بچانے والے ہی کو کاٹ لیا۔ بادشاہ اپنے عوام پر ہی مظالم ڈھانے لگے اور یوں بادشاہوں اور عوام میں نفرتیں پیدا ہوئیں اور بُعد بڑھتا چلا گیا۔ بادشاہوں نے اس بے ہودہ باشاہت کے نظام کو عوام کے لئے قابل قبول بنانے کے لئے بڑے بڑے نظریات گھڑ کے عوام میں عام کیے۔ یونیورسٹیوں میں پڑھایا اور حکومتی اہلکاروں کے ذہن میں انڈیلا ــــــ مگر کیا کیا جائے، مظلوم کے دکھوں کا مداوا کسی پُر مغز لیکچر سے نہیں، اس کے ساتھ انصاف کرنے اور اس کی دادرسی سے ہی ممکن ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

باب 3

آسمانی ہدایت
یعنی رحمت خداوندی کا نزول

حصہ اوّل

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم

حصّہ اوّل

سلسلۂ انبیاء ورُسل

01۔ انسان اور خالقِ کائنات کبھی ایک دوسرے سے لاتعلق نہیں ہوسکتے۔ انسان اللہ کی شاہکار تخلیق ہے اور اشرف المخلوقات کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا کر کے اپنے لئے اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ (14:23) کی شان بیان فرما رہا ہے۔ ذرا غور کریں تو کائنات کی بے جان چیزیں (غیر نامیاتی) ہوں یا جاندار اور زندگی کی حس رکھنے والی (نامیاتی) دونوں اپنے خالق سے ہر دم اور ہر لحظہ ایک گونہ تعلق اور توجہ رکھتی ہیں تبھی کائنات میں یا روئے ارضی پر اور نظامِ شمسی میں ہنگامۂ شوق جاری ہے۔ قرآنَ مجید میں خود ربّ کائنات نے انسان میں ضروریات زندگی کے تحت کچھ علوم اور ہدایات فطری اور طبعی طور پر رکھ دی ہیں ان صلاحیتوں سے استفادہ مسلم اور غیر مسلم دونوں برابری کی سطح پر بطور انسان اٹھاتے ہیں۔ جو محنت کرتا ہے وہ اپنی محنت اور کوشش کا پھل پالیتا ہے۔ آج سے سات صدیوں پہلے مسلمان اس میدان میں بلا شرکت غیرے سرخیل تھے اور اب آج مغرب اور غیر مسلم دنیا اس میدان میں کامیابی کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔

خالق کائنات نے انسان کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے طبعی حالات اور زمانے کی ترقی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور انہیں انسانوں کے لئے نمونہ اور رول ماڈل (ROLE MODEL) بنایا۔ آسمانی وحی اور نزولِ ہدایت کو قرآن مجید نے رحمت قرار دیا ہے اور اس رحمت کے نزول نے انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ زبانی وحی سے لے کر صحائف، تورات، زبور، انجیل اور پھر قرآن مجید جیسی نادر کتاب کا روپ اختیار کیا ہے۔ تحریری اور کتاب کی صورت چونکہ محفوظ، غیر مبدل اور لازوال ہو جاتی ہے لہٰذا خالق کائنات نے

قرآن مجید کے نزول کے بعد صاحبِ قرآن حضرت محمد ﷺ کو یہ نعمت عطا فرما کر آخری نبی قرار دیا اور آسمانی ہدایت اور روزمرہ کی ہدایات (وحی) کا باب قیامت تک کے لیے بند کر دیا۔ قرآن مجید آخری آسمانی ہدایت ہے۔ تورات، زبور اور انجیل آسمانی کتب ہونے کے باوصف مرورِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں اور گم ہوگئیں یا غائب کر دی گئیں۔ وجہ کچھ بھی ہو اب دنیا کے سامنے یہ کتابیں اپنے اصلی متن کے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ جبکہ قرآن مجید آخری اور مکمل ہدایت ہونے کی وجہ سے آج بھی صفحۂ ہستی پر اور ہر بستی، آبادی، شہر اور ملک میں اس علاقے کی اپنی زبان میں ترجمے کے ساتھ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی وجہ سے اس کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے (09:15)۔ لہٰذا دشمنوں کی مکروہ چالوں اور کارستانیوں کے باوجود یہ کتاب آج بھی اپنے متن کے ساتھ منصۂ شہود پر علانیہ موجود ہے اور قیامت تک (ان شاء اللہ) رہے گی تاکہ جو لوگ یعنی جو طالبانِ حق اس ہدایت سے استفادہ کرنا چاہیں وہ کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبوت و رسالت کو رحمت قرار دیا۔ اسی لئے ہمارے آقا سیّدنا حضرت محمد ﷺ آخری اور کامل و اکمل نبی ہونے کے ناطے اور کل روئے ارضی کے لئے 610ء سے لے کر قیامت تک نبی و رسول ہیں لہٰذا آپ کا تعارف قرآن مجید میں رحمت ٌللعالمین کے ساتھ آیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آپ پر نازل شدہ تمام وحی بھی مجسم رحمت ہے اور انسانیت کے لئے ہدایت اور زندگی کا سرچشمہ ہے۔

02۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بتدریج وحی بھیجی۔ ابتدائے تاریخ میں انسانی زندگی بڑی سادہ فطری تھی لہٰذا آسمانی ہدایت اور پیغمبروں کی تعلیمات بھی زبانی (ORAL)، سادہ اور بسیط تھیں۔ پھر انسانی زندگی نے خاندان، برادری اور قبیلہ کی شکلیں اختیار کیں اجتماعی زندگی نے پیچیدہ شکلیں اختیار کیں تو آسمانی ہدایت بھی اسی پس منظر میں ضرورت کے مطابق نازل ہوئی۔

03۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی تاریخ اور انسانی تاریخ ایک ہی ہے اور اس میں بڑی مشابہت ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

حیات ایک، زمانہ ایک، کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے قصۂ قدیم و جدید

حقیقت یہی ہے کہ زمانۂ ماقبل تاریخ کی انسانی نفسیات اور عصرِ حاضر کے انسان کی نفسیات اصولی اور نظری طور پر ایک ہی ہے۔ فرق ہے تو صرف اصطلاحات اور الفاظ کا، وگرنہ بنیادی اور حقیقی کوئی فرق نہیں۔

قابل افسوس بات یہ ہے اور یہ بات حقیقتاً ایک المیہ ہے کہ آج کی متداول تاریخ اور اس کی کتب جو مختلف جدید مغربی تعلیمی اداروں میں پڑھائی جارہی ہیں اور ترقی پذیر ملکوں اور معاشروں نے بھی بھیڑ چال کے انداز میں یہی مغربی نصاب اپنے تعلیمی اداروں میں بھی نافذ کر رکھا ہے، وہ نصاب کسی انسانی معاشرے میں پڑھانے کے قابل ہی نہیں ہے۔ اس نصاب میں تاریخ کا ایسا برخود غلط، توڑ موڑ کر پیش کردہ (PERVERTED & TWISTED) نصاب پڑھایا جارہا ہے جس میں صرف مادّی اور تجرباتی علوم کا بھرپور اور مغربی سیکولر ولبرل ذہن کے مطابق تذکرہ ہے جبکہ علومِ انبیاء علیہم السلام، یعنی تاریخ انسانی کے گل سرسبد انبیاء کرام علیہم السلام جو حقیقی اور صحیح و کامل انسان تھے انسانیت کے لئے نمونہ تھے ان کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں ہے اور ان کی تعلیمات جو انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح کے لئے واحد میسر قابل اعتماد ذریعہ ہیں ان سے مکمل لاتعلقی اختیار کی گئی ہے اور اس دھاندلی (PERVERSION) کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ واحد اندازِ فکر کے طور پر پیش کر کے آسمانی ہدایت کو صرف نظر انداز ہی نہیں 'رد' کیا جارہا ہے کہ آسمانی وحی کے انداز میں یا اس کے تابع سوچنا ہی انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔

04۔ انبیاء کرام علیہم السلام نسل انسانی کی ایسی برگزیدہ اور مثالی شخصیات ہیں جنہوں نے تشریف لاکر انسانی زندگی کو بنایا، سنوارا اور ہمیشہ تازگی بخشی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ تعلیمات انسان کی بھلائی کے لئے تھیں اور حقیقتاً فکر انسانی کے بانجھ گوشوں میں فکر و تخیّل میں کمی کو پورا کرنے کے لئے تھیں تاکہ فکر انسانی کے بعض نظر انداز شدہ گوشے بھی منوّر اور آشکار ہو جائیں اور انسان اپنی معنوی منزل یعنی کاملیّت کی طرف بڑھ سکے نیز انسانوں کو آسمانی ہدایت کے تابع کر دیا جائے تاکہ فلاحِ دارین کا سامان تازہ ہوتا رہے۔

حصّہ دوم

دعوتِ بندگیٔ ربّ اور خلافت ارضی

- تاریخ میں مشرقِ وسطیٰ میں تشریف لانے والے چھ اہم پیغمبروں کا تذکرہ قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ کہیں اشارۃً کہیں مختصراور کہیں تفصیلاً اور جامع انداز میں ہے۔
- انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری کا مقصد انسانی زندگی کے دونوں گوشوں یعنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں خالق کائنات کی منشا کو ظاہر کر کے اس کو اختیار کرنے کی زوردار دعوت تھا۔
- انفرادی زندگی کے لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری اور پیغمبر علیہ السلام کی کامل اور غیر مشروط طاعت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔ جبکہ انسانی زندگی صرف انفرادیت اور انفرادی زندگی کی اِصلاح تک محدود نہیں بلکہ اجتماعی گوشوں میں اخوت، آزادی (رائے وفکر و نظریہ) اور مساوات کی زبردست پکار اور دعوت کو بھی محیط ہے۔ اچھی اور مثالی انفرادی زندگی کے لئے قرآن مجید کی اصطلاح دعوت بندگیٔ رب ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِO (56:51)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے''

عام اور سیکولر آزاد منش مغربی انسان کے لئے یہ دعوتِ بندگی بھی نا قابل قبول ہے جبکہ مسلمانوں کے لیے..... یہ بندگی اللہ تعالیٰ کا زندگی بھر ممکنہ حد تک کہنا ماننا ہے جبکہ اجتماعی سطح پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ قرار دیا ہے کہ روئے ارضی پر عام حالات میں اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا لہٰذا اجتماعی زندگی میں اخوت، مساوات اور حریت کے تحت زندگی کو گزارا جائے اور اسی پر عمل درآمد کرایا جائے۔ فرمایا:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (30:02)

''اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں''

اسی خلافتِ ارضی کے لئے انسان کو اعلیٰ احسن تقویم پر پیدا کیا، مسجود ملائک بنایا اور روحانی وجود بخشا۔

● اس خلافت ارضی کے لئے اللہ نے انسان کو حکومت الٰہی کے قیام کے ساتھ وسائل کو منصفانہ طور پر تقسیم کرنے اور اس ضمن میں تمام انسانوں کو برابر آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرنے کا حکم دیا ہے اور شریعت کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہے۔

کس نہ گردد در جہاں محتاجِ کس نکتہ شرعِ مبیں این است و بس

(شریعت میں عدل کا تقاضا یہ ہے کہ) دنیا میں کوئی انسان کسی کا محتاج نہ رہے (حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی اس) شرعِ مبین کا خلاصہ اور نکتہ صرف یہی بات ہے

در جہاں اسرارِ دیں را فاش کن نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کن

اپنے حجرے سے باہر نکلو اور دنیا میں دین محمد ﷺ کے اسرار (کائنات میں انسان کے مقام) کو فاش کردو اور شرعِ مبین کے نکتہ کو ہر چہار سو بیان کردو

تا ندانی نکتۂ اکل حلال بر جماعت زیستن گردد وبال

جب تک تو رزقِ حلال کی حقیقت و اہمیت نہیں جانے گا (مسلمانوں کے) معاشرے پر تیرا جینا وبال ہوگا

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست چشم او یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ نیست

افسوس کہ یورپ (خودشناسی و خداشناسی کے) اس مقام سے آگاہ نہیں ہے اس کی آنکھ 'اللہ کے نور سے دیکھنے والی' (آنکھ) نہیں ہے (وہ صرف حیوانی آنکھ سے دیکھ رہا ہے)

او نداند از حلال و از حرام حکمتش خام است و کارش ناتمام

وہ (پاکیزہ چیز) حلال اور (ناپاک چیز) حرام میں فرق نہیں سمجھتا اس کی حکمت و بصیرت بھی خام ہے اور کام بھی نامکمل ہے

اُمتے بر اُمتے دیگر چرد دانہ ایں می کارد، آں حاصل برد

ایک قوم دوسری قوم (کے وسائل) کو کھا رہی ہے یہ (محنت کرکے) دانہ کاشت کرتی ہے، وہ

(خواجہ وآقا ہوکر) پیداوار (یعنی وسائل رزق ظالمانہ طور پر) لے جاتی ہے

از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است از تن شاں جاں ربودن حکمت است

کمزوروں (محکوم قوموں) سے روٹی چھین لینا ان کی استحصالی حکمت ہے اور ان کے جسم سے جان نکال دینا (ان کے نزدیک غالب وحاکم کی) حکمت ہے

شیوۂ تہذیب نو آدم دری است پردۂ آدم دری سوداگری است

اس نئی مغربی تہذیب کی روش انسان کی چیر پھاڑ یعنی نوچ نوچ کر کھانا ہے یہ آدم دری (انسان کی خون پسینے کی محنت لوٹ کر کھا جانا) سوداگری کے پردے میں ہوتی ہے

ایں بنوک ، ایں فکر چالاک یہود نورِ حق از سینۂ آدم ربود

یہ بینکوں کا نظام (سودی معیشت) جو (انسان دشمن) مکار یہودیوں کی استحصالی فکر کا نتیجہ ہے انسان کے سینے سے حق کا نور (انسان دوستی اور رحم کے تمام جذبات) ختم کر دیتا ہے

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

(اے مسلمان) جب تک یہ (سودی نظام) بنیادوں سے اُکھیڑ کر نہ پھینک دیا جائے (اس وقت تک) دانائی، انسان دوست رویے اور خدا شناسی یعنی شریعت پر چلنا سب ناپختہ اور بچگانہ باتیں ہیں

حکمتش از عدل است وتسلیم و رضاست بیخ او اندر ضمیر مصطفیٰ ﷺ است

شریعت کی حکمت عدلِ اجتماعی اور تسلیم و رضا ہے اس کی جڑ (بنیاد) مصطفےٰ ﷺ کے ضمیر یعنی ان درست رویوں کی تعلیمات میں ہے

مصطفیٰ ﷺ داد از رضائے 'اوٗ خبر نیست در احکامِ دیں چیزے دگر

محمد مصطفےٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی (کے اونچے درجات) کی خبر دی ہے دین کے تمام احکام میں اس کے علاوہ کوئی اور چیز مقصود نہیں ہونی چاہیے

تخت جم پوشیدہ زیر بوریا است فقر و شاہی از مقاماتِ رضا ست

اللہ تعالیٰ کی رضا مل جائے تو تختِ جم بوریا کے نیچے چھپا ہوا مل جاتا ہے فقر اور شاہی دونوں اسی تسلیم ورضا کے مقامات میں سے ہیں

- وحی الٰہی اور آسمانی ہدایت کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان وسائل رزق کے لئے دوسرے کا محتاج نہ رہے اور کوئی کسی کا رزق بند نہ کر سکے۔ ہر انسان کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔

اسی بات کی وضاحت یہ ہے کہ محتاجوں، بیواؤں، یتیموں، اپاہجوں اور بے روزگاروں کے لیے آسمانی ہدایت میں کفالت عامّہ کا تصور پنہاں ہے اور یہ کفالت عامّہ مساواتِ انسانی کی بنیاد پر روبہ عمل آئے گی۔ حکمران اور خلیفہ بھی عام انسان ہے اور وسائل رزق میں سب کا حق برابر ہے۔ مزدور اور حاکم، زمین کا مالک اور دست کار، نوکر اور آقا سب بحیثیت انسان برابر ہیں ____ یہی درویشی ہے۔

- آسمانی ہدایت یعنی رحمتِ خداوندی ہی کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مرید اور دنیا کے غلام ظالم وسفاک بادشاہوں کے مقابلے میں انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی حکومت اور بادشاہت عطا فرمادی۔

جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (20:05)

''اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا''۔

اس عمل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے ملک کا وارث بنا دیا اور بالآخر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت (1000 ق م سے 900 ق م) کی معلوم کے معیارات کے مطابق بہترین حکمران اور آسمانی ہدایت کا نمائندہ بنا دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں ان کے تابع ہوائیں، پرندے، جنگلی جانور اور جن بھی تھے۔ گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اگر انسان آسمانی ہدایت کے مطابق انسان بن کر حکمران کا حق ادا کرے تو 'یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح وقلم تیرے ہیں' کا مصداق بن سکتا ہے۔ اب بات صرف اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کا اتباع اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری غیر مشروط اور شک وشبہ سے بالاتر ہونی چاہیے۔

حصّہ سوم

بندگیٔ ربّ اور نظامِ خلافت

(درویش حکمران)

آسمانی ہدایت یعنی وحی خداوندی کے تحت انسانی زندگی کے دو اہم حصے ہیں۔ آسمانی ہدایت کا پھیلاؤ دو حصوں پر بیک وقت ہونا ضروری ہے۔ ایک حصہ انفرادی انسانی زندگی ہے جس میں انسان اسلام میں پورے کا پورا داخل ہو جائے تو اسے عبادتِ ربّ یا بندگیٔ ربّ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ O (21:02)

''لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو''

انسان کی تخلیق بندگیٔ ربّ ہی کے لئے کی گئی ہے اور انفرادی طور پر ہر شخص اس کا جواب دہ ہے۔ جبکہ بحیثیت انسان جب آدم علیہ السلام کو تخلیق کر کے زمین پر اتارا گیا تو ایک دوسرا منصب اور اعلیٰ مقام انسان کو بخشا گیا اور وہ ہے 'خلیفۃ اللّٰہ فی الارض' اور اس نظام کا نام ہے نظامِ خلافت اور تمام پیغمبر بالقوہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے اور حالات و واقعات کے تناظر میں اپنے ماحول میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل پیرا ہو کر اجتماعی سطح پر انہی احکام کی تنفیذ ان کا فرض منصبی تھا اور انہوں نے اسے نبھایا۔

خارجی حالات کے فرق اور ہر پیغمبر کے لئے جیسا ماحول دیا گیا اس کے مطابق عملاً یہ کام ازاوّل تا آخر مکمل ترین شکل میں تکمیل پذیر ہوا جناب سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے ہاتھوں کہ انہوں نے

علاقہ فتح کر کے ایک حکومت کی بنیاد رکھی اور ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ اور معتمد ترین ساتھیوں نے اس نظامِ حکومت کو منشائے نبوی کے عین مطابق سرانجام دے کہ باقی انسانیت کے لئے ایک نمونہ بھی چھوڑا اور رہتی تک دنیا کے انسانوں پر احسان بھی فرمایا کہ زندہ مثال سامنے کر دی۔

بقول علامہ اقبال اگر انفرادی زندگی میں دین اور بندگیٔ ربّ ہو اور اجتماعی زندگی کا خانہ خالی ہو اور اس کے لیے جدوجہد بھی نہ ہو تو یہ صورت حال اِس شعر کا مصداق ہوتی ہے:

؎ جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس صورت حال (THEME) کو سمجھنے کے لیے ایک دوسری مثال بھی پیش خدمت ہے جس سے مدعا زیادہ نمایاں ہو جائے گا۔

ہمارے ہاں دو الفاظ مستعمل ہیں: (i) دین (ii) مذہب

- آج سے پچاس سال پہلے تک مسلمان معاشرے (بالخصوص جنوبی ایشیا کے متمدن علاقوں) میں مسلمانوں کے نام میں لفظ دین بہت زیادہ مستعمل تھا اور یہ ہمارے ذہنی تصورات کو ظاہر کرتا تھا۔ مثلاً سراج دین، نور دین، قمر دین، شمس دین، محمد دین، احمد دین، عمر دین، قطب دین، فرید الدین، علم دین وغیرہ وغیرہ۔ اسی پر مستزاد تھے بعض اہم نام جیسے نظام الدین جس سے دین کے ایک نظام ہونے کا تصور سامنے آتا تھا۔ اب عرصہ سے یہ نام متروک ہو چکے۔ وجہ کیا ہے؟ وہ مغربی تصورات کی بالادستی ہے۔ دوسرا لفظ ہمارے ہاں سلف سے استعمال ہو رہا ہے وہ لفظ مذہب ہے۔ 'مذہب' اور 'دین' دونوں عربی کے الفاظ ہیں۔ اسلام کے لیے دین کا لفظ قرآن میں آیا ہے جبکہ لفظ 'مذہب' قرآن مجید میں استعمال ہی نہیں ہوا، ذخیرہ احادیث میں بھی یہ لفظ اسلام کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے۔

اس کے برعکس آج مسلمانوں میں اسلام کے لئے لفظ مذہب عام ہے۔ شناختی کارڈ کا فارم ہو یا ڈومیسائل کا، ملازمت کا ہو یا کہیں داخلے کا سب جگہ اس سوال کا جواب کہ تمہارا مذہب کیا ہے ہم لکھ دیتے ہیں 'اسلام'۔ غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ لکھ دیتے ہوں گے۔

- اسلام کو دین کی بجائے مذہب تصور کر لینے سے عوام کے ذہن پر گہرے اثرات پڑتے ہیں اور 'دین' کے بنیادی تصورات دھندلا گئے ہیں اور آج مسلمان بے عملی کی وجہ سے دین سے

بہت دور جا چکے ہیں۔

● مذہب اور دین کا فرق:

مذہب کا لفظ ذھب سے بنا ہے اور مذھب بمعنی راستہ کے آتا ہے۔ جبکہ دین کا لفظ ایک SYSTEM اور نظام زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی سرگرمیوں سے تمہیں تمہارے دین (فرعونی نظام حیات) سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ بادشاہوں کا نظام بھی ایک طرح 'دین' ہوتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے الفاظ قرآن مجید میں آئے ہیں کہ اپنے بھائی بنیامین کو روکنا بادشاہ کے دین (دین الملک) کے تحت ممکن نہیں تھا۔ سورۃ النصر میں وارد ہے کہ:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ O وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا O (2-1:110)

''جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں''

یہاں دین اللہ کے الفاظ سے مراد وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر مشتمل ہے اور حضرت محمد ﷺ لائے ہیں۔

گویا دین ایک ہمہ گیر اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ایک نظام زندگی کا نام ہے جبکہ مذہب کسی دین کے تحت اپنے عقائد کے مطابق زندگی گزارنا۔ اس کی مثال 1947ء سے پہلے کا زمانہ کا ہے جب جنوبی ایشیا پر منحوس مغربی برطانوی صہیونی استعمار کا ناجائز قبضہ تھا۔ اس میں پورا ملک برطانیہ کے آئین کے تحت تھا اور ملکی دیوانی اور فوجداری قانون اس کا تھا۔ جب انسان کو پرسنل لاء (PERSONAL LAW) میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت تھی۔ لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ انگریزی استعمار کے دور میں جنوبی ایشیا میں بے شمار مذاہب کے پیروکار آباد تھے اور اپنے اپنے مذہبی تعلیمات کے مطابق انفرادی زندگی میں مذہبی رسومات اور عبادات کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں عیسائی، یہودی، ہندو، جین مت، بدھ مت، سکھ اور مسلمان وغیرہ سب آباد تھے۔ ملکی قانون یعنی دین انگریز کا تھا جبکہ اس 'دین برطانیہ' کے تحت اَن گنت مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے

مذہب کے مطابق ذاتی زندگی کے معاملات اپنے مذہبی رہنماؤں کے احکام کے مطابق سرانجام دے کر خوش تھے۔ مثلاً عبادات کے لئے عیسائی چرچ میں جائیں، یہودی سینی گاگ میں جائیں۔ سکھ گوردوارہ میں جائیں، ہندو مندر میں جائیں اور مسلمان مساجد میں جائیں۔ انگریز کو اس پر اعتراض بھی نہیں تھا اور سروکار بھی نہیں۔ حکومتی ضرورت صرف اتنی تھی امن وامان برقرار رہے۔ اسی طرح عبادات کے علاوہ مذہب میں کچھ مذہبی رسومات ہیں۔ شادی، خوشی، غمی، بچوں کی پیدائش، اموات وغیرہ ہر معاشرے اور مذہب کے ناگزیر EVENTS ہیں لہٰذا ہر مذہب میں ان مواقع پر خوشی اور غمی کے اظہار کے لئے انہوں نے طریقے تیار کر رکھے ہیں۔ اس پر عمل درآمد کے لئے ہر مذہب کے پروکاروں کو اس کی آزادی تھی۔ کسی شخص کے فوت ہونے پر ہندو لاش کو جلا دیتے ہیں، عیسائی خاص رسومات ادا کرتے ہیں، مسلمان لاش کو صاف کر کے غسل دے کر نئے کپڑے (کفن دے کر) زمین میں گڑھا کھود کر دفنا دیتے ہیں اور ایک طبقہ اپنی لاشوں (DEAD BODIES) کو تیار کر کے پہاڑوں پر رکھ دیتے ہیں اور جنگلی درندے لاش کو کھا جاتے ہیں۔ برطانوی استعمار کو اس سے غرض نہیں تھی کہ کون کیا کرتا ہے اس کو صرف اس کی فکر تھی کہ انگریز کی حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے اور حکومت کی WRIT کو نہ چیلنج کیا جائے تو کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

پون صدی قبل کے برطانوی استعمار اور آج کے امریکہ (USA) میں یہی مماثلت ہے۔ امریکہ میں دنیا بھر کے ممالک سے لوگ تعلیم اور ملازمت اور روزگار یا کاروبار کے لئے آباد ہیں اور ہر ایک کو پرسنل لائف میں اپنے مذہب کے مطابق رسومات وعبادات کا انتظام کرنے کی اجازت ہے پس مذہب کو POLITICISE نہ کیا جائے اور حکومت کو مذہبی نقطہ نظر سے فتویٰ لگا کر گرانے کی کوشش نہ کی جائے تو سب ٹھیک ہے۔ امریکہ میں غالب دین ایک سیکولر نظام ہے اور یہی USA کا دین ہے اور دین جمہور ہے اس کے تحت درجنوں مذاہب قائم ہیں اور سب مذاہب امریکی دین کی بالادستی کو قبول کیے ہوئے ہیں۔ یہی الفاظ ہیں جو ہر وہ آدمی جو امریکی شہریت لیتا ہے اسے ایک جج کے سامنے پیش ہو کر یہ 'کلمہ شہادت' ہاتھ اٹھا کر حلفاً ادا کرنے پڑتے ہیں کہ میں ہر حال میں امریکی آئین اور قانون کا وفادار رہوں گا اور امریکی مفادات پر آنچ آئی تو میں اس ملک کے نظام سیکولرازم یا دین جمہور کو بچانے کے لئے اسلحہ بھی اٹھاؤں گا۔ یہی فرق ـــــ دین اور مذہب کا فرق ہے۔

حصّہ چہارم

دین و مذہب کے الفاظ کے مفہوم میں فرق

خالق کائنات کی منشا اور تقاضا یہ ہے کہ انسان آسمانی ہدایت کے تحت آجائے اور زندگی کو ایک وحدت سمجھے، دنیا اور دین کا فرق نہ کرے۔ کچھ کام یا سرگرمیاں دنیوی اور بعض کام اور سرگرمیاں دینی قرار دینے سے انسانی زندگی تقسیم ہو جاتی ہے، انسانی سوچ تقسیم ہو جاتی ہے اور نفسیاتی طور پر انسان کا اخلاقی کردار اور ضمیر کی طاقت ختم ہو جاتی ہے کہ وہ دل میں دنیوی کام اور دینی کام کی تقسیم کر کے ایک واضح حد فاصل بنا چکا ہوتا ہے۔ اس سے انسانی شخصیت میں دوغلا پن یا منافقت آجاتی ہے اور انسان اپنے غلط کاموں کو حالات کا جبر کہہ کر جواز بخش دیتا ہے حالانکہ اس عمل سے انسان کے اندر نفسیاتی طور پر دوہری شخصیت (DUAL PERSONALITY) وجود میں آچکی ہوتی ہے اور کردار کی طاقت اور شخصیت کا جلال و جمال ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

آیئے انسان کی اس کمزوری کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ اس کا صحیح تجزیہ کر کے کمزوری کی نشاندہی کر سکیں اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

عصر حاضر میں انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی گوشے خوب واضح ہو چکے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

انسانی زندگی

انفرادی زندگی　　اجتماعی زندگی

انفرادی زندگی　عقائد　عبادات　رسومات

اجتماعی زندگی　　سماجی زندگی　　معاشی زندگی　　سیاسی زندگی

سماجی نظام　　معاشی نظام　　سیاسی نظام

آسمانی ہدایت میں زندگی ایک وحدت ہے اور انفرادی و اجتماعی گوشے صرف افہام و تفہیم اور اکیڈمک سطح کی گفتگو کے لئے وضع کر لیے گئے ہیں۔ اوپر دیے گئے چارٹ کو اکٹھا کر کے بنایا جائے تو صورت حال زیادہ واضح ہو جائے گی، اس لحاظ سے یہ نقشہ کچھ یوں ہوگا۔

انسانی زندگی

انفرادی زندگی — اجتماعی زندگی

عقائد عبادت رسومات — سماجی نظام معاشی نظام سیاسی نظام

مذہب — خاندان — سیکولر

خاندان اجتماعی زندگی کا بھی پہلا
پتھر ہے جبکہ بالعموم اس کو انفرادی
زندگی میں شمار کر لیا جاتا ہے

انفرادی زندگی + اجتماعی زندگی

دین

اسلام

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَام.....(19:03)

انسان کے کردار کی پختگی ہوگی تو وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی سب کی سب دین اسلام کے تحت کر دے گا اور یہ سب سے اعلیٰ اور حسین 'احسن تقویم' درجہ کا انسانی کردار ہے۔ کردار کی کمزوری اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان تمام زندگی خالق کائنات کی مرضی کے اور پسند کے تحت نہیں کرنا چاہتا بلکہ 'من مانی' اور اپنی انا یا EGO کو اللہ تعالیٰ کی مرضی 'انائے کبیر'

THE ULTIMATE EGO کے حوالے نہیں کرتا۔ اسی طرزِ عمل سے زندگی میں مایوسیاں ناکامیاں DEORESSTION، FRUSTATION اور نتیجتاً کئی طبعی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں۔

O اسلام صرف ایک مذہب نہیں کہ صرف انفرادی زندگی کے شعبے عقائد، عبادات (MODES OF WORKSHIP) اور رسومات (RITUALS) تک محدود کردیا جائے۔ اسلام ایک دین ہے اور دین پوری انسانی زندگی کا احاطہ چاہتا ہے اور انفرادی زندگی کے اجتماعی گوشے بھی یعنی خاندانی نظام کے ساتھ سماجی نظام، معاشی سطح پر عدل اجتماعی اور سیاسی سطح پر اللہ کی حاکمیت کا فروغ چاہتا ہے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

فِیْ مَدْحِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم

زیں کہکشاں تا لا مکاں
بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ
ہمہ نور کرد ایں خاکداں
کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
خُلُقش ہمے قرآن گشت
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
با رب چوں باشی ہم زباں
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ آلِہٖ

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اَشعار پر تضمین

حصّہ پنجم

اجتماعی زندگی میں

اخوت، مساوات، معاشی عدل اور اللہ کی حاکمیّت کے تصورات

کی ترویج، فروغ اور غلبہ

آسمانی ہدایت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور ان پر اترنے والی وحی ربانی کا لب لباب یہی رہا ہے کہ انسانی زندگی کے عمرانی ارتقاء میں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق آسمانی ہدایت اتاری گئی اور انسانوں نے اس کو قبول کیا۔ یہاں تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمانی ہدایت کا باب مکمل کر کے بند کر دیا گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی میں ایک مکمل ترین اور کامل ترین انسان تھے۔ کامل واکمل واحسن نبی اور رسول (علیہ السلام) تھے۔

'انقلاب' انسانی زندگی کے اجتماعی گوشوں یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست میں بنیادی تبدیلی کا نام ہے۔ اسلامی انقلاب سے مراد جامع انقلاب ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا جس میں زندگی کے انفرادی گوشے اور اجتماعی گوشے تبدیل ہوئے یعنی عقائد، عبادات اور رسومات کے ساتھ عائلی زندگی، سماجی اقدار، معاشی نظام اور سیاسی نظام۔

انفرادی زندگی سے متعلق تو اصلاح کا کام علماء نے جاری رکھا لیکن مغربی اقوام کے غلبہ کے باعث اجتماعی گوشہ مغلوب ہو گیا اور اسلام دین نہ رہا بلکہ مذہب کی صورت اختیار کر گیا۔ اصل کام اس اجتماعی گوشہ میں دوبارہ دین اسلام کا غلبہ اور یہ کام کسی ایک ملک کی حدود میں کرنا ہوگا اور پھر اسے باقی دنیا کے لئے نمونہ بنانا ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کی طرف رسول ہیں اور غلبۂ دین پوری دنیا پر مطلوب ہے.....جس سے سماجی معاشی اور سیاسی سطح پر نمایاں تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

1۔ سماجی سطح پر

1۔ چونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔اس لیے نسل، رنگ، زبان، پیشے اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی اونچا ہے نہ نیچا بلکہ عزت وشرافت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہوں گے۔

2۔ پردے کے شرعی احکام نافذ کر کے خواتین کی عزت ووقار کی پوری حفاظت کی جائے گی۔ اسلام کے خاندانی نظام کے تحت خواتین کی معاشی کفالت کی پوری ضمانت ہوگی تا کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ آئندہ نسل کی بہترین تربیت کرسکیں۔

3۔ خواتین کو ملکیت اور وراثت کے اسلامی حقوق حاصل ہوں گے۔ نیز انہیں تعلیم، صحت اور گھریلو صنعتوں کے میدان میں پردے اور ستر کے احکامات کو مدنظر رکھ کر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کی پوری آزادی ہوگی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اداروں میں صرف عورتیں کام کریں گی اور عورتیں نگران ہوں گی۔ گھریلو انڈسٹری کو رواج دیا جائے گا۔

4۔ اسلامی سزاؤں کے نفاذ سے بدامنی کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور قتل، چوری اور ڈاکے کے علاوہ زنا اور تہمتِ زنا کی بھی جڑ کٹ جائے گی۔

5۔ سماجی برائیوں جیسے رشوت، فضول خرچی، نمود ونمائش کے لیے بے تحاشا دولت ضائع کرنے اور شادی بیاہ کی ہندوانہ رسموں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

6۔ مفت اور جلد از جلد انصاف مہیا ہوگا اور جھوٹی گواہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ دیوانی معاملات میں فیس، وکلاء کا رول اور ان کی فیسوں کا معاملہ۔

7۔ سب کے لیے ایک ہی جیسا نظامِ تعلیم ہوگا۔ امراء کے لئے نظامِ تعلیم اور.....اور غرباء کے لئے اور یہ تعلیم میں شرک ہے جو ختم کرنا ہوگا۔ اس میں قدیم اور جدید.....دینی اور دنیاوی کی کوئی تقسیم نہ ہوگی۔ میٹرک اور ایک حد تک لازمی تعلیم مفت ہوگی۔

2۔ معاشی سطح پر

1۔ ریاست ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، تعلیم اور علاج کی ذمہ دار ہوگی۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور عشر اور غیر مسلموں سے جزیے کی وصولی کا نظام نافذ ہوگا۔ آج کا دور اقتصاد کا دور ہے، انسان حیوان محض بن گیا

ہے، زندگی کا مقصد کمانا اور خواہشات کو پورا کرنا قرار پایا ہے۔ بے روزگاری الاؤنس، ویلفیئر الاؤنس، حضرت عمرؓ نے اس کا اجراء کیا تھا۔

2۔ سود کی لعنت کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جائے گا۔ جوئے، لاٹری، سٹے، دوطرفہ آڑھت اور خرید و فروخت کی تمام حرام صورتوں کو ختم کر کے سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی جائے گی اور جائز ذرائع سے سرمایہ کاری کو فروغ دیا جائے گا۔

3۔ جاگیرداری کی لعنت کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا اور اس طرح غیر حاضر زمینداری کی تمام برائیاں بھی ختم ہو جائیں گی۔

4۔ شریعت اسلامی کی حدود کے اندر انفرادی ملکیت اور آزاد معاشی جدوجہد کی فضا برقرار رہے گی۔ اس ضمن میں صحت مند مقابلے سے صنعت و تجارت کو ترقی ہوگی اور پیداوار میں اضافہ ہوگا۔

5۔ مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان اسلامی بھائی چارے اور عدل و انصاف کے علاوہ باہمی سوداکاری میں مزدور کو ریاست کی جانب سے کفالت کی ضمانت حاصل ہوگی۔

3۔ سیاسی سطح پر

1۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی چنانچہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکے گا۔ اعلیٰ عدالتوں کو پورا اختیار ہوگا کہ اس قانون کو منسوخ کر دیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

2۔ خلافت سے قریب ترین نظام صدارتی نظام ہے لیکن باقی سارے نظام بھی مباح ہیں کوئی پابندی نہیں ہے۔

3۔ ریاست کے کامل بہترین شہری صرف مسلمان ہوں گے اور ان کے حقوق شہریت بالکل مساوی ہوں گے اور وہ اسلام کے اصول مشاورت کے مطابق باہمی مشورے سے ملک کے نظام کو چلائیں گے۔

4۔ تمام شہری قانون کی نظر میں برابر ہوں گے اور کوئی شخص حتیٰ کہ صدرِ ریاست یا وزیراعظم بھی قانون سے بالاتر نہ ہوگا۔

5۔ علاقائی یا نسلی وقبائلی روایات میں جو شریعت اسلامی سے متصادم نہ ہوں، انہیں پورا تحفظ حاصل ہوگا۔

حصّہ ششم

قبیلہ کی سرداری سے

راجہ مہاراجہ، کنگ، بادشاہ، شہنشاہ (شاہانِ شاہ)

EMPERORS، جمہوریت اور درویش حکمران

حضرت آدم علیہ السلام جو پہلے انسان (روح اور جسد کے ساتھ) اور پہلے نبی علیہ السلام بھی تھے ان کا زمانہ قرآن کے مطابق زیادہ سے زیادہ دس ہزار سال ہے۔ اس سے پہلے ممکن ہے کہ سورۃ آل عمران (33:03) اور الاعراف (11:07) کے مطابق آیات کے الفاظ اور جملوں کی بناوٹ میں امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لاکھوں آدم پیدا کر دیے ہوں جن میں سے حضرت آدم علیہ السلام کا اصطفاء ہوا ہے۔ اس طرح کی تاویل سے:

- جدید سائنسی اکتشافات کے حقیقی ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔ ہر صورت ہمارے نزدیک اوپر بیان کردہ تشریح میں روئے ارضی پر سلسلہ انبیاء و رُسل علیہم السلام کا عرصہ آج سے دس ہزار سال قبل سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔ (اس کے مالہٗ اور ماعلیہ کے تذکرہ کا یہ موقع نہیں ہے یہ موضوع الگ سے بحث و تمحیص کا متقاضی ہے۔)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت صالح علیہ السلام تک انسانیت نے پہلے خاندان برادری اور قبیلہ تک عمرانی سطح پر اٹھان کا مرحلہ طے کیا ہے۔ پھر قبیلہ کے سردار کے بعد کئی قبیلوں کے اجتماع سے شہری ریاستیں اور پھر لاکھوں مربع میل پر پھیلی عظیم بادشاہتیں منصۂ شہود پر آئی ہیں اور پھر شہنشاہتوں (EMPERORS) کا دور آیا ہے یہاں تک پہنچنے میں انسانیت کو کئی ہزار سال (تقریباً 6500 سال) کا عرصہ لگا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانی وحی کے ذریعے اس اعلیٰ اجتماعی سطح پر توحید، معاد اور خدا شناسی و وحی شناسی کے تصورات کو امر کرنے کے لئے اور ظالم و سفاک راجوں مہاراجوں اور انسان دشمن و اخلاق دشمن بادشاہوں اور شہنشاہوں کے سامنے اِتمامِ حجت کے لئے

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومتوں کے شاندار ادوار کے مناظر دکھائے ہیں کہ بادشاہت یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ انسان اللہ کا بندہ بھی رہے اور اس کے احکام کی تنفیذ کرنے والا بھی بن جائے یعنی خلیفة الله فی الارض۔

- حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کہنے کو بادشاہ تھے اور وسائل دنیوی کا رکھ رکھاؤ بھی تھا مگر ان کے ادوار میں بھی عام آدمی کی رسائی بادشاہ اور حکمران تک بڑی آسان تھی۔ بنی اسرائیل (یہود و نصاریٰ) کے تاریخی اثاثہ میں یقیناً اس بات کے بہت سارے ناقابل تردید شواہد ہوں گے مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر وہ ان شواہد و حقائق کو انسانیت کے سامنے لانے کو تیار نہیں اور نہ ان اصول و مبادی کی طرف آسمانی ہدایت سے محروم دنیا کو دعوت دینے کو تیار ہیں۔
- برطانوی حکومت کے پاس لندن کے سنٹرل کتھیڈرل میں ایک پتھر کی سِل موجود ہے جس پر بیٹھ کر حضرت داؤد علیہ السلام کی تاجپوشی ہوئی تھی اور آج بھی برطانوی بادشاہ (یا ملکہ) کے حلف کا موقع آتا ہے تو اسی پتھر پر بیٹھ کر یہ رسم پوری کی جاتی ہے اور اسرائیل کے یہودیوں کے نزدیک ہیکل سلیمانی کی تیسری دفعہ تعمیر 3rd TEMPLE کے بعد یہ پتھر لندن سے تل ابیب لایا جائے گا اور یہیں ان کے مزعومہ عقائد کے مطابق مثیل مسیح اس پتھر پر بیٹھ کر حق حکمرانی ادا کریں گے۔ واللہ اعلم
- حضرت داؤد علیہ السلام ایک بادشاہ تھے اور ان کا ایک ڈیرہ اور حویلی بھی تھی اس کے اندر ایک عبادت کے لئے مخصوص کمرہ بھی تھا۔ قرآن مجید بتاتا ہے ان سب تفصیلات کے باوجود یہ دور اتنا سادہ تھا کہ دو سائل انسان تہجد کے وقت ان کے کمرۂ عبادت میں پہنچ گئے اور اپنے قضیئے کے فیصلے کا تقاضا کیا۔ (سورہ ص 38: دوسرا رکوع) تفصیلات میں گئے بغیر ہر آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں خلافت ارضی کے فی الواقع ماحول کے زمینی حقائق (GROUND REALITIES) کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ یہی کچھ حال حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے کہ جنگی مہارت کے ساز و سامان اور ہواؤں، پرندوں، جنگلی جانوروں اور جنات پر قابو رکھنے (اور حکمرانی) کے باوصف سادہ زندگی گزار رہے تھے کہ خود کسی تعمیراتی کام کی نگرانی کرتے آخری وقت آ گیا اور سرکاری سطح پر پروٹوکول کے جھمیلوں سے آزاد، کسی کو خبر نہ ہوئی اور سرکاری سطح پر

اطلاعِ عام ہوئی نہ سوگ منایا گیا نہ سیکورٹی عملہ میں افراتفری مچی کہ بادشاہ سلامت کہاں ہیں حتیٰ کہ ان کے (لکڑی کے) عصا (جس کے سہارے کھڑے نگرانی کر رہے تھے) کو دیمک کھا گئی اور وہ مٹی ہو کر دباؤ نہ لے سکا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک ایک طرف گرا، تب جنات کو اندازہ ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے۔ سوال یہ ہے کہ اتنا بڑا بادشاہ، وسیع حکومت مگر اتنا عرصہ (کم از کم چند ماہ) بادشاہ کے اپنے سرکاری کاموں سے غیر حاضری اور فرائض کی عدم ادائیگی کا کسی نے نوٹس نہ لیا۔ بینوا و توجروا.....

مثال: ہمارے نزدیک ان حالات و واقعات کی جو بھی توجیہ کی جائے اس میں اس سلیمانی دور حکومت (خلافت ارضی) کی سادگی اظہر من الشمس ہے۔

کہ ع بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

یا بقول اقبال

ع قلندرانہ ادائیں ، سکندرانہ جلال

Earth is the only planet not mamed after a God.(بت)

باب3

حصّہ ہفتم

حضرت آدم علیہ السلام سے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک

- حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان (روح اور جسد کے ساتھ) اور پہلے نبی بھی تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد تک انسانی زندگی بالکل عہد طفولیت میں تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک آبادیاں ہوگئی تھیں اور پہلی انسانی تہذیب دریائے دجلہ وفرات کے دوآبے میں (ملک عراق) قائم ہوئی۔
- حضرت نوح علیہ السلام کے وقت میں اولاد آدم اور اوپر درج تشریح کے مطابق وہ آدم جن میں سے حضرت آدم علیہ السلام کا اصطفاء کر کے مسجود ملائک اور نبی بنایا گیا تھا سب موجود تھے مگر حضرت نوح علیہ السلام پر بہت کم لوگ 60-70 افراد (صرف نوح علیہ السلام کی اولاد کا بیشتر حصہ) ایمان لائے باقی سب لوگ طوفان نوح کی نذر ہوگئے۔ کشتی نوح علیہ السلام میں جو اہل ایمان بچے آج ساری انسانیت انہیں کی اولاد ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ اولاد نوح مشرق میں ہند، سندھ اور مشرق بعید تک پہنچی اگرچہ اس ہجرت میں کوئی دو ہزار سال لگ گئے۔ جنوب میں یہ لوگ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحل (یمن) وغیرہ تک پہنچے، 'قوم عاد' کہلائے، ترقی کی اور ایک تہذیب کو جنم دیا۔ حضرت ہود علیہ السلام تشریف لائے، قوم نے انکار کیا تو عذاب آ گیا۔ پھر اہل ایمان حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ واپس شمال کی طرف گئے کہ باقی تین اطراف میں سمندر تھا اور آج کے ملک اُردن کے جنوب اور سعودی عرب کے شمالی علاقے میں آباد ہوئے۔ ایک نئی تہذیب نے جنم لیا اس قوم کے پاس زرعی رقبے بھی تھے اور پہاڑی علاقہ بھی۔ نرم پتھر کے ان پہاڑوں میں یہ قوم پہاڑوں کے اندر کھود کھود کر عالیشان مکان بنا لیتے تھے۔ انہیں اپنی تہذیبی برتری پر ناز تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام آئے قوم کے انکار پر عذاب آ گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام پر اونٹنی کا معجزہ بھی ظاہر ہوا۔

یہاں سے اہل ایمان حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مصر کے راستے پر آباد ہوئے جو آبادی بعد میں مدین کہلائی۔ کچھ حصہ فلسطین کے شمال مشرقی حصہ میں جا کر آباد ہوا۔ دیگر افراد قوم میں جنسی بے راہ روی کا غلبہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت صالح علیہ السلام تک تین ہزار سال کا عرصہ گزرا تھا کہ عراق کے آس پاس اور مصر تک افریقی قبائل (BLACKS) حکمران تھے۔ ان کے بعض سائبیرین قبائل آ کر آباد ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آج سے 4000 سال قبل یا 2000 ق م کا زمانہ ہے۔ یہ زمانہ آتے آتے انسان نے بڑی ترقی کر لی تھی اور تجرباتی علوم میں بھی انسان آگے بڑھ گیا تھا اور عمرانی علوم میں بادشاہوں کا زمانہ آ گیا تھا۔ عراق میں نمرود بادشاہ آباد تھے انہوں نے 3500 ق م میں تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی ہے یہ قوم (نمرود بادشاہ کی تہذیب اور قوم) بت پرست تھی۔ نمرود خود خدائی کا دعویدار تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہ لایا۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ دورِ جدید (ایجادات، سائنس کی ابتداء، لکھنے پڑھنے کی ابتداء) کا آغاز (DAWN OF HISTORY) ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے یہ ان کے بھتیجے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوط ساتھ تھے اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام کو فلسطین کے مشرق میں آباد اجڈ اور گنوار قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ نبی بھی تھے اور رسول بھی۔ جلد ہی اس قوم پر مردوں کا مردوں سے جنسی بے راہ روی کی روش کی وجہ سے عذاب آ گیا۔ (یہی مرحلہ آج امریکہ کو درپیش ہے امریکہ کے سپریم کورٹ کے جج رابرٹ ایچ بارک نے 1998ء میں کتاب لکھی جو نیویارک میں BEST SELLER قرار پائی۔ اس کتاب کا نام ہے SLOUCHING TOWARDS GAMMORA۔ امریکی معاشرہ قومِ لوط جیسے انجام کی طرف لڑھک رہا ہے۔ 1998ء میں ہی امریکی صدر کلنٹن نے نامعلوم یہ سچی بات کس کیفیت میں کہہ دی تھی کہ 50% سے زائد امریکیوں کو اپنے باپ کا نام معلوم نہیں یعنی وہ بغیر نکاح کے جنسی تعلقات کا نتیجہ ہیں عرفِ عام میں حرام زادے ہیں۔ 1998ء اور اب 2017ء بیس سال بعد حالت کیا ہے؟ شاید کسی تحقیقی ادارے کے پاس یہ اعداد و شمار موجود ہوں ویسے قابل فہم ہیں اور ہر ذی شعور انسان اس ترقی معکوس کا خود اندازہ کر سکتا ہے)

قومِ لوط پر عذاب کے جلدی بعد مدین میں قوم شعیب پر بھی عذاب آ گیا یہ قوم تاجر پیشہ تھی اور تاجرانہ خرابیاں حد درجہ کو پہنچ چکی تھیں۔لہٰذا یہ قوم عذاب کا نوالہ بنی، وہاں سے حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل ایمان فلسطین جا کر آباد ہوئے۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو ہونہار بیٹے دیے تھے۔ایک بیٹے اسماعیل علیہ السلام جن کو آپ نے مکہ میں آباد کیا تھا جہاں کعبہ کے آثار تھے مگر کوئی آبادی اور پانی نہیں تھا۔ دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو فلسطین کے پاس آباد کیا۔

- حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی دعا سے جلد ہی زم زم کا چشمہ ظاہر ہوا تو وہاں آبادی ہوئی اور مکہ شہر آباد ہوا۔یہیں ابراہیم علیہ السلام آتے جاتے رہے تھے۔یہیں مکہ میں اسماعیل کی قربانی کا واقعہ پیش آیا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے کعبہ کو تعمیر کیا اور گھر یعنی بیت اللہ بنا دیا۔اس دوران آپ علیہ السلام نے کئی دعائیں مانگی تھیں وہ سب دعائیں اللہ تعالیٰ نے من وعن قبول فرمالیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد خوب پھلی پھولی اور دو صدیوں کے اندر اندر شمالی عرب اور مغربی عرب (مصر سے ملحقہ علاقے) میں حکمران بن گئی۔2500 سال بعد انہیں کی اولاد میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ان 2500 سالوں میں سرزمین عرب میں کوئی نبی نہیں آیا۔

- حضرت اسحاق علیہ السلام کو والد محترم نے فلسطین میں آباد کیا تو ان کی اولاد بھی خوب پھلی پھولی اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بارہ فرزند عطا فرمائے۔اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبری اور کتاب رکھ دی تھی (26:57) حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بنی اسرائیل میں 1800 ق م سے حضرت مسیح علیہ السلام تک 18 صدیوں میں بے شمار نبی آئے جن میں حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ بڑے نمایاں ہیں۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری 'صبح تاریخ انسانی' تو ہے ہی کہ اس سے پہلے لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا اور اس کے بعد کی تاریخ ایک معلوم تاریخ ہے۔تاریخ انبیاء کرام نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکات سے ایک نیا موڑ لیا ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام کی تاریخ میں (جس کا لب لباب قرآن مجید میں آ گیا اور اہم پیغمبروں کے حالات

بیان ہوئے ہیں جس کا مختصر تعارف ہم نے اوپر درج کر دیا ہے) اہل ایمان کی تعداد کم ہوتی تھی اور قوم کے من حیث المجموع انکار پر قوموں پر عذابِ استیصال (EXTERMINATION) آجاتا تھا کہ قوم کا نام ونشان مٹا دیا جاتا تھا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے روئے ارضی پر ذرائع آمدورفت کم تھے اور ایک علاقے کے حالات دوسرے علاقے (تین چار سو میل تک) بہت دیر میں پہنچتے تھے۔ فرعون اور نمرود خدائی کے دعویدار تھے مگر ان کے قلمرو کے باہر (تین سو میل کے باہر) ان کو کوئی جانتا بھی نہیں تھا بلکہ کوئی اور انسان خدائی کا دعویدار تھا۔ گویا آسمانی ہدایت کا آنا اور فروغ پانا علاقائی (REGIONAL) اور محدود تھا قوم کی تباہی پر ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کو آکر از سرنو بنیاد سے کام کرنا پڑتا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی امتحانوں میں ڈالا اور ان سب امتحانوں میں کامیابی کے بعد جو انعامات دیے، ان میں سے ایک انعام یہ بھی تھا کہ:

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِيۡمَ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ (26:57)

''اور ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ابراہیم (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور انہی کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کو (مختص) کر دیا''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہی کو مختص کر لیا تھا کہ اب نبوت ورسالت وانزالِ کتب اسی خاندان میں محدود رہے گا (یہی آسمانی فیصلہ بنی اسرائیل کے بگاڑ کا ظاہری سبب بن گیا) لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پیدا ہونے والا ہر نبی ان کی اولاد میں ہی ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار پیغمبر آئے پھر 600 سال وقفہ (فترۃ وحی) رہا اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تقریباً 2500 سال بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یوں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

ایک ہی خاندان میں سلسلۂ نبوت کا ایک مقصد، ایک ہی سرزمین، ماحول اور ذہنی سطح کے افراد کی تربیت اور GROOMING کے ذریعے ادنیٰ سے اعلیٰ درجوں تک لے جانا ہے تاکہ انسانیت میں بہت سے لوگ اعلیٰ انسانی اقدار، احسن تقویم کے تقاضے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اچھے، بااثر اور مثالی انسان پر اٹھیں اور دنیا بھر کے دیگر انسانوں کے لیے مثال اور نمونہ

(IDEAL)یاROLE MODELبن کر اتمام حجت کر سکیں۔

دوسرا مقصد عظیم جو قرائن سے سامنے آتا ہے اور تورات، زبور اور انجیل کے ذریعے بعد میں سامنے آ کر پتھر کی لکیر بھی بن گیا، کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لاتے تھے تو اہل ایمان کم ہوتے تھے علاقائی سطح کی بات ہوتی تھی لہٰذا اہل حق کو بچانے کے لیے اللہ کو معجزانہ طور پر (DIVINE INTERVEVTION) کے ذریعے اہل باطل کا صفایا کرنا ضروری ہو جاتا تھا اس سے پہلے کہ وہ اہل حق کا صفایا کر دیں اور مقاصدِ تخلیق انسانی مضمحل ہو جائیں۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایک ہی خاندان میں نبوت اور کتاب کو رکھنے اور ایک ہی خاندان کے زیر اثر آنے والے لوگوں کی تربیت و تعلیم کے ذریعے علمی و روحانی اٹھان کے ذریعے اعلیٰ درجے کا ایمان اور معرفت ربانی کے ذریعے ایک ایسی امت مسلمہ اور فدائین اسلام یا خدائی فوجداروں کا گروہ تیار کرنا تھا جو انسانی سطح پر اسباب و علل کی دنیا میں مادی اسباب اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور توکل کی بنیاد پر باطل، اہل باطل اور شریروں و باغیوں اور ابلیسی قوتوں کا دوبدو (FACE TO FACE) مقابلہ کر سکے۔ گویا اب آہستہ آہستہ تاریخ عالم میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ماننے والوں کے لیے جہاد و قتال کا دروازہ کھول دیا گیا، جہاں نمرود، فرعون، یونانی، رومی، ایرانی بادشاہ شہنشاہ لاکھوں کی مسلح افواج کے ساتھ اسلحہ سے لیس موجود ہوں وہاں اہلِ حق تھوڑے قلیل افراد، اسباب سے تہی دست، رضا کار، جسمانی اعتبار سے بھی کمزور اور ناتواں مگر حق پر یقین و ایمان اور اللہ پر بھروسہ اور پیغمبروں کی باطنی و روحانی تعلیمات اور آخرت کی زندگی میں کامیابی کے لیے باطل کے سامنے صف آرا ہوں اور دنیا کی خاموش اکثریت حق کی حقانیت اور باطل کا بطلان اپنے آنکھوں سے دیکھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ (249:02)

''بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے''

اور یوں حق و باطل کے معرکے میدانِ جنگ سے عام زندگیوں اور گھروں میں بھی داخل ہو کر انسان کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی کا حصہ بن جائیں اور یہ عمل مسلسل جاری رہے، تا قیامت جاری رہے۔ واللہ اعلم

درویشی کیا ہے؟

درویشی کو عربی میں زُھد یا زھادہ اور درویش کو زاہد کہتے ہیں۔ اردو میں اس کا ترجمہ ''دنیا سے بے رغبت ہونا'' کیا جاتا ہے۔ یہ زُہد (درویشی) دین اسلام میں مطلوبہ اوصاف میں سے ایک وصف ہے۔ ہمارے ہاں درویش لفظ سننے سے عام طور پر جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ کسی انسان کے ظاہری حلیہ کا ہوتا ہے کہ درویش وہ آدمی ہے جس نے پرانے سے کپڑے پہنے ہوں، موٹے دانوں والی تسبیح ہاتھ میں ہو اور وہ دنیا کے معاملات سے بالکل قطع تعلق ہو۔ یہ درویشی کا حقیقی مفہوم نہیں ہے۔ بلکہ درویشی ایک ایسا وصف ہے جس کا تعلق انسان کے باطن (دل) سے ہے نہ کہ ظاہر سے۔ جیسا کہ شعب الایمان میں منقول ہے کہ

لَيْسَ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ، وَلَكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ تَكُونَ بِمَا فِي يَدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَوْثَقَ مِنْكَ بِمَا فِي يَدِكَ، وَأَنْ يَكُونَ حَالُكَ فِي الْمُصِيبَةِ وَحَالُكَ إِذَا لَمْ تُصَبْ بِهَا سَوَاءً، وَأَنْ يَكُونَ مَادِحُكَ وَذَامُّكَ فِي الْحَقِّ سَوَاءً

زُہد (درویشی) حلال کو حرام سمجھنے اور مال کو ضائع کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ زُہد (دوریشی) یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اُس پر تمہارا بھروسہ زیادہ ہو بہ نسبت اس کے جو تمہارے پاس ہے۔ اور یہ کہ تمہاری حالت اس وقت جب تم مصیبت میں ہو اور اس وقت جب تم مصیبت میں نہ ہو، برابر ہو اور یہ کہ حق بات میں تمہاری تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والا تمہارے لیے برابر ہو۔

گویا زہد میں تین باتیں ہوتی ہے: ا۔ مال و اسباب کی بجائے اللہ کی ذات پر بھروسہ۔ ۲۔ دنیاوی راحت کے بجائے آخرت کے اجر کی امید۔ اور (۳) دنیا میں جاہ طلبی سے اجتناب۔ اور درحقیقت ان تینوں باتوں کا تعلق انسان کے دل سے ہے نہ کہ ظاہر سے۔

باب 4

فکرِانسانی کی ردّعمل (ANTI THESIS)
کی نفسیات کا فروغ اور معرکۂ حق و باطل

حصہ اوّل ردّعمل کی نفسیات کا فروغ

☆ 1800 ق م سے 600 عیسوی تک

☆ آسمانی ہدایت کا ردّعمل ☆ بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ

☆ آسمانی ہدایت سے نفرت کرنے والی بادشاہتوں.....

☆ یونانی اور رومی بادشاہوں کے ایذا رسانی کے طریقے

☆ بنی اسرائیل یعنی صہیونیت کا کردار ☆ 33ء سے 610ء تک فترۃ وحی

☆ بنی اسرائیل کا دورِ انتشار..... ☆ صہیونیت، ہجرتِ مدینہ سے قبل

☆ سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل.....

☆ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مکی دورِ مسعود

حصہ دوم معرکۂ حق و باطل اور بنی اسرائیل کے پروردہ قیصر و کسریٰ

حصہ سوم بنی اسرائیل کی ممدوح حکومتیں ___ یونانی دور اور رومی دور

☆ ارسطو اور اسکندر کا یونان ☆ .....رومی معاشرہ

مزدک اور زرتشت کا ایران

یورپ 800ء سے 1500ء تک (DARK AGES)

باب 4

حصّہ اوّل

ردّعمل کی نفسیات کا فروغ

1800 ق م سے 600 عیسوی تک

● اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا ہے اور اس میں خیر و شر کی قوتیں ودیعت کر دی ہیں۔ انسان کے وجود سے باہر خارجی طور پر فرشتے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے نیک سرشت لوگ نیکی کے جذبات کو بڑھاتے ہیں اور نیکی پر عمل درآمد کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ ماحول میں شریر لوگ اور بُرے شیاطین جن (مِنَ الْجَنَّةِ وَ النَّاسِ) انسان کے لئے برائی کو مزین کر کے پیش کرتے ہیں اور بُرا ماحول فراہم کرتے ہیں اور 'الاِثْم وَ الْعُدْوَان' پر صرف تعاون پیش ہی نہیں کرتے کندھوں پر بٹھا کر جہنم کے راستے پر لے جاتے ہیں۔ اس ماحول میں انسان کے اندر ایک شر (EROTIC) کا پہلو جو پہلے موجود ہے وہ جاگ جاتا ہے اور شیطان لعین بھی آگے بڑھتا ہے لہٰذا انسان کے لئے برائی کرنے اور کمانے کا ماحول بن جاتا ہے۔ شروع میں انسان کچھ ضمیر کی کسک (GUILTY CONSCIOUS) محسوس کرتا ہے مگر ماحول کی رنگینی اور سحر انگیزی اس کو دوبارہ اس راہ پر لگا کر برائی کا علمبردار اور داعی اور شیطانِ لعین کا فرنٹ مین بنا کر چھوڑتی ہے۔ یہ عمل انفرادی سطح پر بھی جاری ہے اور اجتماعی (اور قومی) سطح پر بھی جاری رہتا ہے۔

● نفسیاتی طور پر انسان میں ایک دوسرا جذبہ کسی دعوے کو چیلنج کرنے کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ بھی دوسرے جذبات کی طرح اندھا ہوتا ہے۔ اگر یہ جذبہ نیکی، بھلائی، خدمتِ خلق، نہی عن المنکر کے لئے استعمال ہو تو خیر ہے جبکہ یہی جذبہ برائی کے فروغ اور ابلیسی نقطۂ نظر و نظریات کی تائید و نصرت کے لئے آمادۂ عمل ہو تو سراسر برائی ہے۔ بعض انسانی مزاج اپنی دانست میں ہر بات کو چیلنج کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسی جذبے کا ظہور ہر ملک، ہر شہر، ہر گاؤں، ہر آبادی اور شاید ہر گھر

میں بھی ہوتا ہے۔ گھر میں بیٹھے فیملی کی سطح پر گھر میں کوئی چیز پکانے کا پروگرام بنائیں یا پکنک اور سیر کا، تو اس کی حمایت میں بھی آواز آئے گی اور مخالفت میں بھی۔ ہر شہر میں اور ملک میں بھی اس طرح ہے۔ ہر انتخابی عمل کے موقع پر ہر حلقہ انتخاب میں ایک امیدوار ہوگا جو کسی مثبت سوچ، فکر، جذبے کے تحت کچھ دوسروں کے مشورے، تائید اور حوصلہ افزائی سے ہمت کر کے کاغذات نامزدگی داخل کرائے گا۔ مگر حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے (اور یہ عین انسانی نفسیات ہے) کہ اس کی مخالفت میں چیلنج اور للکار کے انداز میں کوئی دوسرا بھی کاغذات نامزدگی بڑے طمطراق اور ڈھول باجے کے ساتھ آ کر جمع کرائے گا۔ نتیجہ اللہ کے سپرد ہے۔

● گزشتہ ابواب میں بیان ہوا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ضمن میں انسانی سطح پر عمرانیات کا ارتقا اور پھر آسمانی ہدایت کا نزول ہوا اور پیغمبروں کے ذریعے انفرادی و اجتماعی زندگی میں ہدایت اور رہنمائی کا کام فروغ پا کر اِتمامِ حجت کی طرف بڑھنے لگا اور قریب تھا کہ اب بنی اسرائیل میں ایک گروہ ایسا تیار ہو جو آگے بڑھ کر انسانی سطح پر جہاد و قتال کے معرکے سر کرے اور اولاد ابراہیم میں 'نبوت و کتاب' کے مختص ہونے کے ظاہری و معنوی مقاصد کی تکمیل اور بجا آوری کا باعث بن جائے۔

مگر انسانیت کی بدنصیبی اور بدقسمتی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل فراعنہ مصر کی صدیوں کی غلامی کے بعد آزاد ہونے اور کئی حسی معجزات (فرعونِ موسیٰ کا غرق ہونا، صحرائے سینا میں من وسلویٰ کا اہتمام، پانی کے چشمے جاری ہونا، بادلوں کا سایہ کرنا، تورات عطا کیا جانا، جہاد کے حکم اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ساتھ کامیابی کی بشارتوں) کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یہ قوم جہاد پر آمادہ نہ ہوئی۔ بلکہ اس نے خوئے غلامی میں پختگی کی وجہ سے غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ سامری کے بچھڑے کو پوجا، حضرت ہارون علیہ السلام کے احکام کو ٹال دیا، شرک کیا، من وسلویٰ کو رد کر دیا اور جہاد سے صاف انکار کر دیا۔ معجزات کو دیکھنے کے اور کئی پیغمبروں کی معیت و تربیت اور صالح صحبت و تربیت کے باوجود یہ طرزِ عمل تاریخ انسانی کا عظیم ترین المیہ ہے۔

آسمانی ہدایت کا ردّعمل (ANTI-THESIS)

بنی اسرائیل فراعنہ مصر کی غلامی میں دینی اقدار اور آزادی کے تقاضے بھول گئے تھے

(پاکستان کے مسلمانوں کے لئے منحوس برطانوی اور بعد ازاں امریکی غلامی کے اثرات کی موجودگی میں بنی اسرائیل کی فراعنہ مصر کی کئی صدیوں کی غلامی کے اثرات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے)۔ بنی اسرائیل تعلیماتِ یوسفی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیتوں کو بھی بالائے طاق رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام کا انکار کر رہے تھے۔ قرآن مجید کا تبصرہ ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ O (05:61)

''اور (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا بھائیو! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تو جب اُن لوگوں نے کج روی کی، اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ ایسے نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ 1400 ق م کے لگ بھگ ہے۔ بنی اسرائیل نے کئی صدیوں تک فراعنہ مصر کی غلامی جھیلی تھی اور یہ غلامی بڑی ذلت آمیز اور انسان کی خودی اور غیرت کو ختم کرنے والی تھی۔ اس دور میں بنی اسرائیل میں غلامی کے عمل کا ردّعمل پیدا ہوا کہ مشہور روایت کے مطابق اہرام مصر کی تعمیر کے دوران ہی ہڑتالوں کی آڑ میں FREE MASON کی تحریک نے جنم لیا۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم جہاد کا انکار کیا

قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ O (24:05)

''وہ بولے کہ موسیٰ (علیہ السلام) جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔''

اس پر اس اللہ تعالیٰ نے صحرائے سینا میں چالیس سال کی صحرا نوردی کی سزا دی۔ اس دوران میں وہ تمام لوگ جو فراعنہ مصر کی غلامی گزار کر آئے تھے اور اس کے اثرات لیے ہوئے تھے وہ وفات پا گئے۔ نئی نسل نے صحرا کی آزاد فضا میں جنم لیا اور پلے بڑھے ان میں انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعے جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ بقول اقبال

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

چند صدیوں کی اکھاڑ پچھاڑ کے بعد بالآخر حضرت داؤد علیہ السلام نے ملک فتح کیا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرات داؤد علیہ السلام جیسا نبی، زبور جیسی کتاب اور حضرت داؤد علیہ السلام کی چالیس سالہ بادشاہت کا تحفہ دے دیا اور یہاں وسیع پُرامن حالات میں بنی اسرائیل نے بڑے سکون کی زندگی گزاری۔ قانونِ قدرت ہے کہ آسودگی اور فرصت کے لمحات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی میں سستی اور کاہلی در آئے تو پھر انسان گمراہی کی طرف لپکتا ہے اور شیطانی کام کرنے لگتا ہے۔ مشہور مصرعہ ہے کہ ع خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آ ہی جاتی ہے

آسودگی، فرحت، دین کا غلبہ ــــــ لہٰذا بنی اسرائیل کے ایک طبقے نے دین اور آسمانی ہدایت کے عروج کے سورج کے عین نصف النہار کے زمانے میں ہی دین سے دوری اختیار کر لی اور ابلیسی ایجنڈے پر عمل شروع کر دیا۔

ہم یہاں بنی اسرائیل کے اس سنہری دور میں شرارتوں اور ابلیسی کارستانیوں کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ صرف اِتمام حجت کے لیے قرآن مجید کی ایک آیت ہی مسکت جواب ہے:

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ O کَانُوۡا لَا یَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡهُ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ O (79-78:05)

''جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے (اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ بہت برا کرتے تھے۔''

حضرت داؤد علیہ السلام وہ پیغمبر ہیں جن کا زمانہ 40 سالہ دورِ حکومت بنی اسرائیل کا سنہری دور ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا 40 سالہ دورِ حکومت ہے۔ یہ 80 سال اور

20 سال مزید ملا کر 1000ق م سے 900 ق م تک کی صدی بنی اسرائیل کی تاریخ کا GOLDEN ERA ہے، جیسے ہم مسلمانوں کی تاریخ میں خلافت راشدہ کا سنہری زمانہ ہے۔ عقل حیران ہے کہ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی ابلیسی حرکات پر حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانِ حق ترجمان سے اسی دور میں لعنت کیے جانے کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

صرف اسی پر اکتفا نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں بنی اسرائیل کا ایک بڑا گروہ انہی دین دشمن اور ابلیسی سرگرمیوں میں مصروف رہا کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق انہوں نے اس دور میں جادو سیکھا، سفلی علوم (OCCULT SCIECES) سیکھے اور اس کا پرچار کیا اور آج بھی یہ علوم 'نقش سلیمانی' کے نام سے بازاروں میں ملتے ہیں۔ اگر چہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور ان کا ان ابلیسی اور شیطانی کاموں سے کوئی براہ راست تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ بُرے کام بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے گروہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور مبارک میں ہی کئے تھے جبکہ آسمانی ہدایت کا عروج تھا۔

بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا طبقہ

600ق م سے 610ء تک

- حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ بنے، حکومت بنائی۔ پیغمبر بھی تھے تو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق پورے علاقے کو امن وسکون سے بھر دیا مگر بنی اسرائیل' آسمانی احکام اور شریعت کی پابندیوں سے آزاد رہنے کے عادی تھے وہ بغاوت ہی کرتے رہے اور من مانی اور من چاہی یعنی آج کی اصطلاح میں لبرل ازم اور ہر جائز و ناجائز کام کرنے کی آزادی (جو امریکہ کا MOTTO ہے اور آزادی کے اسی مفہوم کی علامت امریکہ کا آزادی کا مجسمہ ہے یہ مجسمہ کھڑا کرنے والے بھی شاید دقیانوسی خیالات کے حامل تھے کہ اس آزادی کے مجسمہ کو بھی لباس پہنا دیا) کے خواہاں بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام جیسے محسن سے بھی بددعائیں ہی لیتے رہے۔ (05:78-79)۔
- حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی لعنت کیے جانے کی وجہ، ان کی مسلسل ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی اور اعراض عن الحق تھا۔

● اس گروہ کی ایک اور شیطانی حرکت دیکھئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں اپنی سرکشی اور بغاوت کے باوجود آج یہی گروہ حضرت داؤد علیہ السلام کا متبع اور نام لینے کا دعویدار ہے۔ چھ کونوں والا ستارہ ان کے ہاں حضرت داؤد علیہ السلام کا ستارہ (DAVID STAR) کہلاتا ہے اور وہ پتھر جس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے بیٹھ کر بادشاہت کی تھی وہ DAVID STONE کہلاتا ہے اور اس شیطانی گروہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے فرامین کے مطابق اپنی اصلاح تو نہیں کی مگر وہ پتھر تاریخ میں تین ہزار سال سے سنبھال کر رکھا ہوا ہے اور وہ لندن کے سنٹرل کتھیڈرل میں نصب ہے جس پر برطانوی آج بھی اپنے بادشاہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کرتے ہیں۔ (یہ پتھر اس شیطانی گروہ کے مطابق اب اسرائیل میں لا کر نصب کیا جانا ہے جہاں ان کے مطابق بادشاہت دوبارہ قائم ہوگی اور ان کے مزعومہ حضرت مسیح آ کر بادشاہت کریں گے۔)

● حضرت داؤد علیہ السلام نے ہی اپنی قوم کے لیے موجودہ گنبد صخرہ کے مقام پر ایک عمارت تعمیر کی تھی جو ان کا قبلہ قرار پائی۔ ان کا دور حکومت 40 سال تھا۔

● حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے ہونہار فرزند نِعْمَ الْعَبْدُ حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبی بھی تھے بادشاہ بنے ان کا دور حکومت بھی چالیس سال ہی تھا، ان کے بعد ایک اور بادشاہ نے 20 سال حکومت کی اس طرح آسمانی بادشاہت (یعنی احکامِ الٰہی کے تحت قائم یہ بادشاہت جس کی سربراہی پیغمبروں کے پاس تھی) ایک صدی قائم رہی 1000 ق م سے لیکر 900 ق م تک (15:27)

● اس صد سالہ دور حکومت کو بنی اسرائیل کے عروج کا دور کہا جا سکتا ہے تاہم حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی ملعون قرار پانے والی قوم کا مجموعی مزاج وہی رہا اور اس میں قطعاً کوئی مثبت تبدیلی نہیں آئی بلکہ خرابی کی طرف رجحان میں ہی اضافہ ہوتا رہا۔

● 900 قبل مسیح سے زوال کا آغاز ہوا اور شیطانی عناصر دوبارہ نمایاں ہونے لگے اور مؤثر کردار ادا کرنے لگے تو سب سے پہلا کام یہ ہوا کہ اس گروہ نے اپنے ہی درمیان سے اُٹھنے والے پیغمبروں علیہم السلام کا انکار شروع کر دیا اور اس کے جواز کے طور پر طرح طرح کی تاویلیں گھڑ کر سامنے رکھ دیں۔ بنی اسرائیل کے اس سرکش اور شیطانی گروہ کا پلڑا بھاری ہو رہا تھا اور پیغمبروں علیہم السلام کے مسلسل انکار کا رویہ زور پکڑتا چلا گیا۔

- پیغمبروں کے انکار کا دراصل سادہ ترین مفہوم یہ تھا کہ یہ لوگ آسمانی ہدایت اور وحی کے تحت زندگی نہیں گزارنا چاہتے تھے بلکہ آزاد منش رویہ کے مطابق LIBERALISM اور عیش پرستی کا انداز اختیار کرنا چاہتے تھے جبکہ آسمانی ہدایت، پیغمبر اور نیک لوگ اس راہ پر چلنے سے روکتے ہیں۔ نہی عن المنکر کا یہ عمل اور (بنی اسرائیل کا یہ طبقہ اس بات پر مصر تھا کہ وہ باحیثیت ہیں انہیں کون روک ٹوک کرنے والا ہے) یہ اندازِ فکر مزید پروان چڑھ کر انکار انبیاء علیہم السلام تک پہنچ گیا۔
- اس شیطانی گروہ کے رحمانی ہدایت کے برعکس طرز عمل اور افکار و نظریات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس قوم میں دنیا پرستی (MAIERIALISM) آ گئی اور دنیاوی عیش و آرام ہی کو زندگی کا مقصد قرار دے بیٹھے اور ستم ظریفی یہ کہ آخرت کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے تھے کہ ہم آخرت کو مانتے ہیں۔ ایک طرف دنیا کی زندگی کی محبت کی وجہ سے مرنا یعنی موت کا تذکرہ بھی گوارہ نہیں کرتے تھے دوسری طرف آخرت کے تصور کی وجہ سے جنت کا حصول بھی پیش نظر تھا، ایک طرف ہزار ہزار سال کی زندگی کے متمنی تھے دوسری طرف اپنے آپ کو بخشے بخشائے لوگ سمجھتے تھے کہ اللہ ہمیں آگ میں ہرگز نہیں ڈالے گا۔
- اس گروہ کے سیاہ کارناموں میں انکار نبوت سے آگے بڑھ کر قتل انبیاء کا جرم بھی عام ہو گیا۔ گویا آسمانی ہدایت کا کوئی نمونہ دنیا میں موجود نہ ہو تو ابلیس یا اُس کے زیر اثر انسانی گروہ کے زعم میں ان کا طرز عمل ہی واحد موجود (AVAILABLE) رول ماڈل ہوگا اور آسمانی ہدایت کے نہ ہونے سے کوئی تنقید (COMPARISON) بھی ممکن نہیں رہے گی۔
- ایک طرف نبی علیہ السلام کے قتل سے ضمیر نے کاٹا کہ تم نے یہ کیا جرم کر دیا (تاہم اس جرم کے اپنے ذہن کے مطابق ماحول میں 'دہشت' پھیلانے اور نیکی کو دبانے کے عمل میں مفید پایا) تو ضمیر کو سلا دیا اور پھر اس جرم کا ارتکاب کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ گروہ قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم میں عادی مجرم کا سا روایتی کردار بن گیا۔ (04-155)
- قتل انبیاء جیسے گھناؤنے جرم کے ارتکاب سے 'اللہ کا غضب' سامنے آیا تو اس قوم پر من حیث القوم ذلت و رسوائی تھوپ دی گئی اور یہ قوم جو اللہ کے دین کی وارث تھی، تورات کی وارث و حامل تھی ـــــ غیروں اور مشرکوں کی غلام بنا دی گئی۔ اس صہیونی گروہ نے غلامی بھی قبول کر لی مگر

توبہ کا راستہ اختیار نہیں کیا (جیسے شیطان نے سجدہ نہ کر کے جرم کیا راندہ درگاہ ہوا مگر توبہ نہ کی)۔

- بخت نصر (NABEUCADNAZR) نمرود بادشاہ نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور 567 ق م میں چھ لاکھ یہودی قتل کئے اور چھ لاکھ کو قیدی بنا کر عراق لے آیا جہاں انہیں مختلف جگہوں پر کیمپوں میں (CONCENTRATION CAMPS) قید رکھا۔ یہ قید 150 سال کے لگ بھگ تھی۔ (اسرائیلی 'اَنا' کی جھوٹی تسکین کے لیے امریکہ اور NATO نے عراق پر 2002ء کا حملہ کر دیا یہ صہیونی گروہ کی 2000 سال قبل غلامی کا بدلہ کہا جا سکتا ہے)۔
- بیت المقدس کی اس تباہی کے وقت یروشلم کی جو اخلاقی حالت تھی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے آسمانی ہدایت غائب، تورات غائب اور قتل انبیاء کا جرم عام۔ لہٰذا صہیونیت پسندوں نے عیاشی، بدمعاشی، بدکاری اور شراب نوشی کی انتہا کر دی (جیسے آج کے نیویارک، لاس اینجلس یا کسی بھی ماڈرن نائٹ کلبوں میں ہو رہا ہے)۔ اس کا تذکرہ صہیونیوں کی تقدس کتاب بائبل میں موجود ہے۔ نیز عریاں نگاری کی انتہا بھی ہے۔ یہ عریاں نگاری موجودہ بائبل کے آسمانی کتاب ہونے کے دعوے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

---

600 ق م سے 610ء تک بارہ صدیاں بنتی ہیں اور تاریخ انسانی کا مطالعہ کرنے والے طالب علموں کے لیے ـــــ آج تک کی گردش لیل ونہار میں فکری سطح پر اور فلسفیانہ لحاظ سے یہ بارہ صدیاں بہت اہم ہیں۔ اس لیے کہ حقائق گواہ ہیں کہ دنیا بھر کے سارے فلسفے اور آسمانی ہدایت سے ہٹ کر (یا علومِ انبیاء، علم اسلام اور علومِ وحی سے بالا رادہ گریز کی راہ اختیار کرتے ہوئے) جتنے بھی انسانی سوچ کے دھارے اور SHADES ہو سکتے تھے وہ سب کے سب انہیں صدیوں میں سامنے آئے ہیں۔

دنیا کے نقشے پر نگاہ جمائیں تو فلسفہ وفکر کے قدیم مراکز مغرب میں یونان، وسطی علاقے میں ایران، جنوبی ایشیا میں ہند اور ہمالہ کے پار شمالی علاقہ میں چین ہی شمار ہوتے ہیں۔ ان بارہ صدیوں میں ان علاقوں سے فکر انسانی کے ایک خاص انداز میں بظاہر مختلف مگر باہم ملتے جلتے (فلسفے کے) مکاتب فکر وجود میں آئے اور انسانوں کا ایک فہیم اور باصلاحیت عنصر اس خاص رُخ پر

آ گے بڑھا اور سینکڑوں نہیں، ہزاروں فلسفیوں اور وحی آسمانی سے بیزار لوگوں کی ایک ایسی کھیپ سامنے آ گئی جو اس وقت تک کے انسانی مسائل کا حل اور ذہنی اور فکری پریشانیوں کا مداوا صرف اور صرف انسانی سوچ اور مشاہدے میں تلاش کرنے میں مصروف ہوگئی۔

فطرتِ انسانی کو خالق ارض وسماء نے ایک خاص طرز پر بنایا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا..... (30:30)

''اللہ کی فطرت (اختیار کیے رکھو) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے''۔

اور انسان کی فطرت میں بے پناہ صلاحیتیں رکھ دی ہیں ان میں اللہ کی محبت، نیکی سے محبت، بدی سے نفرت، نیکی و بدی کی تمیز وغیرہ نمایاں ہیں، جن کا ذاتی تجربہ ہر بالغ باشعور انسان کو روزانہ کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ ان احساسات کا حاصل یہ ہے کہ انسان ایسے اخلاقی اور روحانی ضابطوں کے تحت زندگی بسر کرے جن کی ٹھوس بنیادیں انسانی فطرت میں پہلے ہی موجود ہیں، خارج میں انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد، آسمانی ہدایت اور صحائف و کتب کا آنا تاریخ انسانی کی ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کو کوئی کور چشم اور بد باطن شخص ہی جھٹلا سکتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں ایسے عالی مرتبہ اور بلند کردار لوگ آئے ہیں جو اپنی دنیاوی اغراض سے ہٹ کر صرف خلق خدا کی بھلائی اور روحانی ترقی کے لیے خالق ارض وسما کی طرف سے اتاری ہوئی وحی و احکام کو تکلیفیں اور مصائب جھیل کر بھی انسانوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔

آسمانی وحی اور روحانی و اخلاقی ضابطوں کی موجودگی میں (اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ) ہر انسان کے اندر ایک دبی ہوئی خواہش یہ بھی موجود ہے کہ وہ اپنی مرضی بھی کرے، اپنی پسند کا کھائے، اپنی پسند کا مکان بنائے، اپنی پسند اور چاہت کا جیسے چاہے لباس پہنے وغیرہ وغیرہ۔ انسان کی اس معصوم خواہش کو خالق ارض وسماء سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ O (16:50)

''اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی دبی ہوئی خواہش کو مناسب اہمیت دی ہے۔ مباحات کا میدان ہے جس میں انسان اپنی پسند کے مطابق عمل کرسکتا ہے اور اس کے لیے 'اختیار' کا ایک باب کھولا ہے اور جبر اور اختیار کے درمیان ایک حسین اعتدال پیدا فرمایا ہے جو ایک طرف آسمانی ہدایت کی روحِ رواں ہے تو دوسری طرف اس حیاتِ انسانی کی ساری تگ و دو، جستجو، گہما گہمی اور رنگا رنگی کا باعث ہے۔

ہر انسان اس مزاج اور اپنے اندر کی دل کی دنیا کو بناتے بگاڑتے آج بھی زندگی گزار رہا ہے۔ کوئی اس تگ و دو میں اپنے باطن اور خارج کی کشمکش میں اپنے اندر ودیعت شدہ صلاحیتوں کو کام میں لاکر رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہوجاتا ہے، جبکہ ـــــ ایک دوسرا انسان خارجی ماحول اور باطنی احساسات کی غلط تشریح کرکے اپنے آپ کو بگاڑ لیتا ہے اور دنیا سے ناکام و نامراد چلا جاتا ہے۔ ہر دو قسم کے لوگ انسانی زندگی کے اگلے مراحل برزخ اور قیامت کی طرف محوِ سفر رہتے ہیں تاآنکہ ہم میں سے ہر شخص روزِ قیامت ان مراحل سے گزر کر کامیابی اور ناکامی سے بھی ہمکنار ہوجائے گا۔

ہر انسان میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اخلاقی و روحانی ضابطوں سے پہلوتہی کا مادہ اور جذبہ موجود ہے یہ آج کے انسان کا بھی ذاتی احساس اور تجربہ ہے اور آج سے چھ ہزار سال قبل کے انسان کا تجربہ بھی ایسا ہی تھا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے دور میں بھی انسان کے احساسات یہی تھے اور 600 ق م میں بھی یہی تھے۔

انسان کے فطری داعیات میں سے یہ 'باغیانہ' داعیہ ایک حد کے اندر رہے تو اس کی معافی بھی ہے اور علاج بھی۔ پھر یہ داعیہ انفرادی سطح پر ہو یا ایک معاشرے کی سطح پر ہو تو بھی اس کا علاج اور اصلاح ممکن ہے لیکن یہی داعیہ جب بڑھ کر پوری انسانی آبادی اور کسی بڑے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور اصلاحی اور مصلحانہ کوششیں بے کار ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ایسے معاشروں کو ملیامیٹ کرتا رہا ہے اور انبیاء و رُسل علیہم السلام کے مسلسل انکار پر عذابِ الٰہی آتے رہے ہیں اور تاریخ انسانی کے تمام معاشرے اپنے تاریخی اثاثے میں اس بات کے 'حق ہونے' کے اتنے وافر ثبوت چھپائے ہوئے ہیں جس کا انکار ممکن نہیں ہے۔

اس انتہائی اہم اور تاریخی فیصلے کے بعد اب یہ بات بآسانی سمجھ میں آ سکتی ہے اور اصولِ موضوعہ کے طور پر سامنے رہنی چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تقریباً 2000 ق م کا ہے لہٰذا اس وقت اگر کوئی نبی یا رسول دنیا میں تھے (جیسے حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام یا دیگر اقصائے عالم کے علاقوں میں) تو الگ بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد سے باہر دنیا میں کہیں کوئی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا انسان نبوت و رسالت کے دعوے کے ساتھ سامنے نہیں آیا۔

مشیت ایزدی کے اس فیصلے سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً 1800 ق م کے بعد آسمانی ہدایت اور کتب کا سلسلہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں مختص ہو گیا۔ لہٰذا دنیا کے عام طور پر اس وقت کے تہذیبی مراکز میں آسمانی ہدایت کا سلسلہ رُک گیا جس سے ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں ایک صحیح، متوازن اور فطرت انسانی سے مطابقت رکھنے والے فکر کا فقدان ہو گیا۔

انسان میں باغیانہ خیالات اور احکامِ خداوندی اور اطاعت رسول کی پابندیوں سے گریز کا مادہ تو ہے ہی، آسمانی وحی کے اس خلا نے 'باغی' فکر کے پنپنے اور پھیلنے کے مواقع فراہم کر دیے اور اس فکر کے ایک تن آور درخت بننے کا راستہ صاف ہو گیا۔

سابقہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعلیمات کے اثرات کچھ عرصہ قائم رہے اور اہلِ حق اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے حق کا علم بلند کیے رکھا مگر تا بکے ــــــ دنیا کے عظیم حصے میں انسانی فکر کے سفلی پہلو اور ابلیسی طرز فکر کو منظّم ہو کر باقاعدہ فلسفہ ہائے حیات کے طور پر سامنے لا کر حکومتوں اور سلطنتوں کی بنیادیں رکھنے کے لیے ایسی فکر کے حامل افراد میدان عمل میں کود گئے۔

چنانچہ یہی وہ دور ہے کہ انسانی فکر کے بے شمار گوشے اور درجے باقاعدہ ایک منظّم فکر اور طرز زندگی کے طور پر سامنے آتے چلے گئے۔ چین، ہند، ایران اور یونان میں کئی صدیوں کے تعامل سے اس خدا ناشناس، خدا بیزار اور آسمانی وحی و ہدایت کے انکار پر مبنی سینکڑوں نہیں ہزاروں فلاسفہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوئے جو اسی رخ پر بے لگام آگے بڑھتے چلے گئے اور چونکہ ان علاقوں میں کوئی آسمانی ہدایت یا آسمانی کتاب موجود ہی نہیں تھی لہٰذا ان فلسفوں کو پرکھنے کے لیے (انسانی مزاج کی آوارگی اور بے اعتدالی کے ماحول میں) کوئی ریفرنس (REFERENCE)

سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ صاحب ثروت اور آسودہ حال طبقات' عیاشی، بدمعاشی، ظلم اور لوٹ کھسوٹ تو چاہتے ہی ہیں لہٰذا ایسی تعلیمات ان کو پسند آئیں اور انہوں نے اختیار کر لیں اور انہی پر سلطنتوں کی بنیاد رکھ دی۔ کچھ لوگوں نے اسی مقتدر طبقہ کے مزاج کو پہچان کر ایسے فلسفے بھی تراش دیے جو اس طبقہ اُمراء اور عوام دونوں کے دل کو بھاتے تھے۔ چنانچہ بے حیائی، بدکاری، ناچ گانا، بے پردگی، آزادروی، اباحیت، عورت و مرد کا آزادانہ اختلاط جیسے نظریات کے حامل فلسفہ ہائے حیات فروغ پذیر ہوئے اور پھیلتے چلے گئے۔

انسانی معاشروں میں گمراہی پہلے ہی تھی مگر وہ ابتدائی مراحل کی تھی مگر اس دور میں مشرقِ وسطی اور جزیرہ نمائے عرب کے علاوہ پوری دنیا میں یہ خدابیزاری اور خداناشناسی کے نظریات نہ صرف عام ہوگئے بلکہ جدید فلسفہ ہائے حیات قرار پائے۔

انسان کے جیسے بھی نظریات ہوتے ہیں، سوچ اور فکر کے جو زاویے ہوتے ہیں جو ذہنی تصورات ہوتے ہیں انہی پر آگے چل کر تہذیب وتمدّن کی بنیاد پڑتی ہے، اس قوم کے شعراء انہیں مضامین پر طبع آزمائی کرتے ہیں اسی طرح کے کھیل کود اور تفریح طبع کے ذرائع عام ہوتے ہیں اور تعمیرات کے میدان میں اسی طرح کے آرٹ اور سنگ تراشی کے نمونے سامنے آتے ہیں۔ مذکورہ نظریات کے سامنے آنے سے عملی میدان میں بھی فکری انحراف کے اثرات میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ ابتدائی فلاسفہ میں کوئی GOD کا قائل ہے تو وہ ساتھ شرک کا بھی تصور رکھتا ہے۔ تاہم ایک دو نسلوں بعد خدا کے تعطل کا فلسفہ سامنے آیا اور پھر سرے سے خدا کے انکار کا نظریہ وجود میں آ گیا۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ آنے تک اور اس کے بعد دنیا میں اس انسانی بے راہ روی کی سوچ کے تحت آزادخیالی، اباحیت پسندی، ناچ گانا، بے حیائی، بدکاری، شراب وغیرہ کے تصورات اعلیٰ زندگی کا حصہ قرار پا کر باقاعدہ فلسفے بن چکے تھے۔ بادشاہ پہلے بھی ظالم، بے تحاشا ٹیکس لینے والے، عیاش اور بے حیائی کے رسیا تھے اور ان کے اعلیٰ سرکاری عہدیدار بھی اور درجہ بدرجہ تمام سرکاری اہل کار بھی۔ تاہم ان نظریات کے فروغ سے عوام وخواص سب کو ایک فکری بنیاد میسر آ گئی جس کو بنیاد بنا کر ان نظریات کو آسمانی ہدایت کے مدمقابل 'نظریہ ہائے حیات' کا مقام دے دیا گیا۔ لہٰذا یہ فلسفے فروغ پذیر ہوئے اور رفتہ رفتہ آسمانی ہدایت کا تذکرہ بھی انسانی معاشروں

سے ختم ہوگیا۔ چنانچہ یونان ہو یا وسطی یورپ، فارس ہو یا ہند ہر طرف مذہب کی جگہ عریانی فحاشی نے لے لی تھی اور مذہبی طبقہ برائے نام مذہب سے وابستہ تھا بھی تو مذہب کے نام پر بھی بت پرستی تھی اور تمام بت ننگے انسانوں کی شکل میں تراشے جاتے تھے جس سے بے حیائی کے علاوہ کوئی چیز فروغ نہیں پاسکتی۔ ہند کے بت خانے شاید دنیا بھر میں بے حیائی میں سب سے آگے اور سوچ میں سب سے گھٹیا ہیں کہ مذہبی مقامات پر بھی ایسے مناظر کے سنگ تراشی کے نمونے لگائے اور ہزاروں کی تعداد میں سجائے گئے ہیں کہ انسانیت شرم سے سر جھکالے اور کوئی باضمیر انسان خود بھی ان کا مشاہدہ نہ کرسکے، کجا یہ کہ اپنے بیوی بچوں بچیوں کے ہمراہ ان مذہبی مقامات کی 'یاترا' کرنے جائے۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالك۔

یونان کے تہذیبی مراکز بھی اسی طرح تھے ان کے شہروں، چوکوں، چوراہوں، پارکوں میں ننگ انسانیت مناظر کے بت تراشی کے نمونے آج بھی ان کی پست ذہنیت، ابلیسی سوچ اور خدابیزاری کے نظریات کی گواہی دیتے ہیں۔

یہی بارہ صدیاں ـــــ وہ دورِ نامسعود ہے جس کے دوران تاریخ میں اس طرز کے فلسفہ کے ایسے نامور فلسفی سامنے آئے جو آج بھی فلسفہ کے امام مانے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے پہلے پہل منفی انسانی رویوں کو 'اصل فطرت' قرار دے کر ایسے فکری دھاروں کی داغ بیل ڈالی جو بعد والوں کے لیے دلیل بھی بنی اور مزید گمراہی کا سبب بھی۔ چنانچہ ہند میں بدھ مت سمیت سارے فلسفیانہ مکاتب فکر کی بنیادیں اسی دور میں پڑیں۔ ایران میں زرتشت، مانی اور مزدک فلسفوں کا دور بھی یہی ہے اور یونان کے بقراط، سقراط، افلاطون اور ارسطو اِسی دور کے اساتذہ اور امام ہیں۔ یہ بات مشرق ومغرب کے تمام مراکزِ فکر میں مشترک ہے کہ ابتداء میں ان فلسفوں میں مذہب کا عنصر غالب تھا جبکہ آہستہ آہستہ بعد کے فلاسفہ نے اس سے بیزاری اور دوری اختیار کرلی اور 'آزادروی' اور 'من مانی' کرنے کے رویہ کو فلسفیانہ بنیادیں فراہم کردیں۔

یہی فلسفے ـــــ بعد میں بے حیائی، عریانی، فحاشی اور لامقصدیت سے ہوتے ہوئے لاادریت اور بالآخر انسان کے بس حیوان ہونے اور حیوانی خواہشات کی تکمیل ہی کو آخری انسانی مطمع نظر قرار دے کر معراج انسانیت سمجھنے لگ گئے۔ فیا اسفا۔

آسمانی ہدایت سے نفرت کر کے بننے والی بادشاہتوں کی صدیوں لمبی زندگی کا راز ___

منظّم جبر وتعذیب (PERSECUTION)

آسمانی ہدایت کے پھیلاؤ اور کسی وسیع علاقے کے انسانوں کو اپنے تابع اور ہم خیال بنا لینا ہمیشہ نظریاتی تفوق (IDEALOGICAL SUPREMACY) اور بہبودِ انسانی کے اقدامات تھے۔ اس میں عدل، انصاف، آزادی رائے، آزادی مذہب، کامل مساوات، بلالحاظ رنگ، نسل، علاقہ، زبان، پیشہ اور مذہب جان و مال کا تحفظ نمایاں تھا۔ قانون کی عمل داری تھی کسی جرم پر سزائیں سخت تھیں مگر ان میں ایذا رسانی TORTURE، تضحیک، INSULT اور انسانی تذلیل نہیں تھی۔

جبکہ وہ تہذیبیں، حکومتیں، بادشاہتیں اور اجتماعی غلبہ کے ادوار جو آسمانی ہدایت سے محروم تھے یا اس سے نفرت کرتی تھے، ان کی اس میدان میں کارکردگی اوپر مذکورہ آسمانی ہدایت سے متصف حکومتوں کے تقابل میں ___ کہیں زیادہ انسان دشمن، علم دشمن، اخلاق دشمن، باعث شرم اور انسانی تذلیل کی علامت تھی۔ خدا بیزاری اور روحی دشمنی تو ان حکومتوں کی قدر مشترک لازمی طور پر نمایاں ہے۔ حیرت ہے اور عقل حیران ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ اب بھی انسانیت کی فلاح و بہبود کے نام پر ایسی ہی انسانیت سوز اور انسان دشمن رویوں کی حامل حکومتوں کا سفیر اور مبلغ ہے۔

- آسمانی ہدایت سے دور بلکہ متنفر حکومتوں کا دور تاریخ میں ایسے وقت میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب مختص کر دی۔ اس سے غیر ابراہیمی نسل کے لوگوں میں ہدایت کا خلا پیدا ہو گیا۔ اس خلا کو پُر کرنا چاہئے تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا، اس تبلیغ کا حق ادا نہ ہو سکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد بعد میں بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی بنی اسرائیل کا ایک بڑا حصہ بگڑ کر خدا بیزار اور روحی دشمن بن کر دین دشمن اور سیکولر ذہن کا نمائندہ بن گیا بلکہ ان کا معاون اور استاد بھی۔
- حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں حکمرانی اور بادشاہت ملی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے۔

ان کے باقی گیارہ بھائی بھی مصر منتقل ہوگئے تھے مگر کارِ حکومت میں شرکت اور دینِ ابراہیمی کی ترویج و اشاعت کی بجائے بالعموم اپنے ذاتی معاملات اور اغراض کی تکمیل میں اُلجھ کر اپنی دینی ذمہ داریوں سے غفلت برتنے لگے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے دم وصیت بھی فرمائی مگر اس کا دیرپا اثر نہ ہوا۔

- مصر اور فلسطین کا علاقہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے سے بھی دو ہزار سال قبل مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی مرکز اور قافلوں کی آمد و رفت کا چوراہا تھا۔ عدن کی بندرگاہ سے عرب کے زمینی راستوں کے ذریعے سامان فلسطین اور بعد ازاں یورپ جاتا تھا۔ بنی اسرائیل حکمرانِ وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں ELITE CLASS تو تھے ہی آسمانی ہدایت کے ماننے والے بھی تھے لہٰذا وہ تجارت میں آکر جلد ہی اس میں نمایاں ہوگئے۔

- ساری دنیا کی تجارت میں ان کا رابطہ تھا اور ان کو مصر کی بادشاہت اور آسمانی ہدایت کی وجہ سے عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ مصر میں بنی اسرائیل کے زوال اور فرعونوں کے غلام بننے کے بعد بھی وہ عالمی تجارت میں شریک رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا۔ اس دور غلامی میں قارون جیسا آدمی بنی اسرائیل میں سے تھا جو محکوم قوم کا فرد ہو کر حاکموں سے ملا ہوا تھا اور اپنے عالمی تجارتی روابط سے بھی اور حکومت کے ذریعے بھی اپنی دنیا بنا رہا تھا۔

- بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ نے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جادو سیکھا اس کو عام کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سنہری دور میں بنی اسرائیل عالمی تجارت پر بلاشرکت غیرے قابض تھے۔ پھر انہوں نے عالمی سطح پر تمام بڑے مراکز میں اپنی رہائش اور آبادیاں تعمیر کیں۔ فلسطین میں بخت نصر کے ہاتھوں ذلت اٹھائی، 150 سال کی غلامی میں چلے گئے۔ یاد رہے کہ مخلص یہودی بخت نصر کی غلامی کی زندگی گذار رہے تھے اور بگڑے ہوئے یہودی ساری دنیا میں تجارت کر رہے تھے۔

- اس دورِ زوال میں انہوں نے قتلِ انبیاء جیسا گھناؤنا جرم شروع کیا اور طویل عرصے تک جاری رکھا اور سینکڑوں انبیاء علیہم السلام قتل کر دیے۔ اس طرح وہ بگڑے ہوئے تو تھے ہی آسمانی ہدایت کو زبردستی روکا اور دنیا کو بھی محروم کیا۔

- اسی دوران انہی کی زیرنگرانی یونان اور روم میں لوگ اٹھے اور بادشاہتیں بنیں۔ بنی اسرائیل نے ان کو دعوت دینے کی بجائے اس کا ساتھ دیا اور لادین بادشاہتوں کی حمایت کر کے ان کو پروان چڑھایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی بنی اسرائیل کو انہیں رومیوں کا غلام بنا دیا۔
- پہلے یونانیوں نے اور پھر رومیوں نے دنیا میں بڑی وسیع حکومتیں بنائیں اور لمبے عرصے (صدیوں) حکومت کی۔ حکومت کی طوالت کا راز سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ وہ مخالفت پر اور بلاوجہ لوگوں کو قتل کر دیتے تھے۔ مخالفوں کو عبرتناک سزائیں دیتے، محکوم قوموں سے غلام بناتے اور انہیں تکلیف دہ سزائیں دیتے۔ ظلم، ناانصافی اور سفاکی ان کا وطیرہ تھا۔ انہوں نے منظّم طریقے سے ظلم کرنے اور مجرموں کو سزائیں دینے کے بے شمار انداز اور طریقے اپنا لیے تھے۔
- ہم دیکھتے ہیں کہ جب 610ء میں آپ ﷺ پر وحی آئی اور آپ ﷺ نے اس کی تبلیغ و اشاعت کا کام کیا تو عرب سردار اپنے تجارتی سفروں اور فلسطینیوں اور یونانیوں کے علاقے میں آمدورفت سے دشمنوں کو سزا دینے کے کئی ظالمانہ طریقوں سے واقف تھے۔ عربوں نے وہی طریقے مسلمانوں پر بھی اپنائے ہیں اور بڑی بے دردی سے قتل کیا ہے۔ اس پر جناب رسالت مآب حضرت محمد ﷺ نے بھی رومیوں کے کئی طریقے بیان فرمائے کہ اے مسلمانو! تم سے پہلے اہلِ ایمان کو کیسے کیسے ایذا دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔ رومیوں اور یونانیوں کے یہ مظالم بالعموم اہلِ ایمان ہی کے خلاف تھے۔
- سیرت النبی ﷺ کے واقعات میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ان کو مکے والوں نے انگاروں پر لٹا دیا مگر انہوں نے صبر کیا۔ انہوں نے آ کر سیّدنا حضرت محمد ﷺ سے شکایت کی۔ یہ واقعہ حدیث نبوی ﷺ میں یوں مذکور ہے

قال خَبَّابٌ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً وَهُوَ فِي ظِلِّ الكَعْبَةِ وَقَدْ لَقِينَا مِنَ المُشْرِكِينَ شِدَّةً، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا تَدْعُو اللّٰهَ فَقَعَدَ وَهُوَ مُحْمَرٌّ وَجْهُهُ فَقَالَ: لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الحَدِيدِ مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَحْمٍ أَوْ عَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذَالِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُوضَعُ المِنْشَارُ عَلَى مَفْرِقِ رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ

دِينِهٖ، وَلَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلَى حَضْرَمَوْتَ، مَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ ، (بخاری)

''حضرت خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، آپ بیت اللہ کے سائے میں اپنی چادر سے سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے تھے اور مشرکین کی طرف سے ہمیں سخت حالات کا سامنا تھا۔ میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دُعا نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اس حال میں کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ تھے ان کی ہڈیوں پر گوشت اور پٹھوں کے اوپر لوہے کی کنگھیاں پھیر دی جاتی تھیں مگر یہ تکلیف بھی ان کو ان کے دین سے ہٹا نہیں سکتی تھی اور کسی کے سر پر آرا رکھا جاتا اور پھر اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا یہ تکلیف بھی اس کو اس کے دین سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اس دین (اسلام) کو ضرور مکمل کرے گا یہاں تک کہ ایک مسافر صنعا سے حضرت موت تک سفر کرے گا اُسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔''

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ میں ایک مسلمان خاندان برا مفلوک الحال تھا حضرت یاسر رضی اللہ عنہ تھے ان کی اہلیہ سمیہ رضی اللہ عنہا ایک شریف النفس خاتون تھیں اور ان کے جوان بیٹے حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت یاسر کو تو شہید کر دیا گیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر انھیں دوڑا دیا گیا جس سے ان کے دو ٹکڑے ہو گئے اور بڑی تکلیف دہ موت آئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے ہی صبر کی تلقین کی تھیں اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو بچ گئے تھے (جن کے سامنے ان کے والدین کو یہ سزائیں دی گئیں) ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور دلجوئی بھی فرمائی۔ وہ روایت یوں ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: أَخَذَهُ الْمُشْرِكُونَ وَأَخَذُوا أَبَاهُ وَأُمَّهُ سُمَيَّةَ وَصُهَيْبًا وَبِلَالًا وَخَبَّابًا وَسَالِمًا فَعَذَّبُوهُمْ، وَرُبِطَتْ سُمَيَّةُ بَيْنَ بَعِيرَيْنِ وَ وُجِئَ قُبُلُهَا بِحَرْبَةٍ، وَقِيلَ لَهَا اِنَّكِ أَسْلَمْتِ مِنْ أَجْلِ الرِّجَالِ، فَقُتِلَتْ وَقُتِلَ زَوْجُهَا يَاسِرٌ، وَهُمَا أَوَّلُ قَتِيلَيْنِ فِي الْاِسْلَامِ۔ وَأَمَّا عَمَّارٌ فَأَعْطَاهُمْ مَا أَرَادُوا بِلِسَانِهِ مُكْرَهًا، فَشَكَا ذَلِكَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟ قَالَ: مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيمَانِ۔ فَقَالَ

رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: فَاِنْ عَادُوا فَعُدْ (تفسیر قرطبی)

''حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضرت عمار، ان کے والدین یاسر اور سمیہ، صہیب، بلال، خباب اور سالم رضی اللہ عنہم کو گرفتار کرلیا اور ان کو سخت تکلیفیں دیں۔ حضرت سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ہانک دیا گیا اور ان کے شرمگاہ میں برچھا مارا گیا پھر شہید کر دیا گیا اور ان کے شوہر حضرت یاسر کو بھی شہید کر دیا گیا۔ یہ دونوں اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید ہیں۔ حضرت عمار نے وہ کہہ دیا جو مشرکین نے ان سے زبردستی کہلوایا۔ انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ بات بیان کی۔ آپ نے پوچھا کہ تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا کہ ایمان پر مطمئن ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ پھر زبردستی کہلوائیں تو کہہ دو۔''

یہ طریقے یونانیوں اور رومیوں کے تھے جو انہوں نے سن اور دیکھ رکھے تھے اور جن کا تذکرہ لسانِ رسالت پر بھی آ گیا۔

یونانی بادشاہوں اور رومی بادشاہوں کے

یذا راسانی (TORTURE) طریقے

ان ظالم اور لادین ننگ انسانیت بادشاہوں نے اپنی حکومت و اقتدار کی طوالت کر لئے انسانوں کو عبرتناک سزاؤں کے مختلف انداز ایجاد کر لیے تھے۔ رومیوں نے جنگوں میں تو 11 لاکھ آدمی قتل کر دیے اور تقریباً اس سے کم وبیش اپنے مخالف آدمی حالت جنگ سے باہر TORTURE کے ذریعے ختم کر دیے۔ غلاموں کے ساتھ جو سلوک وہ کرتے تھے وہ الگ ہے اور ان کی اموات کی تعداد بھی اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہی یونانی اور رومی حکمران اور ان کے نظریات آج کی مغربی تہذیب کی حقیقی 'بائبل' اور 'ہدایت نامہ' ہے۔ لارڈ میکالے (جس بدبخت نے جنوبی ایشیا میں ہمارے لئے نظام تعلیم وضع کیا وہ) رومیوں کا دلدادہ تھا۔ اپنی ایک کتاب میں رومی عظمت وشوکت کے زوال پر خون کے آنسو روتا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنوبی ایشیا میں آئے منحوس مغربی استعمار کے کارپردازوں کا حشر بھی یونانی اور رومی ظالموں اور سفاکوں اور ننگ

انسانیت حکمرانوں جیسا ہی کرے، آمین)

ذیل میں ہم یونانیوں اور رومیوں کی ایذا رسانی کے چند طریقوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جن کی تفصیل گوگل پر torture of roman empire سرچ کر کے دیکھی جا سکتی ہے۔

1۔ دھات (کانسی) سے ایک بیل کا شکل میں بڑا سا ڈھانچہ بنایا گیا تھا جو حقیقی بیل لگتا تھا۔ اس کا پیٹ خالی تھا اور اس کے اوپر ایک دروازہ رکھڑکی تھی۔ کسی مجرم کو اس بیل نما سیل (CELL) میں ڈال کر کھڑکی بند کر دی جاتی اور اس بیل کے نیچے آگ جلا کر اس ڈھانچے کو گرم کر دیا جاتا اور وہ مجرم اندر ہی اندر جل بھن کر کباب بن جاتا۔ یہ طریقہ ایک یونانی نے اپنے بادشاہوں کے لئے ایجاد کیا تھا، 'چاہ کن را چاہ در پیش' کے مصداق کسی جرم پر وہ موجد بھی زیر عتاب آ گیا اور اسی طریقہ سے موت میں چلا گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

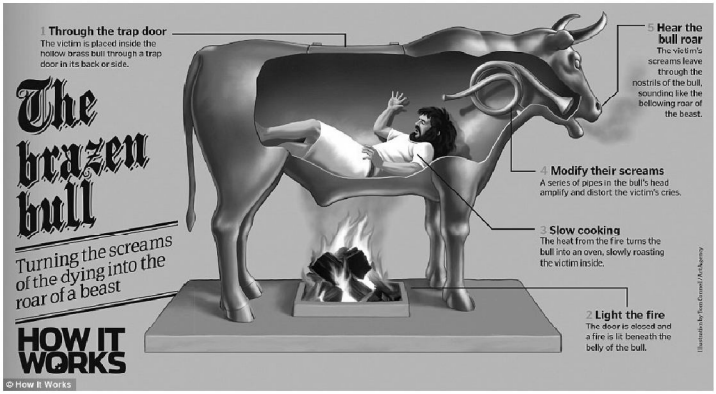

2۔ جیسے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ایذا دے کر موت دی گئی وہ طریقہ اصلاً رومیوں کا طریقہ تھا

3۔ آپ ﷺ سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے جو روایت کی ہے اس میں مذکور طریقے بھی رومیوں ہی کے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور بعد کے 300 سال انبیاء کرام علیہم السلام اور اہل ایمان کو ایذا رسانی کے لئے روا رکھے گئے وہ یہ ہیں:

4

5

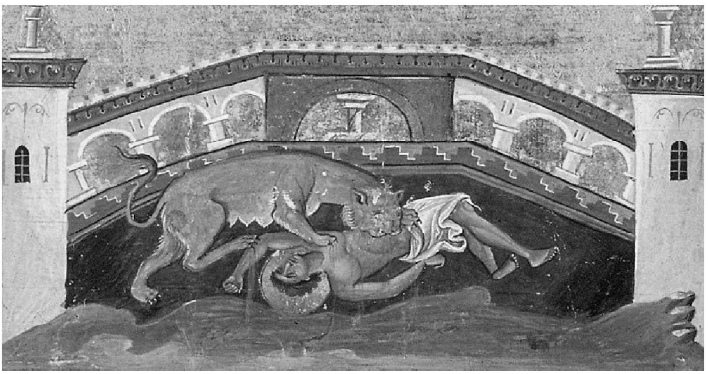

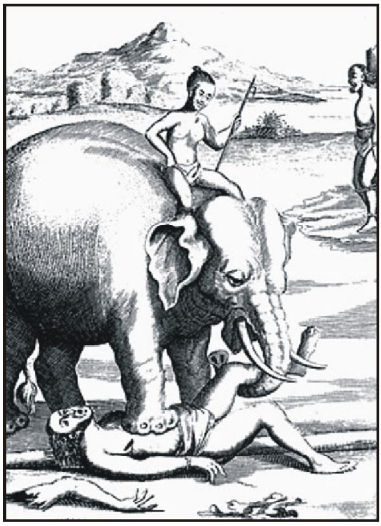

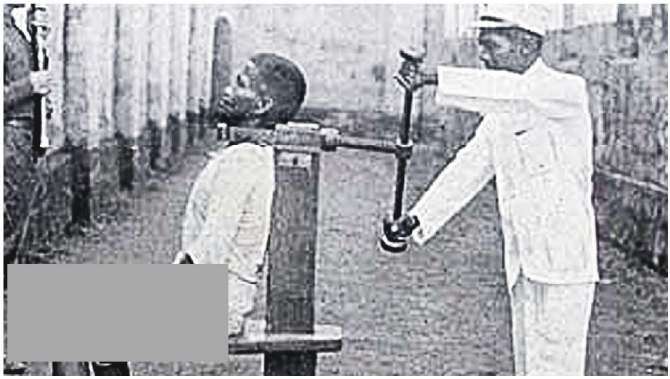

● قارئین کرام! انسانی تاریخ میں عمرانیات کے ارتقاء میں خاندان سے آگے برادری اور قبیلہ تک شیخ اور سردار کے منصب سے آگے بڑھ کر جو ترقی ہوئی اس میں انسانوں نے بادشاہ بن کر دوسرے اپنے جیسے انسانوں پر جو ظلم کیے ہیں وہ انتہائی خوفناک ہیں۔ پھر آسمانی ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنے کی بجائے روگردانی کی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ بنی اسرائیل خود حکمرانی کرتے اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسا انصاف، عدل اور مساوات کا نقشہ پیش کرتے اور دنیا کی دعائیں لیتے مگر ان بدنصیبوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر ابلیس نے وہ فلسفے ایجاد کئے اور ان کو بڑھا کر نظامِ زندگی بنا دیا جو آج یونانی فلاسفہ، ایرانی فلاسفہ اور ہندی فلاسفہ کے علاوہ چینی فلاسفہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور آج کی مہذب دنیا اس کی اسیر ہے۔

یونانی اور رومی بادشاہوں کے واقعات صاف ظاہر ہے مغرب، مغربی نصابِ تعلیم اور مغرب سے علم حاصل کر کے آنے والے بیان کریں گے تو وہ اور طرح ہیں اور حقیقت اور بے لاگ طریقے پر تذکرہ ہوگا تو نقشہ اور تصویر کا دوسرا رُخ ہوگا جو حقیقی ہوگا۔ ہم اس خیال کے حامی نہیں ہیں کہ تصویر کا دوسرا رُخ نہ دکھایا جائے بلکہ مثبت رُخ بھی حقیقی ہو اور جتنی کسی میں اچھائی ہو وہ بیان ہو اور منفی رُخ بھی اتنا ہو جتنا اس میں ہے اس میں مبالغہ نہ ہو۔ یہ راہِ حق ہے۔

● قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی کارستانیوں کا تفصیلی تذکرہ اور ان کی شرارتوں کا بھی۔ مگر قرآن مجید اس تفصیل کے باوجود کہتا ہے کہ ان میں اچھے بھی ہیں جو راتوں کو جاگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں ـــــ اہل مغرب نے رومی اور یونانیوں کی جو مبالغہ آمیز تعریفیں کی ہیں وہ دراصل اسلام سے منہ موڑنے کے جواز اور ایک سیکولر لادین، خدابیزار طرزِ حکومت کو اختیار کرنے کے لئے تھا اور ہے۔ ارسطو کے فلسفہ اور رومیوں کا قانون اپنی منظّم ظالمانہ کارروائیوں کے جواز کے لئے تھا۔ اسلام کا نام لے کر کوئی انسان ان مظالم کا جواز پیش نہیں کر سکتا۔ سیموئیل پی ہنگٹنگٹن کی کتاب 'تہذیبوں کا تصادم' کا اردو اور انگریزی کا حوالہ انہیں صفحات کے آخر میں ہے۔

بنی اسرائیل یعنی صہیونیت کا کردار

اس طویل تمہید کے بعد ـــــ اب قارئین بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ آسمانی وحی کے

فقدان اور خلا کے ماحول میں ساری دنیا میں سامنے آنے والے ان غیر فطری فلسفوں کے اس ماحول میں بنی اسرائیل نے کیا کردار ادا کیا۔ ساری دنیا نہ سہی کم از کم مشرق وسطیٰ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں بنی اسرائیل کو آسمانی وحی کا علم بردار بن کر کھڑا ہونا چاہیے تھا تاکہ گمراہی اور فکری ظلمت کا فور ہو جائے تاہم بنی اسرائیل کے اس بگڑے گروہ نے اپنا مثبت کردار تو کیا ادا کرنا تھا اس ماحول میں آگے بڑھ کر دو طرح سے منفی کردار ادا کیا۔

اوّلاً ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اولادِ ابراہیم سے باہر کی دنیا میں نبوت و وحی کے انقطاع کے نتیجے سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں، صہیونیت (ZIONISTS) نام کے اس بگڑے ہوئے گروہ نے اپنے طرزِ عمل سے اس سوچ کے لیے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس کے مواقع فراہم کیے۔ یعنی اس ابلیسی گروہ نے اپنے ہاں کے نبیوں کی تعلیمات سے، پہلے درجے میں گریز کیا پھر انکار کیا نتیجتاً مخالفت پر اتر آئے اور بالآخر ـــــ قتلِ انبیاء جیسے جرم کے مرتکب ہو بیٹھے اور ایک دفعہ غلطی نہیں کی بلکہ سینکڑوں نبی قتل کر دیے اور اپنے اس شیطانی طرزِ عمل کے لیے سو بہانے تراش لیے اور اسی بنیاد پر مختلف فلسفہ ہائے حیات گھڑ لیے اور ان کی خوش فہمی یہ تھی کہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمْ رُسُلاً كُلَّمَا جَآءَ هُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَاتَهْوٰٓی اَنْفُسُهُمْ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ O وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِیْرٌ مِنْهُمْ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَO (71-70:05)

''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن) جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو وہ ان (انبیاء و رسل علیہم السلام) میں سے بعض کو مسلسل جھٹلاتے رہے اور بعض کو قتل کرتے رہے اور یہ خیال کرتے تھے کہ (اس سے ان پر) کوئی آفت نہیں آئے گی، تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی (لیکن) پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ ان کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

عام انسان کا قتل بہت بڑا جرم ہے۔ کسی سرکاری اہل کار کا اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران قتل، عام قتل سے کہیں بڑا جرم ہے تو آسمانی بادشاہت کے نمائندے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ کوئی صاحب دل اور باضمیر انسان ہی کر سکتا ہے۔ جبکہ ـــــ بنی اسرائیل میں ابلیسی سوچ کا حامل یہ گروہ اس کام کو کرتا رہا اور ساتھ یہ بھی سمجھتا رہا کہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں بنے گا۔ اعاذنا اللہ من ذالک

بنی اسرائیل کی طرف سے قتل انبیاء کے اس جرم نے (جبکہ باقی دنیا میں آسمانی ہدایت کے فقدان کے نتیجے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور روشنی صرف بنی اسرائیل کے پاس تھی) گمراہی کی ظلمت میں اضافہ کر دیا اور یوں ساری دنیا خدا ناشناسی اور خدا بیزاری کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آ گئی یا بالفاظ دیگر انسانی سوچ کو روشنی دکھانے والا ذریعہ ہی گرہن کی زد میں آ گیا۔ دنیا میں وحی و نبوت کا ایک عمومی انقطاع اولاد ابراہیمؑ میں وحی و نبوت مختص ہونے کی وجہ سے ہو گیا۔ جبکہ قتلِ انبیاء کے واقعات کا تسلسل بھی نتیجے کے اعتبار سے انقطاعِ وحی و نبوت ہی بن گیا۔ اگرچہ یہ انقطاع مصنوعی اور انسانوں کا خود پیدا کردہ تھا۔

بنی اسرائیل کے اس جرم نے پوری دنیا سے ہدایت کی روشنی کو غائب کر دیا۔ قتل انبیاء کرام دراصل آسمانی احکام کو سامنے آنے سے روکنے کے لیے تھا۔ چنانچہ اس جرم کے دوسرے مرحلے کے طور پر سابقہ وحی اور آسمانی کتب تورات اور زبور کو صفحۂ ہستی سے دانستہ غائب کر دیا گیا تاکہ دنیا میں نہ کوئی آئینہ ہو گا نہ بنی اسرئیل کے اس ابلیسی گروہ کا مکروہ چہرہ کوئی دیکھ سکے گا۔ اس عمل سے مشرق وسطی اور آس پاس کے علاقوں میں بھی آسمانی ہدایت اور وحی سے آزاد انسانی سوچ اور رویوں کو آگے آنے کا موقع مل گیا۔ گویا جو کچھ ہند، ایران اور یونان میں پرورش پا رہا تھا اسی طرز فکر کے عام کرنے کے مواقع بنی اسرائیل کے اس ابلیسی گروہ نے یہاں بھی خود فراہم کر دیے۔

ثانیاً ـــــ قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم کے نتیجے میں بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ نے آگے بڑھ کر ایسے نظریات و افکار کی نہ صرف آبیاری کی بلکہ سرپرستی کر کے آگے بھی بڑھایا جو خود ساختہ انسانی نظریات تھے۔ سرپرستی کرنے کے اس عمل سے بنی اسرائیل کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ ضرورت پڑنے پر اپنی مرضی کے نظریات بھی سامنے لا سکتے تھے اور فروغ دے سکتے تھے۔

☆ اس دوران 300 ق م کے لگ بھگ بنی اسرائیل کے ایک صالح گروہ کی قیادت میں مکابی سلطنت کا قیام عمل میں آ گیا، ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر ہوگئی اور وسیع علاقے پر آسمانی بادشاہت قائم ہوگئی۔ اس کے باوجود اس ابلیسی گروہ کی سوچ میں تبدیلی نہ آئی۔ بالآخر شمال سے پہلے چھوٹے چھوٹے حملہ آور آئے اور مکابی سلطنت ختم ہوگئی، یہ علاقے داخلی خودمختاری کے ساتھ رومی سلطنت کے ماتحت آ گئے۔ اس دنیاوی ذلت اور ایک درجے کی غلامی کے باوجود اس گروہ نے اپنی مکروہ کارروائیوں میں کمی نہیں آنے دی۔ اس لیے کہ یہ ابلیسی گروہ اب پل بڑھ کر جوان ہو چکا تھا اور خوب منظّم بھی۔ خفیہ طور پر فری میسن تحریک اور دوسرے گروپس مختلف انداز میں سرگرم تھے اور اپنے مکروہ ابلیسی عزائم کو آگے بڑھا کر دنیا بھر میں انسانیت کو اشرف المخلوقات کے مقام سے گرا دینا چاہتے تھے۔ یہی وہ چیلنج ہے جو ابلیس نے تخلیق آدم کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا تھا۔

☆ بنی اسرائیل کے اس گروہ نے اپنے عزائم کے لیے اتنی زبردست تیاری کر رکھی تھی، حد درجہ منظّم انداز میں آگے بڑھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مشیت کے مقابلے میں اتنے جری ہو گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسرائیلی حکومت کے خاتمے اور غلامی کے عذاب سے بھی ان کی آنکھیں نہ کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا۔ تا آنکہ اس دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر جوانی تک اور آغاز وحی سے لے کر رفع آسمانی تک ساری زندگی ہی معجزہ تھی۔ یہود خود بھی بحیثیت مجموعی ایک آسمانی نجات دہندہ کے منتظر تھے مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے چونکہ بقول قرآن مجید یہود پر سخت تنقیدیں کیں (اور موجودہ اناجیل بالخصوص متی کی انجیل میں پہاڑی کا وعظ بھی اسی کی گواہی دے رہا ہے) جس کی وجہ سے یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے سخت مخالف ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام یہودی افکار، نظریات اور بدعملی پر جتنی تنقید کرتے تھے، نشتر لگاتے تھے کہ شاید گندہ مواد نکل آئے اور بنی اسرائیل راہِ راست پر آ جائیں۔ بنی اسرائیل اس ابلیسی گروہ (ZIONIST) کے زیر اثر اتنے ہی زیادہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مخالف ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔

بنی اسرائیل کا یہ ابلیسی گروہ قتلِ انبیاء میں اتنا جری ہو چکا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی

تنقیدوں سے پریشان ہوکر اس گروہ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی قتل کا منصوبہ بنادیا۔انہوں نے ایک ایسا مکمل منظّم منصوبہ بنایا کہ اس میں اپنی طرف سے کوئی جھول نہیں رہنے دیا تاہم قرآن مجید بتا رہا ہے (21:58) کہ نبی تو قتل بھی ہو گئے لیکن رسول قتل تو درکنار دشمن کے کبھی ہاتھ بھی نہیں آئے۔حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر رسول تھے۔لہٰذا ''تدبیر کند بندہ.....تقدیر کند خندہ'' کے مصداق اس اسرائیلی ابلیسی گروہ کے منظّم منصوبے کے باوصف اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ ہی اُٹھالیا اوران کی جگہ ان کی مخبری کرنے والا ان کا ایک حواری گرفتار ہوکر سولی چڑھ گیا۔(انجیل برنباس)

اس ابلیسی گروہ کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی کی سزا دلوائی یا قتل کرادیے ہیں۔آج کے 99% عیسائی بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ قرآن مجید ان کے اس زعم کو باطل قرار دیتا ہے اور علی الاعلان کہتا ہے:

وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (157:05)

''اورانہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی''

☆ بنی اسرائیل خود اپنی کتابوں کی پیشینگوئیوں کے مطابق ایک نجات دہندہ کے منتظر تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے تو نہ صرف انکار وتکذیب کی بلکہ اپنے زعم میں تو انہیں سولی چڑھا دیا (تفاصیل کے لیے دیکھیں انجیل برنباس)۔اس لیے بنی اسرائیل کا یہ ابلیسی گروہ آج بھی اصلی 'مسیح' کے انتظار میں ہے اور سمجھتا ہے کہ عنقریب وہ اصفہان سے ظاہر ہوگا۔(یہ تفصیل ہم اصفہان نامی مضمون ماہ فروری 10ء کے حکمت بالغہ میں شائع کر چکے ہیں جن حضرات کو دلچسپی ہو وہاں ملاحظہ فرمالیں)۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی سے اس ابلیسی گروہ کے لیے ساری دنیا میں خدابیزار، خدانا شناس نظریات کو عام کرنے اور دوسرے علاقوں میں موجود ایسے نظریات کی سرپرستی کر کے پروان چڑھانے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔حضرت مسیح علیہ السلام پر یہود کی دست درازی اور انکار پر اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طور پر ٹائٹس رومی (70ء) کے ذریعے بیت المقدس کو تباہ کروادیا۔ بیت المقدس دوبارہ مسمار کر دیا گیا اور یہود کو مستقل طور پر بیت المقدس سے نکال دیا گیا۔اس انخلاء کے بعد بنی اسرائیل (ابلیسی گروہ) کے ایک دورِ انتشار (DIASPORRA) کا آغاز ہوتا ہے جس کے تحت وہ ساری دنیا میں جہاں مواقع ملے، چلے گئے اور آباد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی ونبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بظاہر اس لیے مختص فرمائی تھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں انسانوں میں سے ایک باصلاحیت، باضمیر، خداشناس اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں ورسولوں علیہم السلام کا وفادار گروہ پروان چڑھے اور ان کے زیر اثر نسل انسانی کا ایک بڑا حصہ حق پرستی وحق شناسی کی راہ ''صراطِ مستقیم'' پر گامزن ہو۔ مگر شیطان بھی ہر انسان کے ساتھ ہے اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے جو جرم کیا اور جس جرم پر معافی مانگنے کی بجائے ڈٹ گیا اور دلائل سے ثابت کرنے لگا کہ آدم مجھ سے کمتر ہے میں اُسے کیوں سجدہ کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو دھتکار دیا۔ اس نے قیامت تک کی مہلت عمر مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کہا تھا کہ اب میں اس انسان کے آگے، پیچھے اور دائیں بائیں سے حملہ آور ہو کر اسے گمراہ کروں گا اور ثابت کروں گا کہ یہ ابن آدم مجھ سے بہتر نہیں ہے۔

یہی چیلنج اور معرکہ خیر وشر ہے جو دنیا میں جاری ہے جہاں خیر کے مواقع زیادہ ہوں اور انسانوں کی بھلائی اور راہِ راست پر آنے سے ابلیسی منصوبوں کی ناکامی کا خطرہ ہو، ابلیس اور اس کے اہل کار (جنوں اور انسانوں میں سے) وہیں خاص مورچہ لگاتے ہیں۔ بنی اسرائیل جن میں حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف علیہم السلام کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر بے شمار پیغمبر آئے مگر یہ گروہ روزِ اوّل سے ہی حق سے گریز، تعلیماتِ انبیاء سے روگردانی اور خیر سے نفرت کے رویے اپنا کر ابلیس کا نمائندہ بن گیا اور آج بھی ہے۔ کجا یہ کہ بنی اسرائیل حق کے علمبردار بنتے جبکہ اہل حق قلیل تھے اور اہل شر غالب تھے۔ مجموعی طور پر تاریخ انسانی میں بنی اسرائیل کا یہ بگڑا ہوا گروہ یہود' شیطان کا نمائندہ اور ابلیسی منصوبوں کا پرچارک تھا بلکہ ابلیس کا 'فرنٹ مین' بن گیا۔

33ء سے 610ء تک فترۃ وحی

حضرت مسیح علیہ السلام تک بنی اسرائیل نے اپنی قوم میں سے اُٹھنے والے سینکڑوں پیغمبر قتل کر دیے اور یوں حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی۔ اولادِ ابراہیم سے باہر وحی ونبوت کے انقطاع اور اولاد ابراہیمؑ میں قتل انبیاء کے گھناؤنے جرم اور تورات وزبور کی گمشدگی سے آسمانی ہدایت کے

انسانوں تک پہنچنے میں ایک مصنوعی خلا پیدا ہو گیا۔ ادھر مشیت ایزدی بھی انسان کو آزماتی ہے بلکہ جیسا مزاج بن جائے اسی طرح کے مواقع پیدا کر کے اِتمامِ حجت کر دیتی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے تھے جس کے بعد ویسے ہی ختم نبوت و رسالت ہونے والی تھی؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ختم نبوت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ صدیوں کا وقفہ آ گیا۔

اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل کی چھ صدیاں مصنوعی انقطاعِ ہدایت اور بعد کی چھ صدیاں مشیتِ ایزدی میں فترۃ الوحی اور 'نبی آخر الزمان' کے لیے انتظار کی صدیاں بن گئیں۔ اہل حق کے لیے تو یہ صدیاں کسی خصوصی مہمان کی آمد کے انتظار کی صدیاں تھیں جس میں 'مہمانِ خصوصی' کی آمد کی فرحت انتظار کے کرب کو دبائے ہوئے تھی۔ مگر ـــــ بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے لیے یہ چھ صدیاں دنیا میں گمراہی پھیلانے کے ابلیسی منصوبے کو اقصائے عالم میں عام کرنے اور انسانیت کو شرف انسانیت سے گرا کر حیوانیت اور خود پرستی کے قعرِ مذلت میں گرانے کے عمل کی صدیاں ثابت ہوئیں۔

بنی اسرائیل کا دورِ انتشار 70ء کے بعد (DIASPORA)

یہود کے حضرت مسیح علیہ السلام کے انکار و تکذیب بلکہ مختلف غیر اخلاقی الزامات لگا کر رومیوں کے ذریعے سولی چڑھانے کی کوششوں کا تذکرہ یوں تو تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے تاہم بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں منظر عام پر آنے والی انجیل برنباس میں زیادہ وضاحت ہے اور واقعات ترتیب سے دیے گئے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے قرآن کا بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہود کو ان کے قتل مسیح کے منصوبے اور اقدامِ قتل کے انتظامات کی وجہ سے سزا کا مستحق قرار دیا اور ٹائٹس (TITUS) رومی نے 70ء میں بیت المقدس پر حملہ کیا اور اسے مسمار کر دیا اور یہود کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اس طرح یہود اپنی شرارتوں اور قتل انبیاء کے جرم کی پاداش میں اپنے وطن سے نکال دیے گئے اور دنیا میں جہاں سینگ سمائے وہیں جا کر آباد ہو گئے۔

اس جلاوطنی کے دور کو یہود ـــــ دورِ انتشار (DIASPORA) کہتے ہیں اور اسی

زمانے میں بنی اسرائیل عرب، یمن، ایران، افغانستان، ہندوستان اور یورپ وغیرہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ اس جلاوطنی کے عہد میں ان کا ایک حصہ عرب میں آ کر بھی آباد ہوا۔ یثرب (مدینہ النبی ﷺ) میں یہود کے تین قبیلے اسی دور میں آ کر آباد ہوئے۔ اس آبادکاری میں ایک وجہ مدینے کے علاقے میں کھجوروں کے باغات کی کثرت تھی اور یہود کے اپنے آثار اور مذہبی روایات کے مطابق آخری پیغمبر ﷺ عرب میں مکہ والے 'بیت اللہ' کے قرب و جوار میں کھجوروں کی سرزمین میں ہی مبعوث ہونے والے تھے۔

یہود کا دوسرا اہم حصہ پانچ چھ صدیاں قبل بخت نصر عراقی نمرود بادشاہ کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی (567 ق م) کے بعد 150 سال کی غلامی کے دور کی یادوں اور معلومات کی بنا پر عراق اور ایران جا کر آباد ہو گیا۔ اصفہان میں بنی اسرائیل کی پہلی آبادکاری 204ء کی ہے اور اس وقت سے آج تک وہ یہاں آباد ہیں (1948ء میں ملک اسرائیل کے قیام کے باوجود یہاں ان کی کثیر آبادی ہے اور ایران کے مرکزی اسمبلی میں ان کی نمائندگی بھی ہے) اسی طرح ہند میں بالخصوص جنوبی ہند کے ساحلی تجارتی شہروں میں اُنہوں نے اپنے لیے جگہ بنالی۔ ایک طبقہ چین بھی جا کر آباد ہو گیا۔

اس عہد انتشار میں بنی اسرائیل نے چند بے حد اہم اور خطرناک کام کیے ہیں جس کا خمیازہ پوری نوعِ انسانی آج تک بھگت رہی ہے اور ابھی نامعلوم کب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے واللہ اعلم۔ ان اہم اُمور میں سے ہم بطور نمونہ چند کا تذکرہ قارئین کے لیے کر رہے ہیں، یہ تذکرہ اس ابلیسی گروہ کی کارستانیوں سے آگاہی کے لیے بھی ضروری ہے اور آئندہ کے مضمون سے ربط اور معنوی تسلسل کے لیے بھی ناگزیر ہے..... اور وہ اہم اُمور یہ ہیں:

1۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بدسلوکی

قرآن مجید کے بیان کے مطابق (49:03) حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے پیغمبر تھے اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونے والے دیگر پیغمبروں علیہم السلام کی طرح بنیادی طور پر ان کی دعوت صرف بنی اسرائیل ہی کے لیے مختص تھی۔ آپ انہیں کی نسل سے تھے، آپؑ انہیں کی زبان بولتے ہوئے آئے اور سابقہ انبیائے بنی اسرائیل کی توثیق بھی فرمائی نیز تورات اور زبور کو برحق کتابیں تسلیم کیا، تورات اور شریعت موسوی علیہما الصلوٰۃ والسلام کو برقرار رکھنے کا اعلان فرمایا۔ تاہم بنی اسرائیل نے

مجموعی طور پر (سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی واضح نشانیوں اور پیش گوئیوں کے باوجود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا اور ایمان نہیں لائے بلکہ اس دینی تقاضے کے برعکس حضرت مسیح علیہ السلام پر بعض الزامات لگا کر سزائے موت سنائی اور عمل درآمد کے لیے رومی حکومت کے حوالے کر دیا۔

انجیل برنباس میں جو تفصیل درج ہے وہ قرآن مجید کی بیان کردہ تفصیلات کے مشابہ ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا اور اُن کی جگہ ایک دوسرا شخص (جس نے مخبری کر کے بدعہدی کی تھی) سولی پر لٹکایا گیا۔

بنی اسرائیل کا یہ ابلیسی گروہ جو عرصے سے انبیاء کرام علیہم السلام کو ستانے، تکذیب کرنے اور قتل کرنے جیسے جرائم کرتا آ رہا تھا' اپنے تئیں حضرت مسیح علیہ السلام کو راستے سے ہٹا کر مطمئن ہو گیا کہ اب آسمانی ہدایت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور ان کے سیاہ کارناموں اور ابلیسی یعنی خدا بیزار (سیکولر) منصوبوں کا راستہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔

2 حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد خلافِ توقع بنی اسرائیل کو ایک کٹھن مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور وہ مشکل تب سامنے آئی جس وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکاروں نے کمال استقلال اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ بنی اسرائیل کے اس گروہ نے جب حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں بخشا تو ان کے پیروکاروں کی مستقل مزاجی اور دین سے وابستگی پر کب ہمت ہارنے والے تھے۔ اُنہوں نے ان مسلمانوں (حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے پیروکاروں) پر بے پناہ مظالم روا رکھے مگر اُنہوں نے راہِ حق میں یہ مظالم برداشت بھی کیے اور ثابت قدم بھی رہے۔

3 اس خلافِ توقع صورت حال پر اس ابلیسی اور صہیونی گروہ نے ایک خوفناک چال چلی کہ بنی اسرائیل کا ایک عالم پال نامی شخص بظاہر عیسائی ہو گیا اُس نے دعویٰ یہ کیا کہ اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کو کما حقہٗ سمجھا ہے جب کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو مخلص بھی تھے اور راہِ حق میں ڈٹے ہوئے تھے) چونکہ بظاہر اُمّی تھے اور علمی معاملات سے نابلد تھے نیز اعلیٰ علمی مباحث سے انہیں واسطہ نہیں تھا لہٰذا بزعم خویش وہ (یعنی سینٹ پال) ہی حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا صحیح جاننے والا ہے اور اس کی بیان کردہ تفصیلات اور تشریحات ہی 'حق' اور حضرت مسیح علیہ السلام کا 'حقیقی مدعا' ہیں۔

بنی اسرائیل کے اس ابلیسی گروہ ہی کے منصوبے کے تحت اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے دین توحید کو تثلیث میں بدل دیا اور اس کا پرچار شروع کر دیا اور الوہیت مسیح کا عقیدہ عام کرنے لگا۔ اسی مہم میں اس ابلیسی وصہیونی گروہ نے انجیل کا اصل نسخہ اور اس کے جو بھی صحیح (مطابق بہ اصل) نسخے تھے وہ بھی غائب کر دیے۔ 70ء سے بنی اسرائیل کا دورِ انتشار شروع ہوا تھا اس کے بعد جلد ہی انجیل کا اصل نسخہ ناپید ہو چکا تھا اور اس کی جگہ ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے'' کے اُصول کے تحت اپنی یادداشتوں سے انجیل کے درجنوں نسخے تیار کر کے ان غیر مرئی ہاتھوں نے معاشرے میں عام کر دیے۔ حالانکہ ان میں سے کوئی نسخہ بھی اصلی نہیں تھا۔ ان نسخوں میں قدم بہ قدم گمراہی کو داخل کیا گیا اور مطلوبہ عقائد ونظریات کو اس کتاب بائبل کا حصہ بنا دیا گیا۔

تورات اور زبور اور دیگر صحائف پہلے ہی غائب کر دیے گئے تھے اور ان کی جگہ خود تحریر کردہ تصنیفات نے لے لی تھی اب انجیل کے ساتھ بھی اسی ابلیسی گروہ نے یہی کچھ کر دیا۔ اس صہیونی گروہ کے زیر اثر اور زیر نگرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر من گھڑت اور جعلی انجیلیں عام کی گئی اور ایک وقت آیا کہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اتنی زیادہ انجیلوں میں سے کس کو 'سرکاری' نسخہ (OFFICIAL BIBLE) قرار دیں۔

لہٰذا تاریخ میں وہ مضحکہ خیز واقعہ درج ہے کہ 70 نسخوں میں سے کس طرح چار اناجیل منتخب کی گئیں اور ان چار کتابوں کا مجموعہ بائبل کے عہد نامہ جدید کے نام سے ملتا ہے۔ جب سوال کیا جائے کہ ان چاروں میں سے اصل انجیل کونسی ہے؟ تو معتبر ترین جواب یہ ہوتا ہے کہ

NONE OF THEM IS BIBLE. THE BIBLE IS IN THEM.

''ان (چاروں اناجیل) میں کوئی بھی (حقیقی) انجیل نہیں ہے درحقیقت (اصل انجیل) ان (چاروں) کے اندر ہے۔''

جبکہ ان اناجیل کی عبارات کئی جگہ شاہد ہیں کہ یہ تحریریں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد تحریر کی گئی ہیں۔

4 بنی اسرائیل کے اس منصوبے میں تین صدیاں بیت گئیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مخلص ماننے والے مختلف قسم کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے اور دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ جبکہ سینٹ پال نے یورپ کے سفر کیے اور اپنے عقائد کے مطابق مختلف مراکز قائم کیے اور اپنے عقائد پر مبنی

عیسائیت کو اصل 'دین مسیح' کے طور پر عام کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس ابلیسی گروہ اور سازش ہی کا نتیجہ کہ تثلیث کا یہ داعی ـــــ ایک پیغمبر علیہ السلام کی تعلیمات کا مبلغ اور داعی قرار پایا اور وہ دین جو صرف بنی اسرائیل کے لیے آیا تھا اور بائبل کے بیان کے مطابق کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آئے تھے.....ایک عالمی تبلیغی دین بنا دیا گیا، جس میں توحید آخرت اور رسالت کے تصورات کے سوا باقی سب کچھ تھا۔

300ء کے لگ بھگ یہ اہم واقعہ پیش آیا جس سے تاریخ انسانی نے ایک بہت بڑا TURN لے لیا ـــــ وہ یہ کہ سلطنت روما جو مشرکانہ عقائد کی وجہ سے مشہور تھی اور اس لحاظ سے اپنے عقائد و نظریات کے فروغ اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے بے پناہ مظالم ڈھاتی تھی اس حکومت کے مظالم کی داستان اتنی گھناؤنی ہے کہ شاید ہی دنیا کا کوئی بادشاہ یا ظالم حکمران اس کا مقابلہ کر سکے۔ اس سلطنت روما (ROMAN EMPIRE) نے سینٹ پال کی عیسائیت کو تسلیم کر کے سرکاری مذہب بنا لیا۔ اس تبدیلی سے سلطنت کے انتظام اور ملکی قانون (دیوانی اور فوجداری) میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا اس لیے کہ سینٹ پال نے تثلیث ایجاد کی، تورات کے احکام کو اس میں ساقط کر دیا اور شریعت سے اعلانِ براءت کر کے ہر دور کے رواجی اور سیکولر قانون کو اختیار کرنے کا راستہ کھول دیا جس سے رومیوں کو عیسائیت کا لیبل اپنے ماتھے پر لگا کر بظاہر عیسائی مذہب اختیار کرنے اور در پردہ اس صہیونی ابلیسی گروہ سے دوستی کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔

5 قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی پیروکاروں سے متعلق کچھ تاریخی اشارے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان مخلص پیروکاروں نے جو مصیبتیں جھیلی ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ یہ ابلیسی گروہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کرنے کا عادی تھا بھلا ان (انبیاء کرام علیہم السلام) کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور "وَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ" کے درجے کے لوگوں کو کب معاف کرنے والا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید کے 30ویں پارے میں سورۃ البروج میں اصحاب الاخدود کا واقعہ ہے جس کی تفاصیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں کہ کس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کا دین لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا جبکہ یہود اس سچے دین سے لوگوں کو متنفر بھی کرتے تھے اور اس دین کے اختیار کرنے والوں پر

بے پناہ مظالم بھی ڈھاتے تھے۔ نیز یہود کے ہاں (آسمانی کتاب کے حامل ہونے کے باوجود) کس حد تک جادوٹونے اور طلسماتی باتوں OCCULT SCIENCES کا زور تھا۔ اس واقعے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحلی علاقے یمن وغیرہ میں عیسائیت کا فروغ کس طرح ہوا۔

عیسائیت کے فروغ کے اس عمل میں وقت کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ماننے والے کم ہوتے چلے گئے اور سینٹ پال کی عیسائیت یعنی CHRISTIANITY عام ہوتی چلی گئی۔ عیسائیت کے اس فروغ میں اس ابلیسی گروہ کے دور انتشار کے مختلف ملکوں میں آبادکاری کی وجہ سے عالمی رابطوں نے بڑا کام کیا۔ اصحاب الاخدود کی طرح کے واقعات میں جہاں اہل حق کو زندہ آگ میں کود جانے پر مجبور کیا گیا، ایک سبق پنہاں تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار سینٹ پال کی عیسائیت کے لیے راستہ صاف کر دیں۔

دوسری طرف رومی بادشاہ بھی ایک آسمانی ہدایت پر مبنی دین کو اپنے لیے رکاوٹ ہی سمجھتے تھے کہ بادشاہ لوگ تو ہوتے ہی عیاشی، بدمعاشی اور بے حیائی کے دلدادہ ہیں اور ان کو اپنے غلط مقاصد کے حصول اور سلطنت کے استحکام کے لیے عوام کو ساتھ ملائے رکھنے کے لیے اسی طرح کی عیاشی کے دروازے کھلے رکھنے پڑتے ہیں جبکہ ـــــ حقیقی آسمانی مذاہب اس بے راہ روی اور خدا بیزاری (سیکولرازم) کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہی دور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص پیروکاروں پر جب بنی اسرائیل کے گمراہ ابلیسی گروہ کی طرف سے بھی مظالم ہوئے اور بادشاہوں کی طرف سے بھی ـــــ تو ان مخلص حق پرستوں نے بادشاہوں، حکمرانوں اور متمدن دنیا سے دور رہ کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور رہبانیت ایجاد کر لی۔ یہ 'بدعت' شروع میں بڑے مخلصانہ انداز میں اختیار کی گئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے لیے اجر کا وعدہ بھی ہے (27:57)۔ اسی بات کی وضاحت کے لیے ایک شاندار واقعہ اصحابِ کہف کا ہے جو قرآن پاک میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے اور ایسے مخلص اہل حق کی تعریف کی گئی ہے۔ سورۃ الکہف (سورۃ نمبر 18) پندرہویں پارے میں ہے اس کے آغاز ہی میں اس واقعہ کی تفصیلات ہیں۔

6 بُرا ہو صہیونیت کی بنیاد ڈالنے والوں کا ـــ کہ انہوں نے اس رہبانیت کو بھی آج کی

اصطلاح میں ہائی جیک (HI-JACK) کرلیا۔ جب اہل حق نے رہبانیت اختیار کی اور متمدن دنیا سے دور جنگلوں اور کوہساروں میں جا کر سر چھپایا تو بجائے اس کے کہ ان اہل حق کا رابطہ دنیا میں منقطع ہو جاتا اور دنیا انہیں بھول جاتی ـــــ عوام کے دلوں میں ایسے لوگوں کی محبت اور عقیدت میں بے پناہ اضافہ ہوتا چلا گیا اور یہی لوگ عوام کی نگاہوں میں باوقار اور 'اللہ والے' شمار ہونے لگے۔

اس موقع پر سینٹ پال کے ماننے والوں نے بھی اس 'عوامی مقبولیت' کو حاصل کرنے کے لیے اسی طرح کی رہبانیت کو اپنے اندر بھی رواج دے دیا اور ان کی عبادت گاہوں میں مرد بھی اور عورتیں بھی شادی نہ کرنے کا عہد کر کے اپنے آپ کو صرف عیسائیت کے فروغ کے لیے وقف کرنے لگے اور یہ سلسلہ آج بھی پورے زور وشور سے جاری ہے۔ قرآن مجید کا اس پر صرف اتنا تبصرہ ہے کہ عیسائیت نے اس کو بطور ایک ادارہ (INSTITUTION) فروغ دیا بلکہ عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ہمہ وقت 'تبلیغی فوج' سالویشن آرمی (SALVATION ARMY) کے طور پر مہیا کر دی۔ تاہم قرآن مجید فرماتا ہے کہ وہ لوگ رہبانیت پر عمل درآمد میں کامیاب نہ ہو سکے اور انسانی جنسی جذبات کو ناروا روک کر فطرت انسانی کے خلاف اس جنگ میں شکست کھا گئے اور برائیوں کا ارتکاب کرنے لگے۔ دورِ انحطاط میں مذہب کی آڑ میں ایسی برائیاں ہر مذہب کے لوگوں میں آ جاتی ہیں مگر ـــــ عیسائیت کے ہاں یہ برائیاں دورِ عروج ہو یا دورِ زوال، ہر دور میں ہی عروج پر رہی ہیں اور یہ اسی ابلیسی گروہ کے منصوبوں کا ایک حصہ ہے۔ آج بھی بدی کے فروغ کی تاریخ میں CHURCH CRIMES کے نام سے ایک اہم باب اہل علم کے سامنے موجود ہے اور سینٹ پال کی 'امت' کے لیے شرمندگی اور ندامت کا سامان فراہم کرتا ہے۔

7 انسان فطری طور پر ایک نظریہ یا مذہب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جس انسان کو اس کائنات کا صحیح ترین اور صالح ترین نظریہ ـــــ نظریۂ توحید اور پاکیزہ ترین مذہب اور راستہ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا راستہ میسر آ جائے وہ بلاشبہ ایک خوش نصیب انسان ہے اور وہ اپنی اس خوش نصیبی پر جتنا فخر کرے کم ہے۔ تاہم انسانی فطرت کے اس تقاضے کا یہ پہلو بڑا المناک ہے کہ جس انسان کو حقیقت تک رسائی نہیں ہو پاتی یا اس کے راستے میں مشکلات اور دشوار گھاٹیاں نظر آتی ہیں یا بذات خود انسان توحید اور مذہب کا راستہ اختیار کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ انسان ـــــ حقیقت

سے بہت کم تر ــــ کسی اور ملتے جلتے نظریہ اور 'مذہب نما' چیز پر اکتفا کر کے اسے ہی اپنا آئیڈیل اور مطلوب بنا کر اس کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے خود تو گمراہ ہوتا ہی ہے بہت سے انسانوں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کر دیتا ہے اور یہی اس ابلیسی قوت کا مقصد ہے۔ اس طرح ایک دین بیزار شخص خواہی نخواہی ابلیس اور شیطان کا ایجنٹ بن جاتا ہے اور زندگی میں ایک مرحلہ آتا ہے کہ وہ اس صورت حال پر مطمئن بھی ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَہُمۡ کَحُبِّ اللّٰہِ

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں'' (165:02)

رومی بادشاہ ظالم تو تھے ہی اور اپنی سلطنت کے استحکام کے لیے جتنے ہتھکنڈے اور اذیت دینے والے اوزار انہوں نے ایجاد کیے اور استعمال کیے وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان ظالم بادشاہوں کے دل میں اگر کوئی کسک یا احساس گناہ تھا بھی تو وہ سینٹ پال کی عیسائیت اور تثلیث کے عقائد کو قبول کر کے ختم ہو گیا اور یوں مذہب کی کمی کا احساس جاتا رہا اور انہوں نے اپنے ضمیر کے کاٹنے کے احساس کو خاموش کرنے کے لیے 'مذہب نما' عیسائیت اختیار کر کے خود فریبی کا سامان فراہم کر دیا اور عوام کو بھی مطمئن کر دیا تا کہ ان کی سلطنت میں امن وامان قائم رہے۔

(یہی رومن لاء ہے جو یورپی اقوام کا اٹھارھویں صدی تک قانون رہا ہے اور وہی مظالم ہیں جو انہوں نے محکوم قوموں پر کیے ہیں۔ پندرھویں صدی میں یورپی بیداری اور اس کے بعد صنعتی انقلاب کے ذریعے حاصل ہونے والی قوت وسلطنت کے استحکام کے لیے یورپی حکمرانوں نے یہی رومی طریقے استعمال کیے ہیں کہ انسان آج تصور میں نہیں لاسکتا جب حکومت مستحکم ہوگئی تو اپنے ہاں یورپ اور امریکہ میں وہ قوانین ختم کر دیے گئے جبکہ اپنی غلام ریاستوں اور علاقوں (COLONIES) میں وہ آج تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔)

اس طرح بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ ــــ صہیونیت یعنی ابلیسی گروہ کو تیسری صدی عیسوی میں ایک قوت یا تازہ دم گھوڑا مل گیا جس کے ذریعے انہوں نے اپنے مقاصد خوب حاصل کیے ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی کے آغاز تک یہودی دور انتشار کے باوجود اپنے آپ کو مستحکم کر چکے تھے اور قرآن مجید کے بیان کے مطابق ـــــ ان کے مزاج اور فکر میں بہت سی خود ایجاد کردہ اور اختیار کردہ برائیاں اور گمراہیاں راسخ ہو چکی تھیں اور ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھیں۔ حیرت ہے کہ وہ ان برائیوں کو کوئی برائی ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل کے اس قومی مزاج اور عادات واطوار کا اجمالی خاکہ قرآن مجید کے مطابق درج ذیل ہے:

(ا) نسلی افتخار یہود یعنی بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے اندر یہ احساس پختہ ہو گیا تھا کہ ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، جن کا لقب اسرائیل تھا اور ہم بنی اسرائیل چاہے کتنے ہی گنہ گار اور سیاہ کار سہی ہم ایک اعلیٰ نسل ہیں اور ہمارے اور دیگر انسانوں میں مقام اور مرتبے کا ایک واضح پیدائشی فرق ہے۔ بنی اسرئیل میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام آئے تھے اور یہ بلاوجہ نہیں تھے؛ لہٰذا ـــــ ہم ایک 'منتخب روزگار' نسل ہیں اور دیگر انسانی گروہوں اور نسلوں سے زیادہ باوقار اور عزت دار ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان اپنی جگہ ـــــ مگر ان کی رگوں میں اسرائیلی خون دوڑ رہا ہے اور ان میں جینز (GENES) تو بہر حال انبیاء کرام علیہم السلام کے ہیں۔

(ب) اللہ کے چہیتے نسلی افتخار کے خود ساختہ فلسفے کے نتیجے میں یہ بات بھی ان میں پھیل گئی اور خواص وعوام میں پختہ ہو گئی کہ ہم اللہ کے چہیتے بھی ہیں۔ چنانچہ بائبل میں بھی یہ الفاظ منقول ہیں: "WE ARE THE CHOSEN PEOPLE OF THE LORD."

قرآن مجید نے بھی ان کی اس گمراہی کا تذکرہ کیا ہے کہ ان کا دعویٰ یہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآءُهٗ (18:05)

''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں''

بنی اسرائیل کا یہ احساس یا عقیدہ کس قدر بے ہودہ ہے کہ اولادِ آدم میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کو چن کر ''اپنا بیٹا'' بنا لیا ہے اور اعلیٰ مقام دے دیا ہے۔ جبکہ اس گروہ کے اعمال اور کرتوت، اعمال انسانی میں سب سے زیادہ گھناؤنے اور سیاہ اعمال ہیں۔ قتل انبیاء کرام علیہم السلام، آسمانی ہدایت سے بیزاری اور اس کی مخالفت، موقع ملنے پر ظلم وتعدی، دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ اور آسمانی شریعت کی منسوخی ایسے جرائم ہیں کہ ان کا مرتکب اللہ تعالیٰ کا چہیتا تو کجا، ایک عام درجے میں بھی انسان کہلانے

کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔لیکن بنی اسرائیل میں یہ عقیدہ بڑا راسخ تھا اور اُن کی دیکھا دیکھی دنیا کے اور بہت سے مذہبی طبقات (برہمن وغیرہ) میں بھی یہی بیماری سرایت کر گئی ہے حتیٰ کہ مسلمانوں میں بھی مذہبی رہنماؤں کا ایک طبقہ اور سیاست دانوں میں بھی خاندانی عظمت کا عقیدہ موجود ہے۔

(ج) غیر یہودی انسان نہیں فارسی میں شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے انسانی فطرت اور رویوں کے بارے میں ایک جگہ فرمایا کہ

؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریّا می رود دیوار کج

کہ انسان کی سوچ میں جب کجی آجاتی ہے اور اس کی اصلاح نہ کی جائے تو وہ کجی اور بڑھتی جاتی ہے اور تعمیر جتنی اونچی ہوتی جاتی ہے کجی بڑھتی جاتی ہے اور بعد کے مراحل میں اصلاح کی کوششیں بے سود ہو جاتی ہیں۔ یہ فرد کی بھی مثال ہے اور یہی مثال کسی قوم اور گروہ یا انسانی اجتماعیت کی بھی ہے۔

اس اُصول کی روشنی میں بنی اسرائیل کے ایک معتد بہ حصہ میں جب نسلی تفاخر اور اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور 'بیٹے' ہونے کا عقیدہ پھیل گیا۔اس کی اصلاح کی کوششیں ہوئیں، انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے مگر تمام کوششیں ناکام ہوگئیں اور.....ع ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق، ان کا یہ روگ متعدی ہو کر عام ہو گیا اور اُن کے اکابرین و اصاغرین یعنی خواص و عوام کی سوچ کا حصہ بن گیا۔ان کی فطرت بدل گئی اور ذہنی ساخت اور سوچنے کے انداز ہی بدل گئے۔

اس بنیادی تبدیلی اور بنی اسرائیل کی ذہنیت کی کایا پلٹ ہونے کا نتیجہ وہی نکلا جو کسی معاشرتی بگاڑ کے ناقابل اصلاح ہونے کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ بنی اسرائیل میں اس بگاڑ کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ''ہم اسرائیلی ہیں'' ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی اولاد ہیں لہٰذا دوسرے انسانوں سے برتر ہیں اور یہ برتری پیدائشی (BY BIRTH) ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں لہٰذا 'انسان' صرف ہم ہیں، چاہے جتنے ہی بے عمل ہوں اور بداخلاق ہوں جبکہ دوسرے انسان چاہے وہ کسی نسل سے ہوں یا علاقے سے وہ انسان نہیں ہیں بلکہ جانور (BEASTS) ہیں بس شکل صرف انسانوں کی سی ہے۔ گویا عام الفاظ میں انسان نما جانور ہیں۔ان کی اپنی اصطلاح میں غیر یہودی لوگ GOYEMS یا GENTILES ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن مجید نے بھی بعض انسانی

گروہوں اور طبقات کو جانور (BEASTS) یا جانوروں سے بھی بدتر کہا ہے۔ تاہم قرآن مجید کا کہنا یہ ہے کہ انسان کا جانور بن جانا 'اکتسابی' عمل ہے اور انسان اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے نہ کہ جبراً اور پیدائشی طور پر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ O

''اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کے لیے پیدا کیے ہیں ان کے دل ہیں لیکن ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔'' (179:07)

گویا انسان اپنے اعمال کی وجہ سے شرفِ انسانی سے گر جاتا ہے اور انسان نما حیوان بن جاتا ہے بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ قرآن مجید کے اس اُصول کے مطابق تو بنی اسرائیل اور یہود کو ان کے قتل انبیاء اور دیگر احکام شریعت سے روگردانی کی سزا کے طور پر 'جانور' یا 'انسان نما جانور' قرار دیا جانا ضروری ہے کجا یہ گمراہ اور خود 'انسان نما جانور' دوسروں کو یہ خطاب دیتے پھریں، یہ تو چوری اور سینہ زوری والی بات ہے جو صرف یہود ہی کو زیب دیتی ہے اور صہیونی اور ابلیسی گروہ ہی اس کو ہضم کر سکتا ہے کوئی اور طبقہ اتنی بے غیرتی اور بے حیائی نیز سینہ زوری کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور بدبختی یہ کہ ایسی سینہ زوری بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام کے ساتھ اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں علیہم السلام کی تعلیمات کے ساتھ۔ **اعاذنا اللہ من ذالک**

(د) غیر یہودی انسان نہیں تو انسانی سلوک کے مستحق بھی نہیں فکری کجی اور سوچ کے ٹیڑھے پن کا ایک دوسرا خوفناک نتیجہ یہ نکلا کہ بنی اسرائیل یعنی صہیونیت کا علمبردار یہ ابلیسی گروہ اس خیال کا حامل بن گیا کہ جب انسان صرف ہم اسرائیلی ہیں اور دوسرے لوگ 'جانور' یا 'انسان نما جانور' ہیں تو پھر یہ غیر یہودی ہمارے اچھے انسانی سلوک، صلہ رحمی، خدمتِ خلق، عزت و احترام اچھے اخلاقی رویوں نیز احترامِ جان و مال کے مستحق بھی نہیں ہیں۔

گویا غیر یہودی لوگوں کے جان و مال کا تحفظ، عزت و آبرو کی حفاظت اور انسانی حقوق سب ساقط۔ ان غیر یہودی انسان نما جانوروں سے جانوروں جیسا سلوک ہی ان کی سوچ کا حصہ بن گیا۔ ان کے نزدیک جانوروں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں اور جانوروں پر زیادہ بوجھ لادنا وغیرہ غیر اخلاقی حرکت ہوتی ہے اور آج تو 'انسدادِ بے رحمی' کا باقاعدہ ادارہ ہوتا ہے جو تمام مہذب انسانی معاشروں میں قائم ہیں۔ مگر یہود کے نزدیک غیر یہودیوں کے حقوق جانوروں کے حقوق جتنے بھی نہیں ہیں۔ (گزشتہ نصف صدی سے یہودی، فلسطینیوں کے ساتھ جو مظالم روا رکھے ہوئے ہیں وہ اس ابلیسی گروہ کے انہیں شیطانی نظریات کی ایک جھلک ہے۔)

ان ننگِ انسانیت صہیونی نظریات کی دور حاضر میں کئی مثالیں اہل علم اور دانشوروں کے سامنے ہیں جن میں سے دو مثالیں بیان کیے بغیر آگے گزرنے کو ضمیر نہیں مانتا کہ اس کے بغیر بات واضح نہیں ہوگی اور سارا مضمون آج کے انسانوں سے غیر متعلق ہو جائے گا حالانکہ اس ابلیسی صہیونی گروہ کے نظریات آج بھی وہی انسان دشمن اور اسلام دشمن ہیں جو آج سے ڈیڑھ ہزار دو ہزار سال پہلے تھے ان میں بال برابر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

(1) سود آسمانی شریعتوں میں حرام تھا اور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی حرام تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی سود (USURY) کو حرام قرار دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں بھی سود حرام ہے۔ اس صہیونی گروہ نے عیسائیوں میں سے ایک آزاد خیال گروہ پروٹسٹنٹ کھڑا کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانے بغیر اور بائبل کو تسلیم کیے بغیر عیسائی کہلاتا ہے۔ اس آزاد خیال گروہ نے سود اپنے لیے حلال کر لیا اور سترھویں صدی کے وسط میں بنک آف انگلینڈ قائم کر دیا اور آج کا سارا سودی نظام اور بینکنگ کا سسٹم اسی شجرۂ خبیثہ و ملعونہ کی شاخیں اور پھل ہیں۔ اس ابلیسی نظام کے ذریعے سارا پیسہ بینک مالکان کو منتقل ہو رہا ہے اور دنیا میں اکثر بینکوں کے مالکان یہودی ہیں یا اُن کا پیسہ ان بینکوں میں فکسڈ ڈپازٹ (FIXED DEPOSIT) میں پڑا ہے۔ ساری دنیا کا سودی نظام یہودیوں کے ہاتھ میں ہے مگر یہ صہیونی اسرائیلی گروہ ساری دنیا سے سود کھانے کے باوجود سود کو حرام سمجھتا ہے اور اسرائیلوں (یہودیوں) سے سود نہیں لیتا کہ یہ حرام ہے۔ مگر وہ غیر یہودیوں کو چونکہ انسان ہی نہیں سمجھتے اس لیے ان پر شریعت کے احکام لاگو نہیں۔ ان

سے زیادتی کرنا، ان کی عزت لوٹ لینا یا ان سے سود کھالینا گویا جرم ہی نہیں ہے۔ یہ اصل چہرہ ہے اس صہیونی ابلیسی اسرائیلی گروہ کا جو آج دنیا کے سارے وسائل پر قابض ہے۔

(2) دنیا میں بینکنگ کے نظام کی طرح میڈیا بھی آج تقریباً اسی صہیونی اسرائیلی گروہ کے پاس ہے اور اس کی ملکیت ہے۔ دنیا بھر کے پریس، نیوز ایجنسیز، بڑے بڑے مشہور ہفتہ وار رسالے، ٹائم، نیوز ویک وغیرہ ٹی وی چینلز اور حتیٰ کہ بدزمانہ بے حیائی کے چینلز بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ اس یہودی گروہ کے پاس ہیں اور اس سے وہ اربوں ڈالر کمارہے ہیں۔ اس کے باوجود اس یہودی گروہ کا جو مذہبی باعمل طبقہ (PRACTICING JEWS) ہے اس کے ہاں TV نہیں ہوتا ہے کہ اس سے اخلاق خراب ہوتا ہے اور ہم اپنی نئی نسل کا اخلاق خراب نہیں کرنا چاہتے۔

گویا باقی ساری دنیا کے چھ سو پچاس کروڑ انسانوں کے اخلاق خراب ہوجائیں تو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ تو ہیں ہی حیوان یا انسان نما حیوان یا GENTILES مگر اخلاق کی فکر ہے تو صرف اپنے بچوں کی کہ اس سے اخلاق بگڑتا ہے۔ یہ بوالعجبی اور لطیفہ اسی وجہ سے ہے کہ وہ غیر یہودیوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔

(۶) یہودی اور قبالہ اسرائیلیات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ یہودیوں کے باطنی علوم میں سب سے بڑا علم علم الاعداد ہے جس کی بنا پر اُنہوں نے اپنی آسمانی کتاب تورات کو اس علم کی روشنی میں پڑھنا پڑھانا شروع کیا حتیٰ کہ وہ اس دلدل میں ایسے پھنسے کہ وہ اصل کتاب کو ہی بھول گئے اور اسی کے ہوکر رہ گئے۔ آسمانی ہدایت دے کر گمراہی کو سینے سے لگا لینے کی تاریخ انسانی میں اس سے بڑی اور بُری کوئی مثال نہیں اور اس کا تذکرہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقام پر آیا ہے۔

مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہی جادو یا سحر کا رواج تھا اور اس کا چرچا تھا اس کے بڑے بڑے ماہر موجود تھے اور وسیع علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ بنی اسرائیل فرعونوں کی غلامی کے دور میں بھی اس سے واقف تھے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کے مقابلے میں ان کو شکست فاش دے دینے اور ان کے دانت کھٹے کردینے سے یہ بات سامنے آئی کہ وہ علم وہاں موجود تھا یہود کو اس سے دلچسپی تھی اسی کا کوئی مظہر سامری کا بچھڑا بنادینے کا عمل تھا اور اس کا 'سحر' تھا جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر چل گیا۔ آگے چل کر یہ سلسلہ بڑھتا رہا اور وسعت پذیر

ہوگیا۔جس قوم میں جس چیز کا چلن ہوجائے اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس نسبت سے آزماتا ہے۔بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور مبارک میں شیاطین اور ہاروت وماروت نے اس علم کو فروغ بخشا اور اس صہیونی گروہ کی دلچسپی اس شعبہ میں حد سے زیادہ بڑھ گئی۔

یہ علم الاعداد کیا تھا؟ یہ بڑی تفصیل طلب مسئلہ ہے تاہم مختصراً اس کا تعارف یہ ہے:

یہود نے اپنی عبرانی زبان کے الفاظ یعنی حروف تہجی (ALPHABET) کو اپنی طرف سے کچھ اعداد الاٹ کر دیے اور ان کی قیمت مقرر کر دی۔یہ عبرانی الفاظ ہمارے ہاں بھی عام ہیں اور حروف ابجد کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔یہ الفاظ بعینہٖ عبرانی زبان کی الف ب ت ہیں۔اگر یہ علوم مسلمانوں نے ایجاد کیے ہوتے تو عربی زبان کے حروف تہجی پر بنیاد رکھی جاتی جبکہ ایسا نہیں ہے۔وہ عبرانی حروف تہجی اور ان کی فرضی عددی قیمت درج ذیل ہے

عبرانی حروف

اسی عبرانی حروفِ تہجی پر مبنی اس جدول کا ہمارے ہاں بھی حد درجہ رواج پڑ گیا جو مشاہدے کے لیے درج ہے۔اس میں صرف عربی حروف تہجی کے چھ حروف کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

א	1	ا	י	10	ی	ק	100	ق
ב	2	ب	כ ך	20	ك	ר	200	ر
ג	3	ج	ל	30	ل	ש	300	ش
ד	4	د	מ ם	40	م	ת	400	ت
ה	5	ہ	נ ן	50	ن			
ו	6	و	ס	60	س			
ז	7	ز	ע	70	ع			
ח	8	ح	פ ף	80	ف			
ט	9	ط	צ ץ	90	ص			

ا	ب	ج	د	ھ	و	ز
1	2	3	4	5	6	7
ح	ط	ی		ك	ل	م	ن
8	9	10		20	30	40	50
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
60	70	80	90	100	200	300	400
ث	خ	ذ		ض	ظ	غ	
500	600	700		800	900	1000	

جیسے ہمارے ہاں بسم اللہ 786، محمد (ﷺ) 92 وغیرہ کی عددی قیمت نکال لی گئی ہے اور رواج پا گئی ہے۔ اسی طرح یہود کے ہاں پوری تورات کو اس عددی قیمت میں تبدیل کر لیا گیا تھا اور اس سے مختلف قسم کے علوم پروان چڑھے اس سے اُنہوں نے مستقبل کے حالات اور انسانی تخلیق، تاریخ اور نفسیات سے متعلق بہت سی تفصیلات بنالیں اور آنے والے حالات و واقعات کو ان عددی قیمتوں کے کوڈ میں تبدیل کر دیا۔ یہ دلچسپی اس قدر بڑھی کہ اصل تورات پس پردہ چلی گئی اور اس کا پڑھنا پڑھانا صرف خواص کا کام رہ گیا بلکہ اس کے نسخے صرف کسی فیصلے یا ضرورت کے وقت ہی نکالے جاتے تھے عام تلاوت و تذکیر کے لیے استعمال نہیں ہوتے تھے اور اب تو عرصہ ہوا کہیں ملتی ہی نہیں ہے۔

(یاد رہے کہ ہمارے ہاں بھی ایک قرآن مجید مطبوعہ عام ملتا ہے ''55 خوبیوں والا دو ترجمہ کے ساتھ'' جس میں ایک تفسیر اور ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس قرآن مجید کے نسخہ کے شروع میں اُردو میں تعارف اور ہدایات درج ہیں جن میں تمام سورتوں کے اعداد نکال کر اس کا ایک تعویذ بنا کر دیا گیا ہے کہ اس تعویذ کو پاس رکھیں تو اس سورت کے فوائد حاصل ہو جائیں گے۔ اعاذنا اللہ مـــــن ذالك۔ بلکہ حد یہ ہے کہ آخری تعویذ یہ ہے کہ پورے قرآن مجید کے اسی عددی قیمت کے انسانی تخلیق کردہ اُصولوں پر قیمت نکال لی گئی ہے اور اس کا ایک معمہ نما تعویذ درج ہے کہ اس تعویذ کو پاس رکھنے سے پورے قرآن مجید کی برکات اور فضائل حاصل ہوتے رہیں گے ''فیا اسفا''۔

پوری تورات کا اس طرح اپنے تخریج کردہ عددی قیمتوں پر مطالعہ اور اس پر غور و فکر سے یہ گروہ تورات سے دور اور شیطانی و ابلیسی پھندے میں آتا چلا گیا تا آنکہ انسانوں میں اس ابلیس کا سب سے بڑا ایجنٹ اور کارندہ بن گیا۔

قبالہ QABBALA، KABBALA، کے نام سے یہ علم یہود کے باطنی علوم کا منبع اور دراصل غائب کی جانے والی اصلی تورات جس میں حضرت محمد ﷺ کی بے شمار نشانیاں درج تھیں کے علوم کو معمہ بنا کر (CODIFY) اپنے پاس محفوظ کر لینے کی سازش تھی تا کہ اس آسمانی کتاب سے کوئی دوسری قوم کا فائدہ نہ اُٹھا سکے اور ہمارے معاملات کو اصل تورات سے ملا کر کراس چیک (CROSS CHECK) بھی نہ کر سکے۔ صہیونیت کا یہ علم ہمارے تصوف کے غیر اسلامی

پہلوؤں کی طرح باطنی علم کہلاتا ہے۔ ایمان اور یقین کی سلامتی کے ساتھ اس سے زیادہ تفاصیل حاصل کرنا شاید ممکن نہیں ہے۔

(د) بنی اسماعیل سے دشمنی اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی اسرائیلی گروہ کی بے راہ روی اور آزاد خیالی تو پہلے واضح ہو چکی ہے وہ اپنے خبث باطن اور منچلے پن کی وجہ سے شریعت پر عمل نہیں کرنا چاہتے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام ان کو روکتے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے قتلِ انبیاء کو اپنا وطیرہ بنالیا تاکہ کوئی حقیقی ناصح یا اُن کا پیروعام مخلص مسلمان ان کو نصیحت کرنے کی جرأت ہی نہ کرے پھر آسمانی ہدایت کے نشان توراۃ، زبور اور دیگر صحیفے بھی غائب کر دیے اور اس کو ''قبالہ'' کی شکل میں اپنے پاس محفوظ کر لیا تاکہ وہ اس کی پیش گوئیوں سے باخبر رہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس گروہ کے غیر انسانی سلوک کے بعد جب وہ منتشر ہوئے تو ان کا سب سے اہم ہدف بنی اسماعیل میں آنے والے سرتاجِ نبوت حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کا ظہور تھا۔

چھ صدیوں کے انتظار اور اپنی لادینی تعلیمات (سیکولر) کی بنیادیں یونانی فلسفہ کی شکل میں محفوظ کرنے کے بعد تورات اور انجیل کی پیش گوئیوں کی روشنی میں حضرت محمد ﷺ کے ظہور کا وقت سامنے آ پہنچا۔

قیصر روم کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد اس کی حکومت مشرق وسطی سمیت مصر، سوڈان، حبشہ، ایتھوپیا اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصہ یمن تک آ گئی تھی۔ اگرچہ یہ حکومتیں نیم خود مختار قسم کی حکومتیں تھیں اور ان کا تعلق عیسائیت کے مراکز سے برائے نام ہی تھا۔ (جیسے ہمارے ہاں مغلیہ حکومت خلافت عثمانیہ سے وابستہ تھی۔)

یمن میں پہلے یہود حکمران تھے (جو غالباً ملکہ سبا کے حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد سے وہاں غالب اور مؤثر چلے آ رہے تھے) بعد ازاں یمن میں عیسائیوں کا غلبہ ہو گیا اور عیسائی حکومت قائم ہو گئی تاہم اس میں بھی یہود کا عمل دخل قائم تھا بالکل ختم نہیں ہوا۔

اس عیسائی حکومت کے بادشاہ 'ابرہہ' نے ایک عبادت گاہ تعمیر کی اور اس کی خواہش تھی کہ لوگ مکہ والے 'کعبہ' کی زیارت اور طواف کے لیے زیادہ جاتے ہیں اس کی تعمیر کردہ عبادت گاہ کی طرف آئیں۔ اس کی تعمیر کردہ عبادت گاہ بہر حال زیادہ خوب صورت اور فن تعمیر کا نمونہ تھی جبکہ

کعبۃ اللہ صرف ایک سادہ پتھر کا تعمیر کردہ ایک کمرہ ہے۔عرب کے عوام اس مسیحی عبادت گاہ کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تو کسی نے اُسے مشورہ دیا کہ تم کعبہ پر حملہ کر کے اُسے ڈھا دو پھر لوگ خواہی نخواہی اس کی تعمیر کردہ عبادت گاہ کی طرف ہی آئیں گے۔

ابرہہ کو سبق دینے والے لوگ صہیونی گروہ کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔اسی گروہ کو معلوم تھا کہ اس کعبہ کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ تشریف لانے والے ہیں۔اس فخر بنی آدم ہستی ﷺ کی ولادت باسعادت کا وقت اسرائیلوں کے اندازے میں قریب آچکا تھا اس بدنصیب اور بدقسمت بادشاہ ابرہہ نے افریقہ سے ہاتھی منگوائے اور مکہ میں بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لیے (نعوذ باللہ) حملہ آور ہوگیا۔

(ز) یہودی مشورہ سے ابرہہ کا حملہ ـــــ ایک خوفناک شیطانی منصوبہ ابرہہ کو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسانا اس ابلیسی گروہ کا ایک ایسا شیطانی اور ناپاک منصوبہ تھا جس کی ہولناکی اور حق دشمنی کا اندازہ اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔ابرہہ کا یہ منصوبہ ناکام رہا۔اس کی فوج ہاتھیوں سمیت عذابِ الٰہی کا نوالہ بن گئی۔سورۂ فیل میں اس واقع کی طرف اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے شہر مکہ کو اس لالچی اور منحوس بادشاہ کی دست برد سے بچالیا۔عام نگاہیں صرف یہیں تک جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حرمت پامال نہیں ہونے دی اس حملہ آور بادشاہ کی فوج پر ابابیلوں کا عذاب آ گیا اور وہ خائب وخاسر ہوکر رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس سازش کو بھی خاک میں ملا دیا۔

تاہم اس سارے واقعے میں یہود کے کردار کو بھی بے نقاب ہونا چاہئے جو نہیں ہوتا۔

یہ بات سب مؤرخین کے نزدیک طے ہے کہ یہ واقعہ تاریخ عرب میں بہت اہم تھا کہ بیت اللہ پر ایک بادشاہ حملہ آور ہوگیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس حملہ کو عبرت کا نشان بنا دیا۔لہٰذا یہ سال تاریخ عرب میں عام الفیل کہلاتا ہے اور مدتوں اہل عرب کو یہ واقعہ یاد رہا۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ اسی عام الفیل میں کعبہ پر اس حملہ کے واقعے کے چند ہفتے بعد ہمارے آقا فخر موجودات حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہے۔گویا ـــــ آپؐ کی ولادت سے چند ہفتے پہلے اگر مکہ پر حملہ ہوجاتا اور دشمن فوجیں اس میں داخل ہوجاتیں تو گھر تباہ ہوتے، فاتح قوم کے فوجی گھر گھر داخل ہوتے، لوٹ مار کرتے، عزتیں پامال کرتے، عورتوں بچوں کو قتل کرتے۔

لہٰذا ـــــ اللہ تعالیٰ نے حملہ آور کو روک کر کعبۃ اللہ کی حرمت کا پاس رکھا مگر دراصل حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کو پرامن طریقے پر وقوع پذیر ہونے کے حالات کو دگرگوں نہیں ہونے دیا۔ شہر مکہ کا یہ حفاظتی اقدام دراصل حضرت محمد ﷺ کی حفاظت کی خاطر تھا۔

قائین کرام نوٹ فرمالیں ـــــ یہود کی شرارت، اس حملہ کا ٹائم فریم اور بظاہر احوال کثیر لشکر اور ہاتھیوں کی فراہمی گویا انتظامات کی حد تک اس ابلیسی گروہ نے قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا مگر ـــــ

وَ اللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمۡرِہٖ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ O (21:12)

اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''

حضرت محمد ﷺ کی ولادت 571ء کی ہے۔ آپ مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہوئے اور یوں طویل زمانہ قبل (تقریباً 2500 سال) کی وہ دعا کا مظہر کا سامنے آ گیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیرِ کعبہ کے وقت مانگی تھی اور جس کی خوشخبری تورات اور انجیل میں بھی تھی جہاں 'احمد' یا 'فارقلیط' آپ کا نام ہے۔ (6:61 اور 127:02)

آپ ﷺ کی حیاتِ اقدس کے ابتدائی مراحل چالیس سال اسی شہر مکہ میں بسر ہوئے اگرچہ آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق مدینہ طیبہ سے تھا تاہم آپ نے مکہ میں ہی زیادہ وقت گزارا۔ تجارتی اسفار کے لیے آپ نے مشرق میں بحرین تک اور شمال میں شام کے تجارتی شہروں تک کے سفر کیے اور اللہ نے اس صہیونی گروہ کی شرارتوں اور سازشوں سے آپ کو محفوظ رکھا تا آنکہ جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو غارِ حرا میں آپ پر وحی نازل ہوئی تو دنیا کو معلوم ہوا کہ ـــــ بظاہر بے سروسامانی میں پلنے والا یہ دُرِّ یتیم اور مکے کا یہ ایماندار تاجر، الصادق اور الامین کا مصداق کامل، بنی اسماعیل کے گھرانے کی آبرو، کعبے کی حرمت کا پاسبان، قریش کے اہم گھرانے خاندان عبدالمطلب کا یہ پیکر عفت جوان ـــــ کتنا عظیم انسان ہے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

صہیونیت ہجرتِ مدینہ سے قبل

انتہائی افسوس کی بات ہے کہ خدا بیزاری، قتل انبیاء اور اخلاقِ عالیہ سے تہی دامانی کا بدنما داغ تاریخ میں ان لوگوں کے ماتھے پر لگا جو آج کی صہیونیت کے بانی (FOUNDERS)

اور آج کی قوم یہود کے آباء واجداد تھے۔ مزید افسوس اس بات پر ہے کہ اکیسویں صدی کے یہودی اپنی تاریخ کے ان انسان دشمن، دین دشمن اور بدکرداری کے نظریات کے حامل آباء و اجداد سے اظہارِ لاتعلقی کرنے کو تیار نہیں بلکہ عالمی تاریخ کے بہاؤ کو اپنے ہی خاص برخود غلط رخ پر لے جانے پر مصر ہیں۔

بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کے جرائم میں سے قتلِ انبیاء کا جرم ایسا گھناؤنا جرم ہے کہ صرف یہی جرم اس گروہ کے انسان دشمن رویّوں پر حرفِ آخر کے حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم 1000 ق م سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک اور ان کے بعد کی بھی چھ صدیاں ـــــ تاریخ انسانی کا ایسا دور ہے کہ اس کی تفصیلات آج میسر نہیں ہیں۔ اس وجہ سے کہ تاریخ انسانی کے خاص اس مرحلہ پر بنی اسرائیل ہی کا یہ گروہ مؤثر تھا اس نے اپنے جرائم کے ثبوت تاریخ میں مٹا دیے، پھر آسمانی ہدایت اور آسمانی صحیفے ان کے جرائم سے پردہ اُٹھا سکتے تھے وہ سارے صحیفے اس ابلیسی گروہ نے غائب کر دیے۔ تورات، زبور، انجیل کے علاوہ صُحُفِ انبیاء کا آج سراغ بھی نہیں ملتا۔ نہ صرف یہ بلکہ ـــــ اس گروہ نے ان کتابوں کے ہم نام کتابیں اور صحیفے خود تصنیف کر کے پھیلا دیے ہیں اور انسانیت کو یہ باور کراتے انہیں شرم نہیں آتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں کے نام پر ان کتابوں اور صحیفوں میں جو آج عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کے نام سے ملتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کا ایسا گھناؤنا کردار پیش کیا گیا ہے کہ الامان.....الحفیظ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اس گروہ کے اس ابلیسی اور انسان دشمن کردار پر یوں تبصرہ کیا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ O (79:02)

''تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں۔ ان پر افسوس ہے اس لیے کہ (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لیے کہ ایسے کام کرتے ہیں''۔

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ O کَانُوۡا لَا یَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡهُ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ O تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ O (80-78:05)

''جولوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد (علیہ السلام) اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کیے جاتے تھے (اور) برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے برا ہے (وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (مبتلا) رہیں گے۔''

ان حالات اور اس پس منظر میں اس ابلیسی گروہ کی قتل انبیاء کی روش پر کما حقہٗ روشنی نہیں ڈالی جاسکتی کہ تفصیلات ناپید ہیں۔ بنی اسرائیل کے اس خاص کردار کو سمجھنے کے لیے اس بات کی اہمیت مزید اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر اس گروہ نے کیا رویہ اختیار کیا ہے اور دنیا کی واحد کتاب (جو آسمانی بھی ہے اور آخری ہدایت بھی) قرآن مجید نے کیا تبصرے کیے ہیں۔ لہٰذا ـــــ اس مقام پر حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے وفات تک (610ء سے 632ء تک) کے عرصے میں یہود کے کردار کو قرآن مجید کی آیات اور تبصروں کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ اس گھناؤنے کردار کے شیطانی گروہ کے خدوخال واضح ہوسکیں۔

سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل صہیونی کردار کی کارستانیاں

آج جزیرہ نمائے عرب جغرافیائی لحاظ سے کئی ملکوں پر مشتمل ہے۔ جنوبی حصے میں یمن (شمالی اور جنوبی) عمان، بحرین، مسقط وغیرہ کے علاقے ہیں۔ حجاز کا علاقہ پہاڑی اور صحرائی ہے۔ بحیرۂ قلزم کے ساتھ مغربی علاقہ خشک پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ مدینۃ النبیؐ کے جنوبی اور مغربی علاقے بھی پہاڑی ہیں۔ مدینۃ النبیؐ کے پاس زرعی رقبے تھے۔ یہود کے تین قبیلے بنوقینقاع،

بنونضیر اور بنوقریظہ کئی صدیوں سے یہاں آباد تھے۔ خلیج فارس کا ساحلی علاقہ آج تو متحدہ امارات کی ریاستوں پر مشتمل ہے۔ تاہم زمانہ قدیم سے یہاں آبادی چلی آ رہی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں عراق سے ملحقہ علاقے ہیں جہاں آج کل کویت کی ریاست ہے اسی کے قریب شہر ریاض ہے جہاں بہت سے قدیم عرب قبائل آباد تھے اور آج بھی ہیں۔ پھر یہ علاقہ اردن سے ملتا ہے جہاں کبھی پیٹرا (PETRA) تہذیب تھی جس کا مرکز مدائن صالح تھے اس شہر کے کھنڈرات مدینۃ النبیؐ سے 150 کلومیٹر کے قریب شمال کی طرف ہیں۔ یہیں سے شمال کو راستہ جاتا ہے، سفر تبوک میں رسول اللہ ﷺ اسی راستے سے گزرے تھے اور عرب تاجر بھی اس شاہراہ سے سفر کرتے تھے۔ وسط عرب میں قدیم زمانہ سے 'ربع الخالی' کے نام سے علاقہ ہے جو صحرا ہے اور بے آباد ہے۔

حضرت محمد ﷺ کے زمانہ مبارک میں یمن میں یہودی حکومت کی باقیات تھیں اور مصر، سوڈان، حبشہ، ایتھوپیا وغیرہ کی عیسائی حکومت کے زیر اثر عیسائی حکومت تھی جو بڑی مستحکم تھی۔ نجران کا علاقہ اسی میں تھا جہاں سے ایک وفد (ہجرت کے بعد) نبی اکرم ﷺ سے ملنے حاضر ہوا تھا۔ عرب میں مکہ مکرمہ کے قریب طائف ایک خوشگوار پہاڑی مقام تھا دوسرا خوشگوار مقام شمال میں دومۃ الجندل تھا مدینہ کے قریب خیبر میں زرعی رقبے تھے اور موسم بھی زراعت کے لیے مناسب۔

عرب کے اس پس منظر میں مکہ کے تمام عرب قبائل بشمول قریش کے اہل کتاب سے رابطے رکھتے تھے۔ یثرب کے یہودی قبائل سے مکے کے سردار اور تاجر ضرورت کے وقت سودی قرضے حاصل کرتے تھے۔ مکے کے تاجر اور قریش کے اکابر یمن میں عدن کی بندرگاہ تک آتے جاتے تھے اور شمال کی طرف ملک شام میں فلسطین، یروشلم، دمشق تک سفر کرتے تھے جبکہ مشرق میں بحرین تک تجارتی میلوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ سے سردارانِ قریش کے ان رابطوں کی وجہ سے اہل عرب یہود و نصاریٰ کے مذہب اور ان کے اختلافات بھی جانتے تھے۔ عام الفیل میں عیسائی دہشت گرد بادشاہ ابرہہ کے مکۃ المکرّمہ پر حملے کی وجہ سے عیسائیوں سے روابط پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مزید برآں بحیرۂ قلزم کے اس پار (یہاں سمندر صرف 100-120 کلومیٹر چوڑا ہے) حبشہ میں عیسائی حکومت اور بادشاہ نجاشی کے روابط بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مکہ کے بعض اہم لوگ عیسائی مذہب اختیار کر کے عیسائی بھی ہو گئے تھے جیسے ورقہ بن نوفل وغیرہ۔

حضرت محمد ﷺ کی بعثت کا مکی دورِ مسعود

01۔ 610ء میں حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوئی تو آپ اپنے کاروبار سے وقت نکال کر غارِ حرا چلے جاتے تھے۔ آپ کا دل آہستہ آہستہ کاروبار سے اُچاٹ ہوتا چلا گیا اور غارِ حرا میں تخلیہ و تنہائی میں غور و فکر کا معاملہ اہمیت اختیار کر گیا۔ یہیں غارِ حرا میں آپ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لائے اور یوں آپ کی نبوت کا اظہار ہو گیا۔

02۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی 'وحی' اور ہدایات کو دوسروں تک پہنچایا اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہوئے۔

03۔ قرآن مجید کی ابتدائی نازل ہونے والی سورتوں میں سورۃ الفاتحہ بہت اہم ہے۔ اسی میں بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا راستہ غلط ہے۔ ایک مغضوب ہے یعنی یہود تو دوسرا 'ضال' ہے یعنی نصرانی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ O صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ O (7-6:01)

''(اے پروردگار!) ہم کو سیدھے رستہ پر چلا، ان لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا ہے، نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور گمراہوں کے۔''

04۔ مکی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے چھ دفعہ قصہ آدم علیہ السلام و ابلیس بیان فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور مسجودِ ملائک بن جانے سے انسانی عظمت اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا اعلیٰ و ارفع مقام چھٹ کر سامنے آ گیا، ابلیس سے یہ بات برداشت نہیں ہو سکی اس نے انسان (آدم علیہ السلام) کو سجدہ نہ کر کے عظمت انسانی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور بارگاہ خداوندی سے دھتکارے جانے کے باوجود اپنی ضد اور جھوٹی انا پر اڑا رہا یہاں تک کہ قیامت تک کے انسانوں کی گمراہی کا بیڑا اُٹھا لیا۔ مگر ــــــ اعتراف گناہ کر کے توبہ نہیں کی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح اسے بھی معافی کا پروانہ مل سکتا تھا۔ مفسرین قرآن نے اکثر اس واقعہ میں پنہاں اخلاقی سبق کو حضرت محمد ﷺ اور یہود کے کردار پر محمول کیا ہے کہ یہود حضرت محمد ﷺ کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان کی عظمت کا اعتراف نہیں کر رہے تھے پہلے بھی بنی اسرائیل سے غلطیاں ہوئی تھیں تاہم

نبی آخرالزمان ﷺ کی تشریف آوری سے جو موقع انہیں ملا، انہیں اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اور شیطان لعین کا کردار نہیں اپنانا چاہیے کہ کہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دھتکارے جائیں۔

05۔ مکی دور میں یہود نے حضرت محمد ﷺ سے امتحانی انداز میں بہت سے سوال کیے۔ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے خود آ کر یہ سوال سامنے نہیں رکھے بلکہ آج کی اصطلاح میں PROXY QUESTIONS کیے۔ سردارانِ قریش کو سمجھا کر بھیجا گیا اور انہوں نے سوال کیے۔ مقصود یہ تھا کہ اگر ان سوالوں کا صحیح جواب آ گیا تو سمجھیں گے کہ آپ اللہ کے نبی (علیہ السلام) ہیں اور اگر ان کی اپنی تاریخ کے مطابق جواب صحیح نہ ہوئے تو یہ نتیجہ اخذ کر لیں گے آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں نازل ہوتی بلکہ خود تجربہ اور سوچ کے مطابق (معاذ اللہ) جواب دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا وطن فلسطین تھا حضرت اسحاق علیہ السلام کو ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہیں آباد کیا تھا یہیں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ مگر قرآن مجید کہتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں فرعون کے غلام تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپؑ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرا کے واپس فلسطین کے لیے نکلے۔ سوال یہ کیا گیا کہ بنی اسرائیل فلسطین سے مصر کب، کیوں اور کیسے منتقل ہوئے۔ یہ سوال خالصتاً تاریخ بنی اسرائیل کا ہے، مکہ کے قریش کا اس سے واسطہ نہیں تھا تاہم یہ سوال ہوا اس کا جواب بذریعہ وحی آ گیا..... پوری سورۂ یوسف اُتری اور سو فیصد صحت کے ساتھ واقعات سامنے آ گئے۔ اب وہ خاموش تھے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ پر وحی آتی ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کے لیے دُعا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مانگی تھی اور جن کی بشارت دی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

دوسرا سوال ''روح'' سے متعلق تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا دوٹوک جواب دے دیا گیا۔ تیسرا سوال ''ذوالقرنین'' سے متعلق تھا کہ وہ کون تھا اس کی وضاحت بھی سورۂ کہف میں نازل ہوئی۔ بنی اسرائیل کے اس گروہ کے لوگوں کے لیے پیغام (MESSAGE) یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں لہٰذا انہیں آپ پر ایمان لے آنا چاہیے مگر افسوس صد افسوس کہ یہود

ٹس سے مس نہ ہوئے۔

06 قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا بھی تذکرہ آ گیا۔ ان کی تاریخ کے دو ایسے ادوار کا ذکر ہے جس میں انہیں عروج ملا اور دو ہی دفعہ زوال سے دوچار ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت اور بادشاہت کا دور ـــــ جو ایک صدی پر محیط تھا اور انسانی تاریخ میں ایک ممتاز دور تھا۔ دوسرا دور نمرود بادشاہ کی غلامی سے نجات کے بعد بیت المقدس کی دوبارہ آبادکاری سے شروع ہوا اور بالآخر ایک شاندار سلطنت وجود میں آ گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہیکل (بیت المقدس) تعمیر کیا تھا اور جسے نمرود بادشاہ بخت نصر نے 567 ق م میں حملہ کر کے گرا دیا تھا دوبارہ تعمیر کر لیا گیا۔ پہلے عروج کی طرح اس دوسرے عروج میں بھی بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو گئے اور دوبارہ زوال کا شکار ہوئے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں ان حقائق کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنَاہُ ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا O ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شکورًا O وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَاءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ وَ لَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا O فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰھُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَکَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا O ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡھِمۡ وَ اَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ جَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا O اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ وَ اِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَھَا فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡھَکُمۡ وَ لِیَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ لِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا O (02-07:17)

''اور دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب، اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے، کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز، تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو سوار کرایا ہم نے نوح کے ساتھ، بے شک وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دوبار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی۔

پھر جب آیا پہلا وعدہ، بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لیے۔ پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا، بھیجے اور بندے کہ اداس کر دیں تمہارے چہرے اور گھس جائیں بیت المقدس میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی''۔

پھر بنی اسرائیل قوم یہود کو راہِ راست پر آنے اور سابقہ روش کو ترک کر دینے کی دعوت ہے:

عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا وَ جَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا O (08:17)

''امید ہے کہ تمھارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے''

پھر الکتاب اور الہدیٰ قرآن مجید پر ایمان لانے اور حضرت محمد ﷺ سے وفاداری کی دعوت ہے۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا O وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا O (17:9-10)

''یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مؤمنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کیلیے اجر عظیم ہے اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

07۔ حضرت محمد ﷺ بنی اسرائیل کو دعوت حق دے رہے تھے مگر ان کی اکثریت صہیونی عزائم کی حامل تھی اور ان کے منصوبے حضرت محمد ﷺ کو ایذا رسانی اور ناکام کرنے کے تھے۔ یہود متمدن دنیا کے تمام اہم مراکز میں موجود تھے اور خدا بیزاری و دین دشمنی (سیکولرازم) کے نظریات کے حامل بن چکے تھے وہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے نہیں تھے بلکہ بظاہر آپ کی تعلیمات میں دلچسپی اور سوالات کی آڑ میں کسی بڑی کارروائی کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو

بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کے سبب دنیا کی ابتر حالت کا علم تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ O (41:30)

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تا کہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں''

قرآن نے انہیں سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی قوموں کے انجام سے ڈرایا اور دین قیم .....اسلام کے دامن میں پناہ لینے کی دعوت دی تھی:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ O (43:30)

''دین (کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے چلو اس روز سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آ کر رہے گا اور رک نہیں سکے، اس روز (سب) منتشر ہو جائیں گے''۔

اور رسالت محمدی کے ممکنہ انکار کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ کا تذکرہ ساتھ ہی کر دیا تھا جس کا یہود خود بھی دو مرتبہ مزہ چکھ چکے تھے:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ O (47:30)

''اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے وہ ان کے پاس نشانیاں لے کر آئے، سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے ان سے بدلہ لے کر چھوڑا اور مؤمنوں کی مدد ہم پر لازم تھی''

08۔ مکی دور کے آخری تین سالوں میں مشیت ایزدی (DIVINE INTERVENTION) سامنے آئی، حالات نے کروٹ لی۔ مکہ میں یثرب سے آئے ہوئے حجاج میں سے چھ افراد نے یہود کی زبانی حضرت محمد ﷺ نبی آخر الزمان کے شاندار تذکروں کے پس منظر میں پہلی ہی دعوت پر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اگلے سال 12 نبویؐ میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو کچھ اور افراد نے اسلام قبول کر لیا پھر اُنہوں نے یثرب میں ایک معلّم قرآن کے لیے درخواست کی تو دو خوش نصیب افراد

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام سامنے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یثرب روانہ فرمایا۔ 13 نبویؐ کے حج میں ایک سال بعد 75 افراد نے آ کر اسلام قبول کرلیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ قدم رنجہ فرمانے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی اور اللہ تعالیٰ کا حکم پا کر خود بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور سے ہوتے ہوئے یثرب ہجرت فرمائی۔ یثرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر 'مدینۃ النبی' بن گیا۔

09۔ ہجرت سے تھوڑا عرصہ قبل کی سورتوں میں سے سورۃ الاعراف بھی ہے اس سورۃ میں قصہ آدم علیہ السلام وابلیس لعین بیان ہوا ہے اور بڑی تفصیل سے حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت اور بزرگی کا تذکرہ ہے پھر انسان کے اندر روحِ انسانی کے نوری وجود کو نمایاں کرنے کے لیے حیوانوں کے برعکس ستر پوشی اور لباس کا تذکرہ ہے۔ یوں تو ہر انسان کے اندر ایک حیوان موجود ہے اور انسان کے تمام جسمانی تقاضے حیوانوں سے مشابہ ہیں مگر قرآن مجید کے نزدیک (اور تمام آسمانی تعلیمات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے نزدیک) انسان فقط حیوان نہیں ہے اور نہ حیوان کے برابر ہے' بلکہ بہت سارے پہلوؤں سے انسان حیوان سے ممتاز اور ممیّز ہے۔ انسان میں خالق کی معرفت عقل، اخلاقی حسّ، ضمیر اور لباس' انسان کو حیوان سے ممیّز کرنے کے لیے کافی ہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشتہ و از حیوان

انسان روح کی وجہ سے فرشتوں جیسا یا ان سے بھی افضل ہے اور دوسری طرف روح اور روحانی تقاضے بھلا بیٹھے تو حیوان محض یا حیوانوں سے بدتر ہو جاتا ہے۔

ابلیس کا سورۂ اعراف میں تذکرہ ہے تو وہیں اسی کی زبانی یہ تذکرہ بھی کہ شیطان انسان کو بے لباس کرنا چاہتا ہے اور اسی بے لباسی سے ہی انسان پہلے قدم پر ہی حیوان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ بے حیائی، اخلاقی حسّ سے تہی دامنی، خدا فراموشی اور خدا بیزاری سارے عوارض اسی شر سے جنم لیتے ہیں۔ یہی سیکولرازم اور روشن خیالی کی شاہراہ ہے، (ابلیس) شیطان یہیں مورچہ لگاتا ہے اور ڈیرہ ڈالتا ہے اور انسان کو انسانیت سے گرا کر حیوانیت یا اس سے بھی بدتر سطح اسفل السافلین

تک گرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ چیلنج دیا تھا کہ

فَبِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ O ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O (7:17-18)

''مجھے تو تُو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے رستے پر (ان کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض چہار طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تُو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔'' (اوپر سے شیطان حملہ نہیں کر سکتا کہ آسمانی ہدایت کی راہ ہے۔)

10۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں جو مقام ابلیس کو ملا وہی کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حسد کی بنیاد پر یہود نے کر دکھایا اور ابلیس کی طرح دھتکارے گئے اور آج بھی انسانیت اور نسل انسانی کے حوالے سے یہی ابلیس کی ذُرّیت صلبی و معنوی انسان کو ترقی، آرٹ فن، کھیل کود، تفریح (ENTERTAINMENT) کے نام سے بے لباس کرنے پر تلی ہوئی ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے۔ چنانچہ آج کا میڈیا، کیبل نیٹ ورک، کمپیوٹر وغیرہ پر مغرب کی ترقی پسندی کے حوالے سے بے حیائی کا سیلاب ہے جو دنیا بھر کے انسانوں کو بالعموم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بالخصوص اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور یہ عالم اسباب میں صرف یہود یعنی صہیونیت کی کارستانی ہے۔

آج کے اس الیکٹرانک میڈیا پر کمپیوٹر اور کیبل کے ذریعے بے حیائی کے فروغ کا سارا کاروبار (فلمی دنیا سمیت) یہود کے کنٹرول اور قبضے میں ہے گویا ابلیس نے جو چیلنج آدم علیہ السلام کو دیا تھا اولادِ آدم اور نسل انسانی آج اس چیلنج سے نبرد آزما ہے اور اس کی زد میں ہے اور شیطان کے نمائندہ کے طور پر آج یہود اور صہیونیت کے کرتا دھرتا دنیا میں موجود ہیں اور ابلیس کے فرنٹ مین اور آلہ کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صہیونیت کا کردار شیطانی اور ابلیسی ہے اور اس کا مزاج اسی قدیم بے لباسی کے چیلنج کا آئینہ دار ہے۔ یہ بات مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ الاعراف میں سامنے رکھ دی تھی وہیں پر اہل ایمان کے لیے ابلیسی حربوں سے بطور

ڈھال، کیا چیز ہوسکتی ہے اس کا بھی تذکرہ ہے فرمایا:

وَ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ (26:07)

''اور جو پرہیزگاری کا لباس ہے وہ سب سے بہتر ہے''۔

چنانچہ اس ضمن میں قرآن مجید نے ابلیسی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے بچاؤ اور حیوانیت سے ممیّز رکھنے کے لیے رشتوں کی تمیز اور محرماتِ ابدی کا اعلان کیا ہے اور مزید یہ کہ مرد اور عورت کے لیے ستر اور پردہ کے احکام اتارے گئے ہیں تاکہ انسان اپنے انسانی شرف کو ابلیس اور اس کی ذرّیت معنوی و صلبی کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکے۔

11۔ یثرب میں آباد یہود کے تین قبائل کی غالب اکثریت اسی صہیونی ذہنیت کی حامل تھی اور وہ حضرت محمد ﷺ پر کیے گئے سوالات کے درست جوابات پا کر بھی ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اگر وہ مخلص ہوتے تو......سورۂ یوسف اور سورۂ کہف کے نازل ہونے پر تو ضرور مکّے جا کر ایمان لے آتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا بلکہ ان کا کردار انبیاء کرام علیہم السلام دشمنی کی سابقہ روش کی وجہ سے حضرت محمد ﷺ کی بھی دشمنی کی روش کی چغلی کھا رہا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کے سفر کے اختتام پر قبا پہنچے تو اس دن کافی دیر ہوگئی تھی اور مدینے کے مسلمان کئی دنوں کے معمول کے مطابق انتظار کر کے واپس چلے گئے تھے (کہ جن مسافروں کو آنا ہوتا ہے وہ اس وقت تک اپنی منزل تک پہنچ جاتے ہیں) کہ ایک یہودی اپنے باغ میں کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا کہ اُسے کچھ سوار آتے نظر آئے تو اس نے مسلمانوں کو بتایا کہ تمہارے پیغمبر (ﷺ) آ گئے ہیں۔ ان اطلاعاتی الفاظ میں روکھا پن یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ پہچاننے کے باوجود بطور ایک پیغمبر کا کوئی ادب و احترام کرنے سے گریزاں تھے اور یہ ان کا ایک طے شدہ پالیسی معاملہ (ISSUE) تھا۔ ان کا یہ رویہ ہجرت کے بعد کے ماہ و سال میں اور زیادہ واضح بھی ہوتا چلا گیا اور پختہ بھی۔ سچ ہے کہ

COMING EVENTS CAST THEIR SHADOWS BEFORE

یہود کا رویہ اسی کے مصداق ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے موقع پر اور اس سے قبل مکی دور میں بھی بنی اسرائیل کا حضرت محمد ﷺ کے بارے میں رویہ، آنے والے عرصہ کے دوران رویہ کا عکسِ کامل تھا اور سوچا سمجھا بھی ـــــ یہ کسی ابہام یا لاعلمی کی بنیاد پر نہیں تھا۔ ـــــــــــــــ

باب4

حصّہ دوم

معرکہ حق و باطل

اور بنی اسرائیل کے پروردہ قیصر وکسریٰ

- بنی اسرائیل کا ایک بڑا طبقہ نامعلوم وجوہات کی بنیاد پر آسمانی ہدایت سے رُخ موڑ کر آسمانی ہدایت کے نام لیوا اور بنی اسرائیلی ہونے پر فخر کرتے ہوئے بھی عملی طور پر سیکولر، بے دین، خدا بیزار، وحی دشمن اور قتل انبیاء جیسے گھناؤنے فعل کا عادی مجرم بن چکا تھا۔ تاریخ انسانی کا یہ المیہ کئی سوالات کو جنم کر دیتا ہے جن کو ہم یہاں نہیں کسی دوسرے باب میں سامنے رکھیں گے۔

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب کے مختص ہو جانے کے جو مثبت نتائج برآمد ہونے چاہئیں تھے وہ ابلیس نے بنی اسرائیل کے اس طبقہ کو استعمال کر کے خون کر دیے اور قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم اور آسمانی ہدایت کا راستہ روکنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ:

بنی اسرائیل کے علاوہ باقی دنیا ہند، چین، امریکہ، افریقہ، یورپ وغیرہ کی غیر اسرائیلی کلچر اور تہذیبیں آسمانی ہدایت سے محرومی کی بنا پر بگنٹٹ ابلیسی مزاج، بے حیائی، بت پرستی، سیکولر ازم اور آزاد خیالی (لبرل ازم) کی طرف لڑھکنے لگیں۔ ستم یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو توقعات کے مطابق آسمانی ہدایت کا علمبردار اور معلم ہونا چاہیے تھا وہ خود اس ہدایت کے دشمن بن کر قتلِ انبیاء جیسے جرم کے عادی بن گئے۔ 600 ق م سے 610ء تک کی بارہ صدیاں اس نقطۂ نظر سے تاریخ انسانی کی اصلی DARK-AGES یا دورِ جاہلیت ہیں کہ آسمانی ہدایت روئے ارضی پر کہیں بھی قابل ذکر انداز اور مقدار میں مؤثر طور پر موجود نہیں تھی۔ (بنی اسرائیل کا اقلّ قلیل خدا شناس اور مخلص عنصر بنی اسرائیل کے شریر عناصر سے خود منہ چھپائے جان کی امان پانے کی فکر میں تھا)۔

- اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے یعنی 500ء کے بعد

دنیا کی کیا حالت تھی اور خداشناسی وروحانی اور انسانی واخلاقی اقدار کا کیا عالم تھا۔ بنی اسرائیل نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا وہ فتنے کی صورت میں جوان ہو کر اب حق کا مقابلہ کرنے اور اہل حق کی آزمائش بننے جا رہا تھا۔ دنیا میں مشرق وسطیٰ کا علاقہ ہی 'وسطی' بھی مانا جاتا ہے اور مشرق ومغرب کا مقامِ اتصال بھی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ دنیا میں خداشناسی وخدابیزاری کے نظریات کا میدانِ کارزار بھی یہی علاقہ رہا ہے۔

● تاریخ انسانی کی دو عظیم سلطنتیں ایران کے کسریٰ اور روم وشام کے قیصر اس معرکہ میں ابلیسی قوتوں کے نشان (SYMBOL) تھے۔ جیسے ابلیس کی مجلس شوریٰ والی نظم میں ابلیس کی زبانی یہ الفاظ آئے ہیں:

ہم نے خود پہنایا ہے شاہی کو جمہوری لباس
جب سے ذرا آدم ہوا ہے خود شناس وخودنگر

اسی کے مصداق، بنی اسرائیل نے خود اپنے مقدس ہاتھوں سے بغل میں تورات، زبور، انجیل رکھتے ہوئے، مُنہ میں اللہ کا نام اور پیغمبروں کی اولاد ہونے کا فخریہ انداز، دین ابراہیمی کے پیروہونے کا علم اٹھائے ان خدابیزار، دین دشمن، اخلاق دشمن اور روحی دشمن کلچر اور تہذیبوں کو تراشا تھا۔ (اس وقت باقی دنیا کے حکمرانوں اور حکومتوں میں انسانیت کس حال میں تھی اس کا حال ایک الگ باب 'معاصر اہل قلم کیا کہتے ہیں' میں شامل اشاعت ہے۔)

● اس معرکہ حق وباطل جو 610ء سے 623ء تک مکہ کی سرزمین پر جاری رہا اور ستمبر 623ء تا جون 632ء مدینہ منورہ کے آس پاس جاری رہا، میں بالآخر حق غالب ہو گیا اور باطل دب گیا اور BACK FOOT پر چلا گیا۔

حق وباطل کی یہ کشاکش حضرت محمد ﷺ کے تربیت یافتہ صف اوّل کے نابغۂ روزگار شخصیات کے دور میں بھی جاری رہی ہے جسے ہم خلافت راشدہ کے نام سے پہچانتے ہیں۔ اسی معرکہ حق وباطل کا تتمہ امت مسلمہ کے غیر عرب (آخَرِیْنَ مِنْھُمْ) حصے کے ہاتھوں قربِ قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری (نزول عیسیٰ علیہ السلام) پر قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور حرمین شریفین کے علاقوں میں جاری رہ کر حق کی فتح اور باطل کا بھیجا نکل جانے 'یَدُمَغُہٗ' پر تکمیل پذیر ہوگا

اور یوں خالق کائنات کا آسمانی ہدایت کے نورانی مشن کا آخری مرحلہ (تخلیق آدم سے لے کر حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا عالمی غلبہ) بھی اُمت مسلمہ کے ہاتھوں اور اسی روئے زمین پر بنی اسرائیل کے اپنے علاقے فلسطین میں ہی (ان کی اپنی PITCH پر) اختتام کو پہنچے گا۔

- اس معرکہ کے پہلے حصے میں حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری پر بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے انسانی گروہ (جسے آج دنیا صہیونیت کے نام سے جانتی ہے) کی کارکردگی کیا رہی وہ سیرت النبی ﷺ کے اوراق اور تاریخ عالم کے جریدہ پر رقم ہے، جسے نابینا اور ان پڑھ بھی دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔
- حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور قرآن مجید جیسی نادر کتاب لائے

؎ اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

؎ در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

اس قرآن مجید کی تعلیمات ہی تھیں جن کے ذریعے عرب کے غیر متمدن لوگ دنیا کو تہذیب، علم اور اخلاق سکھانے والے بن گئے اور حکومت و ریاست کے تصور سے ناآشنا، دنیا کو انسان دوست، خداشناس، اخلاق دوست، علم دوست رویوں کی تعلیم دے کر مثالی اجتماعیت یعنی درویش حکمرانوں کا تصور عطا فرما گئے۔

صہیونیت نے حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کے ضمن میں 571ء سے 632ء تک کیا گل کھلائے ہیں وہ ہماری مطبوعہ کتاب ''صہیونیت (ZIONISM)، قرآن مجید کی آئینے میں'' نامی کتاب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

باب4

حصّہ سوم

بنی اسرائیل کی ممدوح (FAVOURITE) حکومتیں

___یونانی دور اور رومی دور

● **ارسطو اور اسکندر کا یونان:** ابلیسیت آج بھی ارسطو اور یونانی فلاسفہ کو انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑا درجہ دیتی ہے اور یونانی تہذیب کو ایک مثالی تہذیب سمجھتی ہے۔ تاہم اس کے اخلاق و کردار کے بدنما داغ اس تہذیب کے چہرے پر ثبت ہیں جن کو چھپانے کی وہ ناکام کوشش کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ انسانی شخصیت ایک وحدت ہے اور مجموعی طور پر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کردار اور نظریات کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ کردار کی خامی انفرادی اور اجتماعی سطح پر نظریات اور فکر کی خامی ہی قرار پاتی ہیں۔ اس کا مختصر حال محترم محسن فارانی کی زبانی سنیے:

> ''یونان ایک طرف حکمت و فلسفہ کا معلّم تھا تو دوسری طرف بداخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی غرق تھا۔ عصمت فروشی یونانی مذہب کا جزو بن گئی تھی۔ محبت کی دیوی' ایفروڈائٹ کے مندر کی پجارنیں بدکار عورتیں تھیں۔ مشہور نقاش پرکزتیلس نے اپنی آشنا' فرائنی کا بت تیار کر کے اپالو کے مندر میں رکھ دیا تھا۔ دعوتوں میں کنیزیں مادرزاد ننگی ہو کر مہمانوں کو کھانا کھلانے آتی تھیں۔ مردوں میں خلافِ وضعِ فطری بدکاری عام تھی۔ رواقیہ اخلاقی فلسفہ کا بانی زینو اس لت میں مبتلا تھا۔ مشہور نقاش ایپلس نے سکندر اعظم کی معشوقہ لائس کا مجسمہ بناتے ہوئے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ سکندر کو خبر ہوئی تو اس نے بلاتکلف اپنی معشوقہ ایپلس کے حوالے کر دی۔ سپارٹا میں قانون تھا کہ بوڑھے مرد کی جوان بیوی کسی جوان کو دے دی جاتی تاکہ مضبوط نسل پیدا ہو سکے۔

'عظیم فلسفی' ارسطو کا قول تھا: ''یونانیوں کے لئے غیر ملکیوں کے ساتھ وہی برتاؤ واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں۔'' چنانچہ سکندر اعظم نے لبنان کے شہر صور (ٹائر) میں بیس ہزار آدمی پکڑ کر قتل کرا دیے اور تیس ہزار غلام بنا کر بازاروں میں فروخت کر ڈالے۔'' (اُردو ڈائجسٹ صف 55، جنوری 11ء)

یونانیوں کے کردار کا یہ گھناؤنا پن ان کے نظریات کی خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

● **مشرق وسطیٰ اور یورپ کا رومی معاشرہ** رومی سلطنت اور ROMAN LAW آج دنیا میں حکومت اور قانون کی حکمرانی کے لئے مثال (SYMBOL) کی حیثیت سے متعارف کرائے گئے ہیں (اور یقیناً ایسا کرنیوالے ان سفاک رومیوں سے زیادہ بدمعاش اور غنڈے ہی ہیں کہ ایسے ننگ انسانیت انسانوں اور ننگ انسانیت قانون کو بطور IDEAL اپنائے ہوئے ہیں اور متعارف کرا رہے ہیں) یہ تبصرہ بھی جناب محسن فارانی کی زبانی سنیے:

''بدچلنی اور زنا کاری میں روم نے یونان کو بھی مات کر دیا۔ مؤرخ لیکی لکھتا ہے:

''مختلف علاقوں سے رومی فاتح لوگوں کو اسیر کر کے اپنے ہاں لانے لگے تو روما کی حالت عصمت فروشی کے بازار جیسی ہوگئی۔ یونانی اور اسکندریہ کے غلام حسن و جمال میں لاجواب ہوتے۔ زہرہ دیوی (VENUS) کے مندروں میں بدکاری مباح تھی۔ دوسری صدی عیسوی میں بدکار ملکہ فوسٹینا نے اپنے متعدد عاشقوں کو سلطنت کے اعلیٰ عہدوں پر ترقی دی رومی سینیٹ کی منظوری سے اسے دیوی کا درجہ مل گیا حتیٰ کہ روم کے مندروں میں جونو، وینس (زہرہ) کیرس اور دیگر دیوتاؤں کے ساتھ فوسٹینا کا بت بھی پوجا کے لئے رکھ دیا گیا یونان کے مانند روم میں بھی اسقاطِ حمل کوئی مجرمانہ فعل نہ تھا۔.....غلاموں کے معاملے میں رومی اس قدر ظالم تھے کہ ایک مرتبہ شاہ فلامینیس نے اپنے مہمان کی تفریح کے لئے اسے ایک غلام ذبح کیے جانے کا تماشا دکھایا۔ جبکہ ویڈیسی بولیونا می رومی سردار اپنی پالتو مچھلیوں کو اپنے غلاموں کا گوشت کھلایا کرتا تھا۔ بروٹسی نے اپنے ایک مقروض کو بھاری سود ادا نہ کرنے کے جرم میں قید کرا دیا اور جیل میں اسے بھوکا مروا ڈالا۔ رومی حکمران اس قدر سنگدل تھے کہ گیارہ

لاکھ انسانوں کا خون جولیئس سیزر کی ہوسِ فتوحات کی نذر ہوا۔ رومیوں نے نیرو کے باغ کی روشنی کا تماشا نہایت دلچسپی سے دیکھا جو عیسائی قیدیوں کے کرتوں پر تیل چھڑک کر آگ لگانے سے پیدا ہوئی تھی اور جس سے وہ مظلوم جل کر مر گئے۔ شاہ گیلرس اور ہیلیو گیوس کھانا کھاتے وقت یہ تماشا دیکھا کرتے تھے کہ جنگلی جانور قیدیوں کو چیر پھاڑ رہے ہیں۔'' (اُردو ڈائجسٹ جنوری 11ء، صف 62)

● **مزدک اور زرتشت کا ایران** ایران میں بھی اپنی ہم عصر تہذیبوں کی طرح خدا ناشناسی، خدا بیزاری، بے حیائی، ظلم و سفاکی، کمزور طبقات کی حق تلفی کو فروغ حاصل ہوا، بادشاہ انتہا درجے کے ظالم تھے اُن کے عہدیدار اور اعیانِ حکومت (آج کل کے MPA's اور MNA's) اپنے بادشاہوں کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ مزدک کے نظریات نے انسان کے احسن تقویم سے اسفل السافلین تک گرنے کے عمل پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اس دور میں خواتین کی بے حرمتی کوئی جرم نہیں تھا اور عورت معاشرے کے مردوں کی 'مشترکہ متاع' سمجھی جاتی تھی۔ بے حیائی اور بدکرداری اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی انسانیت منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ یہی بے حیائی ان کے آرٹ، مجسمہ سازی، شاعری، ادب اور فن تعمیر سے بھی ظاہر تھی۔

● **یورپ 800ء سے 1500ء تک (DARK AGES)**

آج کا یورپ علمی اعتبار سے جتنی بددیانتی کرتا ہے شاید تاریخ میں کبھی نہیں ہوئی۔ اسلام کے آنے سے جو اخلاقی اقدار میں انقلاب آیا، انسانیت کا احترام، کمزوروں کے حقوق، عورت کی عزت، بے حیائی و بدکرداری کی سخت سزائیں، شراب نوشی پر پابندی وغیرہ کے قوانین نے ایک جنت نظیر معاشرے کو جنم دیا، جہاں حرص و ہوا کی بجائے شائستگی، عزت، باہمی احترام، عورت کا انسانی احترام اور حقوق جیسی خوبیاں تھی۔ جبکہ اسی عرصے میں قریب میں یورپ ظلمت، گمراہی اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں دورِ ظلمت (DARK AGES) سے گزر رہا تھا اور اسی یورپ میں مسلم سپین ایک روشن نگینہ کی طرح چمک رہا تھا اور علم و ہنر پھیلا رہا تھا۔ اس زمانے میں بھی سپین کی گلیاں پختہ تھیں، رات کو روشنی کی جاتی تھی، یورپ کے نوجوان سپین کے شہروں غرناطہ اور اشبیلہ وغیرہ میں اس طرح آتے تھے جیسے لوگ آج کل برطانیہ اور امریکہ جاتے ہیں، اس فرق

کے ساتھ کہ آج برطانیہ اور امریکہ، آنے والے لوگوں کو بے حیائی، بدکرداری اور غلامی کے طریقے سکھاتے ہیں جبکہ سپین کے اساتذہ علم و ہنر، اخلاق و کردار، خداشناسی اور راست بازی سکھاتے تھے اور خود بھی اس کا نمونہ تھے۔ یورپ کی حالت بھی ملاحظہ فرمایئے:

''حکومتیں خون ریز جنگوں میں مشغول رہتیں۔ وہ تمدن انسانی کے کارواں میں دنیا سے بہت پیچھے اور علوم وفنون سے بہت دور تھیں۔ ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام وخرافات سے بھرے ہوئے تھے۔ صفائی کے لئے پانی کا استعمال انتہائی کم تھا۔ ان کے پادری اور راہب جسم کو اذیت پہنچاتے اور انسانوں سے معاملات میں نہایت درجہ متشدد اور انتہا پسند تھے۔ ان کے یہاں ابھی تک یہی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ عورت انسان ہے یا حیوان؟ اور اس کے اندر ابدی و غیر فانی روح ہے یا نہیں؟ عورتوں کو ملکیت اور خرید وفروخت کا حق حاصل نہ تھا۔ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے: ''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی رہی۔ یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی گئی۔ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی سی تھی جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانے میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔'' (اُردو ڈائجسٹ جنوری 11ء صفحہ 64)

خداناشناس قدیم تہذیبوں کے اس تذکرے سے یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جاسکتا ہے کہ وہ کسی درجے میں انسانیت کے لیے مثالی (IDEAL) یا نمونہ نہیں ہوسکتیں۔ جبکہ جدید مغربی تعلیمی درسگاہوں میں انہیں ایک IDEAL کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

● انسانی اجتماعیت یعنی عمرانیات کے ارتقاء میں کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں، ان کے قوانین، طرزِ حکومت میں، عوامی خدمت، مساواتِ انسانی، اخوت، احترام جان و مال، عدلِ اجتماعی، خدا کی حاکمیّت، عورتوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، ظلم اور جبر کا خاتمہ، آزادیٔ

رائے، آزادئ مذہب، آزادئ فکر کے تصورات کا زائچہ ـــــ کیا تھا؟ یہ بات بہت اہم ہے۔
(یہ بات نوٹ کرنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ موجودہ مغربی صہیونی تہذیب یونانی اوہام پرستی اور رومی طرز حکومت اور قانون کا مجموعہ ہے ان دونوں اجزاء سے بنی ہے اور GREECE MYTHOLOGY اور ROMAN RULE & LAW کی حقیقی وارث ہے۔ جنوبی ایشیا میں منحوس برطانوی صہیونی مغربی استعمار کے پنجے گاڑنے اور استحکام میں جس نظام تعلیم نے بنیادی کردار ادا کیا وہ لارڈ میکالے (رومی قانون اور طرز حکومت کے عاشق صادق) کا ہی نظامِ تعلیم تھا۔ لہٰذا ان سطور کے مطالعے سے موجودہ مغربی تہذیب کے حقیقی باطنی خدوخال اور مقاصد پر بھی روشنی پڑے گی۔ یونانی، رومی بادشاہوں اور دوسرے بادشاہوں کے بارے میں آپ نے ابھی مطالعہ کرلیا ہے۔)

☆ ماضی کی رومی اور یونانی تہذیبیں اور دوسری بڑی تہذیبیں آج کے کسی معیار کے لحاظ سے انسان دوست، اخلاق دوست اور علم دوست کہلانے کی مستحق نہیں تھیں اور موجود مغربی تہذیب بھی اپنے دعووں کے برعکس خدابیزار (عیسائیت اور یہودیت کے قائل ہونے کے باوصف) وحی بیزار اور انسان دشمن ہے۔ 'تہذیبوں کا تصادم' نامی کتاب میں موجودہ عالمی صہیونی مغربی تہذیب کی اُٹھان اور غلبے کا تجزیہ یوں پیش کیا گیا ہے:

'تہذیبوں کا تصادم کتاب کی تصویر

''.....1500ء سے 1750ء کے درمیانی عرصے میں پہلی عالمی سلطنت کو قائم کرنے میں مغرب والوں کی کامیابی کا دارومدار ان کی جنگی استعداد میں اضافے پر تھا جس کو ''فوجی انقلاب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ مغرب نے دنیا کو اپنے نظریات یا اقتدار یا مذہب میں برتری کی وجہ سے فتح نہیں کیا تھا بلکہ اس وجہ سے فتح کیا تھا کہ منظّم تشدد کرنے میں اس کو برتری حاصل تھی۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کو مغرب کے لوگ تو بھول جاتے ہیں لیکن غیر مغربی لوگ فراموش نہیں کرتے۔

1910ء میں دنیا انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اتنی مجتمع ہوگئی کہ پہلے کبھی نہیں رہی تھی۔ بین الاقوامی تجارت اتنی زیادہ ہوگئی کہ اس کی مثال

پہلے نہیں ملتی۔ بین الاقوامی سرمایہ کاری میں بھی اس طرح کا اضافہ ہوا۔ اس وقت تہذیب کا مطلب تھا مغربی تہذیب اور مغربی قانون ہی بین الاقوامی قانون تھا۔ 1500ء اور بعد والی صدیوں میں عالمی سیاست میں رونما ہونے والی اہم ترین تبدیلی مغرب کا بنایا ہوا بین الاقوامی نظام تھا۔ مغربی ممالک میں غیر مغربی ملکوں کے ساتھ تو حاکم اور رعایا والا تعلق رکھتے تھے لیکن ان کے باہمی روابط کی نوعیت مساویانہ تھی۔ یورپی لوگوں کی ثقافت ایک ہے اور وہ ایک وسیع اور فعال تجارتی نیٹ ورک کے ذریعے مربوط ہیں، ان کی آمد و رفت مسلسل جاری رہتی تھی اور ان کے حکمران خاندانوں میں حیران کر دینے والے باہمی تعلقات موجود تھے۔ مغرب کی بین العہذیبی سیاست ڈیڑھ صدی تک بڑے مذہبی اختلافات اور مذہبی یا اقتدار کی جنگوں سے بھری ہوئی تھی۔ انقلاب فرانس کے بعد جنگیں شہزادوں کی بجائے قومی ریاستوں کے درمیان ہونے لگیں۔ آر آر یامر کے بقول: ''بادشاہوں کی جنگیں ختم ہو چکیں۔ رعایا کی جنگیں شروع ہو گئیں۔''

انیسویں صدی کا یہ نقشہ پہلی عالمی جنگ تک برقرار رہا۔'' (ترجمہ: عبدالمجید طاہر)

☆ قارئین کرام! یہ المیہ ہے کہ تاریخ میں اکثر (ہزاروں) نامور نام اور مقتدر طبقات اور فاتحین اپنے کارندوں اور طرزِ زندگی کی روشنی میں عمرانیات میں ارتقاء کے نتیجے میں حق حکمرانی کی امانت کا حق ادا کرنے میں بُری طرح ناکام رہے ہیں انھوں نے محلات تعمیر کیے ہیں، اپنے لیے عیاشی کا سامان جمع کیا ہے ہزاروں آزاد انسانوں کو غلام لونڈیاں بنا کر انسانیت کی تذلیل کی ہے۔ انھوں نے مظالم کی حد کر دی، انصاف کا خون کر دیا، خاندانی وجاہت اور خاندانی بادشاہت اور حق حکمرانی کو رواج دے کر عوام کی طرف سے سپرد کی گئی امانت میں خیانت کی ہے اور حیرت ہے کہ آج اکیسویں صدی میں علم اور ترقی کے دور میں بعض اہل علم پھر بھی ان کی تعریف کرتے پائے جاتے ہیں۔

☆ تاریخ میں 610ء سے 1200ء کے دور (اسلام کے عروج اور عالمی انسانی اسلامی منشور 'خطبہ حجۃ الوداع' کے فروغ کے دور) کو DARK AGES کہنا صرف اسلام اور مسلمانوں کی ہی تذلیل نہیں، انسانیت کی تذلیل ہے۔

THE CLASH OF CIVILIZATIONS

SAMUEL P. HUNTINGTON

> The West won the world not by the superiority of its ideas or values or religion (to which few members of other civilizations were converted) but rather by its superiority in applying organized violence.

Westerners often forget this fact; non-Westerners never do. By 1910 the world was more one politically and economically than at any other time in human history. International trade as a proportion of the gross world product was higher than it had ever been before and would not again approximate until the 1970s and 1980s. International investment as a percentage of total investment was higher then than at any other time.2 9 Civilization meant Western civilization. International law was Western international law coming out of the tradition of Grotius. T h e international system was the Western Westphalian system of sovereign but "civilized" nation states and the colonial territories they controlled.

The emergence of this Western-defined international system was the second major development in global politics in the centuries after 1500. In addition to interacting in a domination-subordination mode with non-Western societies, Western societies also interacted on a more equal basis with each other. These interactions among political entities within a single civilization closely resembled those that had occurred within Chinese,

Indian, and Greek civilizations. They were based on a cultural homogeneity which involved "language, law, religion, administrative practice, agriculture, landholding, and perhaps kinship as well." European peoples "shared a common culture and maintained extensive contacts via an active network of trade, a constant movement of persons, and a tremendous interlocking of ruling families." They also fought each other virtually without end; among European states peace was the exception not the rule.3 0 Although for much of this period the Ottoman empire controlled up to one-fourth of what was often thought of as Europe, the empire was not considered a member of the European international system.

For 150 years the intra civilizational politics of the West was dominated by the great religious schism and by religious and dynastic wars. For another century and a half following the Treaty of Westphalia, the conflicts of the Western world were largely among princes - emperors, absolute monarchs, and constitutional monarchs attempting to expand their bureaucracies, their armies, their mercantilist economic strength, and, most important, the territory they ruled. In the process they created nation states, and beginning with the French Revolution the principal lines of conflict were between nations rather than princes. In 1793 as R.R. Palmer put it, "The wars of kings were over; the wars of peoples had begun."3 1 This nineteenth-century pattern lasted until World War I.

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

وہ (جو) آخرت کا گھر ہے

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ

ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے (تیار) کر رکھا ہے

لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا

جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ O

اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے

(83:28)

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نزع کا وقت قریب آیا تو انھوں نے کہا کہ: ''سب نکل جائیں اور میرے پاس کوئی نہ رہنے پائے'' سب نکل آئے اور دروازہ پر مسلمہ بن عبدالملک اور اُن کی بی بی فاطمہ بیٹھی رہیں۔ ان لوگوں کے کان میں یہ آواز آئی: ''کیا مبارک چہرے ہیں جو آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے''۔ اس کے بعد متذکرہ بالا آیت پڑھ کر خاموش ہو رہے۔ مسلمہ نے فاطمہ سے کہا کہ انتقال ہو گیا۔ جا کر دیکھا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا۔

(سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ مولف: مولانا عبدالسلام ندوی)

باب 5

حجۃ الوداع 10ھ۔مارچ 632ء

☆ تعارف

☆ خطبہ حجۃ الوداع کا عربی متن

☆ خطبہ حجۃ الوداع کا اردو ترجمہ ڈاکٹر نثار احمد

☆ ہادیٔ عالم ﷺ کا عالمگیر مشن

☆ 632ء میں اعلانِ مکہ کے وقت عالمی منظر نامہ

☆ ابلاغِ حق کا نقطۂ کمال

☆ تعمیرِ حیات کا عملی خاکہ

☆ بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور

☆ خطبہ حجۃ الوداع سے مستعار فکرِ انسانی کے تجویز کردہ

1۔اقوام متحدہ کا منشور 2۔منشور اعظم میگنا کارٹا نگلستان

3۔فرانس 4۔نوشتہ حقوقِ امریکہ

باب 5

خطبہ حجۃ الوداع:

تعارف

دنیا میں انسانی آبادکاری کے بعد عمرانیات کے ارتقاء میں قبیلہ سے راجواڑے، سلطنتیں اور بادشاہتیں وجود میں آئیں اور حکمرانوں نے اپنے لیے شیخِ قبیلہ یا قبیلہ کے سردار کی بجائے راجہ، مہاراجہ، بادشاہ اور شہنشاہ (شاہانِ شاہ) جیسے القابات خود اختیار کر لیے تو ان لوگوں کے مزاج بھی قبیلہ کے سردار سے زیادہ بگڑ کر اور متعفن (DECAY) ہو کر خدا شناسی، انسان دوستی، علم دوستی اور اخلاق دوستی سے منہ موڑ کر خدا بیزار، دین، انسان، علم اور اخلاق دشمن رویوں کے حامل بن گئے۔ طرزِ حکمرانی میں انصاف اور عدل کی بجائے ظلم اور ناانصافی اختیار کر لی گئی۔ پھر خاندانی بادشاہتوں نے تو انسانیت اور شرفِ انسانیت کو کچل کر رکھ دیا۔ مزید برآں گھریلو خدمت کے لیے ان حکمرانوں نے لاکھوں آزاد لوگوں کو پکڑ کر اپنا غلام بنالیا۔ انہی حکمرانوں نے کرائے کے اہلِ علم سے اپنی مرضی کی تاریخ لکھوائی اور اپنے سیاہ کرتوتوں کو دھو کر، پاک کر کے، اچھے انداز میں بیان کر کے کارنامے اور انسانی خدمت کا عنوان دے دیا۔ یہ ننگ انسانیت کتابیں آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں انسانی تاریخ کا سرمایہ سمجھی جاتی ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

تاریخ کے بہاؤ میں 632ء میں ماہِ مارچ کی ایک دوپہر، عرب کے ریگستان کے موسم بہار میں ایک انسان سیّدنا حضرت محمد ﷺ نے میدانِ

عرفات میں ایک لاکھ سے زائد خداشناس، وحی شناس، انسان،علم اور اخلاق دوست انسانوں کے مجمع میں ماضی کے بادشاہوں، راجوں مہاراجوں،سرداروں اور والیانِ حکومت کے انسان دشمن اصولوں کو پاؤں تلے کچل دیا اور منسوخ کر دیا اور حکمرانی کی ایک طرح کی بنیاد ڈالی یہ بنیاد تھی 'درویشی کی حکمرانی' کی۔اس عظیم انسان (صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انسانیت کے باضمیر انسان دل سے ان پر رحمتیں بھیجتے ہیں) نے خود بھی درویشی کی زندگی گزاری،حکمرانی کو خاندانی وراثت نہیں بنایا اور رہتی دنیا تک انسانیت کے ہاتھ میں صحیح طرزِ حکومت وحکمرانی اور غلط طرزِ حکومت و حکمرانی کا ایک صحیح معیار عطا فرما گئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عظیم انسان حضرت محمد ﷺ پر بے پایاں رحمتیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی طرف سے بے شمار رحمتیں ہوں،تمام اہل ایمان کی طرف سے ان پر مسلسل رحمتیں ہوں اور تمام دنیا کے مرد وعورت باضمیر انسانوں، پسے ہوئے طبقات اور تاریخ میں بادشاہوں کے مظالم کے ستائے ہوئے تمام انسانوں کی طرف سے رحمتیں ہوں،جنھوں نے حکمرانی کو خدمت خلق کا حقیقی چہرہ دیا۔فداہ آبائنا واُمہاتنا۔

آئندہ صفحات میں اس خطبہ حجۃ الوداع کا عربی متن اور اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔واضح رہے کہ آپ ﷺ نے حج کے موقع پر کئی دنوں میں کئی مختلف موقعوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب فرمایا اور بنیادی انسانی اصولوں کی تعلیم دی۔کتب احادیث میں سے ان تمام خطابات کے مشترکات کو جمع کر کے ڈاکٹر نثار احمد صاحب نے بڑی عرق ریزی سے ترتیب دیا ہے(اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے)

خطبہ حجۃ الوداع
کا عربی متن

حصہ الف (دیباچہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتُوْبُ اِلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَن یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہ وَ مَن یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ امابعد

الف: اَیُّھَا النَّاسُ !

اِسْمَعُوا مِنِّیْ قَوْلِیْ فَاعْقِلُوْہُ فَاِنِّیْ لَاأَدْرِیْ لَعَلِّی لَا أَلْقَاکُمْ بَعْدَ عامِی ھٰذَا بِھٰذَا الْمَوْقِفِ ابدًا

ب: اَیُّھَا النَّاسُ !

انّی واللّٰہ مَا اَدْرِیْ لعلّی لَا اَلْقَاکُمْ بِمَکَانِیْ ھٰذَا بَعْدَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا۔

ج: اَیُّھَا النَّاسُ !

اَنْصِتُوْا! فَاِنَّکُمْ لَعَلَّکُمْ لَاتَرَوْنِیْ بَعْدَ عَامِکُمْ ھٰذَا۔

د: اِسْمَعُوا مِنِّیْ، اُبَیِّن لَکُمْ فانِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّی لَا اَلْقَاکُمْ بَعْدَ عامِی ھٰذَا۔

ھ: اَیُّھَا النَّاسُ!

خُذُوا مَنَاسِکَکُمْ، فَاِنِّی لَا اَدْرِی لَعَلِّی لَا اَحُجُّ بَعْدَ عَامِی ھٰذَا

و: نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِی فَبَلَّغَھَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرِفَقِیْہٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ أَفْقَہُ مِنْہُ

ز:　　اَيُّهَا النَّاسُ !

لَعَلَّکُمْ لَا تلْقونیٔ عَلٰی مِثْلِ حَالِیٔ هٰذا و علیکم هذا

حصہ ب (اساسیات)

دفعہ 1: اَيُّهَا النَّاسُ !

١ـ انَّ ربَّكُم واحدٌ، وَ اِنَّ اَبَاكُم وَاحِدٌ، كُلُّكُمْ لِآدَمَ، وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ،

٢ـ أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ، اِنَّ اللّٰه عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

٣ـ اَلَا! لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لَعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِی، وَلَا اَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا اَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى

دفعہ 2: اُوْصِيْكُمْ عِبَاد اللّٰهِ بِتَقْوَى اللّٰه وَاحثُّكم على طاعته استفتح بالذى هُوَخَيرِ

دفعہ 3: الا! كُلُّ شَیْءٍ مِنْ امر الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَی مَوْضُوْعٌ ـ

١ـ اَلَا وَ اِنَّ كُلَّ شَیْءٍ مِنْ اَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ تَحْتَ قَدَمَیَّ هَاتَيْنِ

٢ـالا! انَّ كلَّ دَم و مَال وَ مَأْثَرة كانتْ فى الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمی هذه الٰى يوم القيامة

٣ـ انَّ مـآثـرَ الـجـاهلية موضوعة (غير السدانة و السقاية) وَ الْعَمَد قود و شِبْه الْعَمَد ما قتل بالعصا و الحجر و فيه مِائَة بعير، فمن زاد فهو من اهل الجاهلية

٤ـ وانَّ كل ربا موضوع، ولكن رؤس اموالكم، لاتظلمون و لا تظلمون۔ قضى اللّٰه انَّه لا ربا

٥ـ و ربا الجاهلية موضوعة

و اوّل ربا اَضَعُ ربانا ربا عباس بن عبد المطلب، فانَّه موضوع كلُّه

٦ـ انَّ كل دم فى الجاهلية موضوع

وانَّ اوّل دمائِكم اَضَعُ دم ابن ربيعة بن الحارث بن عبدالمطّلب وكان مُسْتَرْضِعًا فى بنى ليث، فقتله هُذيل، فهو اوَّل ما ابدا به من دماء الجاهلية۔

٧ـ ايُّهَا الناس

(الف) اِنَّ النَّسِیۡءَ زِیَادَۃٌ فِی الۡکُفۡرِ، یُضَلُّ بِہِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُحِلُّوۡنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوۡنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوۡا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوۡا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ یُحَرِّمُوۡا مَا اَحَلَّ اللّٰہ

(ب) اَلَا! وانَّ الـزَّمَان قَدِ اسۡتَدَارَ کَھَیۡئَتِہٖ یَوۡمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوَاتِ وَالۡأَرۡضَ وَ اِنَّ عِـدَّۃَ الشُّھُـورِ عِـنۡـدَ الـلّٰہِ اثۡنَا عَشَرَ شَھۡرًا فِی کِتَابِ اللّٰہِ، مِنۡھَا أَرۡبَعَۃٌ حُـرُمٌ، ثَلَاثَۃٌ مُتَـوَالِیَـاتٌ: ذُو الۡـقَـعۡدَۃِ وَذُو الۡحِجَّۃِ وَالۡمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ الَّذِی یُـدۡعٰـی شَھۡـرُ مُضَرَ، الَّذِی بَیۡنَ جُمَادَی الآخرۃ وَشَعۡبَانَ، و الشھر تسعۃ و عشرون یومًا و ثلاثون۔

اَلَا ھَلۡ بَلَّغۡتُ؟ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمۡ، فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اشۡھَدۡ!

(ج) اَلَا! و اِنَّ الۡحَجَّ فِیۡ ذِی الۡحَجَّۃِ الی یوم القیامۃ۔

دفعہ 4: اَیُّھَا النَّاسُ! ھَلۡ تَدۡرُوۡنَ فِیۡ اَیِّ شَھۡرٍ اَنۡتُمۡ؟ فِیۡ اِیِّ یَوۡمٍ اَنۡتُمۡ؟ فِیۡ اَیِّ بَلَدٍ اَنۡتُمۡ؟ قَالُوۡا: فِیۡ یَوۡمٍ حَرَامٍ، وَ بَلَدٍ حَرَامٍ، وَشَھۡرٍ حَرَامٍ، قَالَ:

فَاِنَّ دِمَاءَ کُمۡ .....وَ

دفعہ 5: اَمۡوَالَکُمۡ .....وَ

دفعہ 6: اَعۡرَاضَکُمۡ .....وَ

دفعہ 7: اَبۡشَارَکُم ..... عَلَیۡکُمۡ حَرَامٌ

کَحُرۡمَۃِ یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا فِیۡ شَھۡرِکُمۡ ھٰذَا وَ فِیۡ بَلَدِکُمۡ ھٰذَا اِلٰی یَوۡمٍ تَلۡقَوۡنَہٗ

دفعہ 8: اسۡمَعُوۡا منی تَعِیشُوا

۱۔ أَلَا لَا تَظۡلِمُوا

۲۔ أَلَا لَا تَظۡلِمُوا، أَلَا لَا تَظۡلِمُوا

۳۔ فلا تظلموا انفسکم

حصہ ج (اجتماعیات)

دفعہ 9: أَیُّھَا النَّاسُ ! اِسۡمَعُوا قَوۡلِیۡ! وَاعۡقِلُوۡہُ

اِنَّ کُلَّ مُسْلِم اخو المسلم! و ان المسلمین اخوة

دفعه 10: الا! کل مسلم محرم علی المسلم

دفعه 11: والمومن علی المومن حرام کحرمة هذا الیوم!

١ـ لحمه علیه حرام

٢ـ ان یاکله بالغیب و یغتابه

٣ـ عرضه علیه حرام ان یخرقه

٤ـ وجهه علیه حرام ان یلطمه

٥ـ و اذاه علیه حرام ان یوذیه

٦ـ وعلیه حرام ان یدفعه دفعا یتعتعه

٧ـ و لا یحل لامرئ مسلم دم اخیه

٨ـ ولا یحلُّ مال مسلم الا ما اعطی عن طیب نفس

دفعه 12: (وساخبرکم من المسلم؟)

المسلم من سلم الناس من لسانه و یده

دفعه 13: والمومن من امنه الناس علی اموالهم و انفسهم

دفعه 14: و المهاجر من هجر الخطایا و الذنوب

دفعه 15: و المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه

دفعه 16 الا! ومن کانت عنده امانة فلیؤدها الی من ائتمنه علیها

دفعه 17: اَلدَّیْنُ مَقْضِیٌّ

دفعه 18: وَالْعَارِیَّةُ مُؤَدَّاةٌ

دفعه 19 الْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ

دفعه 20: وَالزَّعِیمُ غَارِمٌ

دفعه 21: الا! لا یجنی جان الا علی نفسه

دفعه 22: الا یجنی جان علی والده ولا مولود علی والده

دفعه 23: فَـاتَّـقُـوا الـلّـهَ فِـی الـنِّسَاءِ، فانَّکم أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِکَلِمَةِ اللّٰهِ

دفعه 24: الا استـوصـوا بـالنساء خیرًا، فانما هُنَّ عِوَانٌ عِنْدَکُمْ، لیس تملکون منهن شیئا غیر ذالك۔

دفعه 25: أیها الناس:

انَّ للنساء حقًّا و ان لکم علیهن حقا

الا! انَّ لکم علی نسائکم حقاء ولنسائکم علیکم حقا

حقکم علی نسائکم

١۔ وعلیهن ان لا یاتین بفاحشة مبینة

٢۔ ولکم علیهن ان لایوطئن فرشکم احداً تکرهونه

٣۔ و لایدخلن بیوتکم احدا تکرهونه الا باذنکم

٤۔ فان فعلن فانَّ اللّٰه قد اذن لکم:

الف۔ ان تهجروهن فی المضاجع

ب۔ وان تضربوهن غیرمبرح

الا ! و حقهن علیکم

٥۔ ان تحسنوا الیهن فی کسوتهن و طعامهن

فان انتهین و اطعنکم فلهن رزقهن و کسوتهن بالمعروف

٦۔ ولایعصینکم فی معروف

٧۔ فان فعلن ذالك فلیس لکم علیهن سبیل

٨۔ لا تنفق امرأة من بیتها الا باذن زوجها

٩۔ الا! وانَّ الولد للفراش

١٠۔ و للعاهر حجر و حسابهم علی اللّٰه

١١۔ الا لایحل لامرأة ان تعطی من مال زوجها شیئًا الا باذنه

۱۲۔ الا! ومن ادّعی الی غیر أبیه أو تولی غیر مواليه رغبة منهم فعليه لعنة اللّٰه والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل۔

دفعه 26: أَرِقَّائَكُمْ أَرِقَّائَكُمْ أَرِقَّائَكُمْ

الف: أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ

ب: وَاكْسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ

ج: فَاِنْ جَاءُوا بِذَنْبٍ لَا تُرِيدُونَ أَنْ تَغْفِرُوْهُ فَبِيعُوا عِبَادَ اللّٰهِ

د: وَلَا تُعَذِّبُوهُمْ

۲۔ فاوصيكم بمن ملكت ايمانكم

فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُون و البسوهم مِمَّا تَلْبَسُونَ

حصه د (دينيات، عقائد، عبادت، معاملات، اخلاقيات)

دفعه 27: اَيُّهَا النَّاس!

وَ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حتّٰی يقولوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔

فاذا قالوها عصموا دمائهم وأموالهم وحسابهم على اللّٰه

دفعه 28: لاتشركوا باللّٰه شيئا

دفعه 29: وَلَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

دفعه 30: ولا تَزْنُوا

دفعه 31: وَ لَا تَسْرَقُوْا

دفعه 32: ايُّها الناس! لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَ لَا اُمَّةَ بَعْدَكُمْ

۱۔ (خطب رسول الله ﷺ فذكر المسيح الدجال فاطنب فی ذكره ثم قال .....تم ذكر الدجال فقال)

۲۔ ما بعث الله من نبی الا وقد انذره امَّته

(انی لانذرتموه و ما من نبی الا وقد انذره قومه)

۳۔ ان افضل دعائی و دعاء من كان قبلی من الانبياء: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وحده

لا شـريك لـه، لـه الـملك وله الحمد بيده الخير يحيى و يميت وهو على كل شيء قدير

دفعه 33: اعبـدُوا ربَّـكـم وصلُّوا خمسكم، وصُوموا شهركم، وحجُّوا بيتكم و اَدُّوا زكاتكم طيبة بها انفسكم، تدخلوا جنَّة ربِّكم عزوجل

دفعه 34: واتقواللّٰه! ولا تبخسوا الناس اشياء هم ولا تعثوا فى الارض مفسدين

دفعه 35: واياكم والغلو! انما هلك من كان قبلكم بالغلو فى الدين

دفعه 36: أَيُّهَـا الـنَّـاسُ! فَـاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ بِأَرْضِكُمْ هٰذِهٖ أَبَدًا، وَلٰـكِـنَّهٗ اِنْ يُّطَعْ فِيمَا سِوَى ذَالِكَ فَقَدْ رَضِيَ بِهٖ مِمَّا تَحْقِرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَاحْذَرُوهُ عَلٰى دِينِكُمْ،

دفعه 37:ايها الناس

١ـ ان اللّٰه قسم لكل وارث نصيبه من الميراث

٢ـ فلاتجوز لوارث وصية، ولاتجوز وصية فى اكثر من الثلث

(قال و امرنا بالصدقة فقال:)

دفعه 38: تصدقوا! فانى لا ادرى لعلكم لا ترونى بعد يومى هذا

دفعه 39: لا تاتوا على اللّٰه، فانه من تاتى على الله اكذبه الله

دفعه 40:

١ـ يا ايها الناس! خذوا من العلم قبل ان يقبض العلم و قبل ان يرفع العلم

٢ـ الا! و انَّ من ذهاب العلم ان يذهب حملته، ثلاث مرات۔

دفعه 41: واعلموا!

١ـ ان الصدور لا تغل على ثلاث

الف:اخلاص العمل لله و

ب: مناصحة اهل الامر

ج: لزوم جماعة المسلمين، فان دعوتهم تحيط من ورائهم۔

٢۔ ما انزل اللّٰه داء الا انزل له دواء الا الهرم

دفعه 42:فاعقلوا ايها الناس قولی! فانی قد بلغت!

١۔ قَدْ تَرَكْت فِيكُمْ مَا لن تضلُّوا بعدی أبدًا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ به كتاب اللّٰه تبارك وتعالی۔

٢ وَقَدْ تَرَكْت فِيكُمْ مَا انْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلّوا أَبَدًا، أَمْرًا بَيّنًا، كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنّةَ نَبِيّهِ۔

دفعه 43:أَيّهَا النّاسُ اسْمَعُوا و اطيعو١ وان امر عليكم عبد حبشی مجدع اقام فيكم كتاب اللّٰه

دفعه 44: الا!

١۔ كل نبی قد مضت دعوته الا دعوتی، فانی قد ذخرتها عند ربی الی يوم القيامة

٢۔ اما بعد! فان الانبياء مكاثرون فلا تحزونی، فانی جالس لكم على باب الحوض

٣۔ أَلَا وَاِنّی فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ، وَأُكَاثِرُ بِكُمُ الْأُمَمَ، فَلَا تُسَوِّدُوا وَجْهِی، أَلَا وَاِنّی مُسْتَنْقِذٌ أُنَاسًا وَمُسْتَنْقَذٌ مِنّی أُنَاسٌ، فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أَصْحَابِی؟ فَيَقُولُ: اِنَّكَ لَا تَدْرِی مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ

دفعه 45: أَلَا! لَا تَرْجِعُوا بَعْدِی كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ،

دفعه 46: ١۔ اِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ

٢۔ من كان الآخرة همّه جمع اللّٰه شمله وجعل غناه بين عينيه و اتته الدنيا وهی راغمة، ومن كانت الدنيا همّه فرق اللّٰه شمله وجعل فقره بين عينيه، ولم ياته من الدنيا الا ما كتب له

دفعه 47: الا وقد رأيتمونی وسمعتم منی وستسئلون عنی فمن كذب على فليتبوأ مقعده من النار

دفعه 48: الا! فليبلغ الشاهد الغائب

فلعل بعض من يبلغه ان يكون اوعىٰ له من بعض من سمعه

الا فليبلغ ادناكم اقصاكم

حصہ ر (اختتامیہ)

(ثُـمَّ قَـالَ: اَلـلّٰهُـمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ فَقَالَ: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ الاهَلْ بَلَّغْتُ؟ الا هَلْ بَلَّغْتُ؟ قَالُوْا: نَعَمْ)

فقال رسول اللّٰهِ ﷺ : اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ

و انتم تسئلون عنى فماذا انتم قائلون؟ قالوا: نشهد انك قد اديت الامانة، وبلغت الرسالة، و نصحت۔

فـقال رسول اللّٰه ﷺ باصبعة السبابة يرفعها الى السماء ينكتها الى الناس اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!

و السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته

خطبہ حجۃ الوداع
عربی متن کا اردو ترجمہ

حصہ الف (دیباچہ)

سب تعریف اللہ کے لیے، ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور اسی سے مدد و مغفرت طلب کرتے ہیں، اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی کے دامن عفو میں اپنے نفس کی شرارتوں اور برے اعمال سے پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ کی ہدایت عطا کرے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی سہیم و شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ امابعد!

الف: لوگو! میری بات اچھی طرح سن لو، سمجھ لو، کیا خبر شاید اس سال کے بعد اس جگہ میری تمہاری ملاقات کبھی نہ ہو سکے۔

ب: بندگانِ خدا! آج کے بعد اللہ مجھے نہیں معلوم، شاید میں تم سے اس مقام پر پھر کبھی نہ مل سکوں گا۔

ج: لوگو! خاموش ہو جاؤ، تم لوگ اس سال کے بعد شاید مجھے نہ دیکھ سکو۔

د: لوگو! سنو! میں تمہیں وضاحت کے ساتھ (سب کچھ) بتا دینا چاہتا ہوں، کیونکہ شاید اس سال کے بعد پھر کبھی تم سے نہ مل سکوں۔

ھ: لوگو! حج کے مسئلے مسائل مجھ سے سیکھ لو، میں نہیں جانتا شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔

و: اللہ اسے تروتازہ و شاداب رکھے جس نے میری باتیں سنیں اور انہیں دوسروں تک پہنچایا،

بعض اوقات سننے والا سمجھ دار نہیں ہوتا اور کبھی کبھی جس کو پہنچایا جائے، وہ اس سے زیادہ سمجھدار نکلتا ہے۔

ذ: لوگو! تم لوگ شاید مجھ سے آیندہ اس حال میں نہ مل سکو جس حال میں تم اب مل رہے ہو۔

حصہ (ب) اساسیات

دفعہ 1: لوگو!

ا۔تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

۲۔تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ شعار ہے، بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔

۳۔دیکھو! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، اور کسی کالے کو کسی سرخ پر اور کسی سرخ کو کسی کالے، سیاہ پر کوئی فضیلت، لحاظ و امتیاز حاصل نہیں، مگر ہاں تقویٰ کے سبب۔

دفعہ 2: بندگانِ خدا! میں تمہیں تقویٰ شعاری (اللہ سے ڈرنے) کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں (کیونکہ تم اللہ کے سوا کسی اور کے بندے نہیں) اور اپنے خطبے کا آغاز نیک بات سے کرتا ہوں۔

دفعہ 3: جان لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں تلے (روندی گئی) ہے (اب تمام آثار جاہلیت کالعدم اور ساقط ہو گئے ہیں)۔

ا۔خبردار! اہل جاہلیت کی ہر چیز میرے (ان دونوں) قدموں کے نیچے ہے۔

۲۔سن لو: جاہلیت کا ہر خون (انتقام)، مال (مغصوبہ) اور آثار جاہلیت (خاندانی، موروثی مفاخر) میرے قدموں تلے تا قیامت کالعدم ٹھہرائے جاتے ہیں۔

۳۔اور جاہلیت کے تمام باعث فکر و غرور عہدے (مآثر و مفاخر) ختم کیے جاتے ہیں، صرف سدانہ (کعبہ کی نگرانی و نگہبانی) اور سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کے عہدے باقی رہیں گے۔قتل عمد کا قصاص (بدلہ) لیا جائے گا، قتل عمد کے مشابہ وہ (قتل) ہے جو لاٹھی یا پتھر سے وقوع میں آئے اور اس کی (دیت) سو اونٹ مقرر ہے، اس سے زیادہ جو طلب کرے گا وہ اہل جاہلیت میں شمار ہوگا۔

۴۔اور ہر قسم کا سود آج سے ممنوع قرار پاتا ہے، البتہ تمہیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا نقصان، اللہ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۵۔ اور زمانہ جاہلیت کے تمام سود (سودی کاروبار) اب باطل ہیں (اور جہاں تک کہ عباس بن عبدالمطلب کے سود کا تعلق ہے تو وہ تمام کا تمام ساقط ہے)۔

۶۔اور زمانہ جاہلیت کے تمام خون (کے بدلے، انتقام) اب کالعدم ہیں۔ (اور اپنے خاندان میں سے پہلا انتقام جسے میں معاف کرتا ہوں ربیعۃ (بن الحارث بن عبدالمطلب) کے بچے کا ہے جس کی رضاعت بنی لیث میں ہو رہی تھی کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا، پس میں پہل کرتے ہوئے انتقام ہائے جاہلیت میں سے خون کا بدلہ معاف کر رہا ہوں)

۷۔لوگو!

الف:۔بے شک نسئ (مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا) از دیادِ کفر کا ہی باعث ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک سال تو (اپنی نفسانی غرض سے) اسے حلال ٹھہراتے ہیں پھر دوسرے سال (جب کوئی ذاتی غرض نہ ہو) اس کو حرام کر دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو گنتی (حرام مہینوں کی) مقرر کر رکھی ہے اسے پورا کر لیں، اس طرح وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے کو حلال اور اس کے حلال کیے ہوئے کو حرام کر لیتے ہیں۔

ب:۔دیکھو! اور اب زمانہ گھوم پھر کر اسی جگہ آ گیا ہے جہاں سے کائنات کی پیدائش کے دن شروع ہوا تھا، مہینوں کی گنتی (تعداد) اللہ کے نزدیک سال میں بارہ ہے۔ان میں سے چار محترم، حرام ہیں کہ تین (ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم) تو متواتر ہیں اور ایک الگ آتا ہے یعنی رجب جو شہر مضر کہلاتا ہے اور جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ ہے اور مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے، تیس کا بھی۔

(کہو! میں نے اپنی بات تم تک پہنچا دی ہے نا؟ تو مجمع نے کہا: بے شک، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا!)

ج۔سن لو! حج قیامت تک اب ذی الحجہ کے مہینے کے ساتھ مخصوص رہے گا۔

دفعہ 4: لوگو! (تمہیں معلوم ہے کہ تم پر کون سا مہینہ سایہ فگن ہے؟ تم کس دن میں یہاں جمع ہو؟ کس شہر میں موجود ہو؟ سب نے کہا: محترم دن، محترم شہر اور محترم مہینے میں!

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک تمہارا خون (ایک دوسرے پر حرام ہے)

دفعہ 5: اور تمہارا مال (وملکیت)

دفعہ 6: تمہاری عزت وآبرو

دفعہ 7: تمہاری کھال (جلد، جسم، بدن) بھی (ایک دوسرے کے لیے) معزز ومحترم ہے۔

(جس طرح حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے کو، تمہارے اس شہر کو (حاصل ہے) یہاں تک کہ تم اللہ سے جاملو)

دفعہ 8: میری بات سنو! زندگی پاجاؤ گے۔ (مگر اس شرط کے ساتھ کہ)

۱۔ خبردار! (ایک دوسرے پر) ظلم نہ کرنا۔

۲۔ دیکھو! ظلم (وزیادتی) نہ کرنا۔

۳۔ خوب سمجھ لو! ایک دوسرے پر باہم ظلم وستم نہ کرنا۔

حصہ (ج) اجتماعیات

دفعہ 9: اللہ کے بندو! میری بات سنو اور سمجھو!

بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان بھائی بھائی۔

دفعہ 10: خبردار! ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ومحترم ہے۔

دفعہ 11: اور ہر مومن دوسرے مومن پر حرام ومحترم ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت:

۱۔ اس کا گوشت اس پر حرام ہے۔

۲۔ کہ اسے کھائے، اس کی عدم موجودگی میں غیبت کرکے۔

۳۔ اور اس کی عزت وآبرو اس پر حرام ہے کہ (اس کی چادر عزت) پھاڑ دے۔

۴۔ اس کا چہرہ اس پر حرام ہے کہ اس پر طمانچے لگائے جائیں۔

۵۔ اور تکلیف دہی بھی حرام کہ اسے تکلیف پہنچائی جائے۔

۶۔ اور یہ بھی حرام کہ تکلیف رسانی کے لیے اسے دھکا دیا جائے۔
۷۔ اور کسی مسلمان کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان بھائی کا خون حلال سمجھے۔
۸۔ مال مسلم بھی حلال و جائز نہیں سوائے اس کے کہ جو وہ اپنی خوشی سے دے۔
(اور میں تمہیں بتاؤں کہ مسلمان درحقیقت ہے کون؟)

دفعہ 12: مسلمان وہی ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگوں کو محفوظ رکھے۔

دفعہ 13: مومن درحقیقت وہ ہے جس سے دوسرے لوگوں کا جان و مال امن و عافیت میں رہے۔

دفعہ 14: اور مہاجر درحقیقت وہ ہے جو اپنے گناہوں اور خطاؤں سے کنارہ کشی کر لے۔

دفعہ 15: اور مجاہد تو دراصل وہ ہے جو اطاعت الٰہی کی خاطر اپنے نفس کا مقابلہ کرے۔

دفعہ 16: خبردار! اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت واپس لوٹا دے۔

دفعہ 17: قرض واپس ادائیگی کا متقاضی ہے۔

دفعہ 18: ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کیا جانا چاہئے۔

دفعہ 19: عطیہ لوٹایا جائے۔

دفعہ 20: ضامن کی ضمانت (تاوان) کا ذمہ دار ہے۔

دفعہ 21: دیکھو! اب ایک مجرم اپنے جرم کا خود ہی ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ 22: جان لو! اب نہ باپ کے جرم کے بدلے میں بیٹا پکڑا جائے گا اور نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

دفعہ 23: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات (احکام) کے تحت ان کے ستر تمہارے کے لیے حلال ہوئے۔

دفعہ 24: خبردار! تمہارے لیے عورتوں سے نیک سلوک کی وصیت ہے کیونکہ وہ تمہاری پابند ہیں، اور اس کے سوا تم کسی معاملے میں حق ملکیت نہیں رکھتے۔

دفعہ 25: لوگو! جس طرح عورتوں کے کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں اسی طرح ان پر بھی تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں (سنو! تمہاری عورتوں پر جس طرح کچھ حقوق تمہارے

واجب ہیں اسی طرح تمہاری عورتوں کا بھی تم پر کچھ حق ہے)

(جہاں تک تمہارے ان حقوق کا تعلق ہے جو تمہاری عورتوں پر واجب ہیں) تو وہ یہ ہیں:

۱۔ وہ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں۔

۲۔ وہ تمہارا بستر کسی ایسے شخص سے پامال نہ کرائیں جسے تم پسند نہیں کرتے۔

۳۔ وہ تمہارے گھر میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ ہونے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو مگر یہ کہ تمہاری اجازت سے۔

۴۔ اگر وہ عورتیں (ان باتوں) کی خلاف ورزی کریں تو تمہارے لیے اجازت ہے کہ:

الف: تم انہیں بستروں پر اکیلا، تنہا چھوڑ دو۔

ب: (ان پر سختی کرو) مگر شدید تکلیف والی چوٹ نہ مارو (اگر مارنا ہی چاہو)

دیکھو! کچھ حقوق ان کے بھی تمہارے اوپر عائد ہوتے ہیں مثلاً:

۵۔ یہ کہ کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے، (خوراک ولباس کے بارے میں ان سے اچھا سلوک کرو) (اگر وہ تمہاری نافرمانی سے باز آجائیں اور کہا مانیں تو (حسب حیثیت) ان کا کھانا کپڑا (خوراک لباس، نان نفقہ) تمہارے ذمے ہے)

(اور عورتوں پر یہ بھی واجب ہے کہ)

۶۔ عورتیں معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں۔

۷۔ اور اگر وہ فرمانبرداری کریں تو ان پر (کسی قسم کی) زیادتی کا تمہیں کوئی حق نہیں۔

۸۔ کوئی عورت اپنے گھر میں اخراجات نہ کرے، مگر ہاں اپنے شوہر کی اجازت سے۔

۹۔ جان لو! لڑکا (اولاد) اس کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا (بچہ شوہر کی اولاد متصور ہوگا)

۱۰۔ اور جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا سنگساری ہے۔ (زنا کار کے لیے پتھر) اور ان کا حساب اللہ کے ذمے۔

۱۱۔ دیکھو! کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کسی کو دے۔

۱۲۔ خبردار! جس نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا، یا کسی غلام نے

(جان بوجھ کر) اپنے آقا کے سوا کسی اور آقا سے نسبت قائم کی تو اس پر اللہ کی، اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی اور قیامت کے دن اس سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ 26: ا۔ اور ہاں غلام، تمہارے غلام! (ان سے حسن سلوک کرو)

الف: جو تم کھاتے ہو اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ۔

ب: جو تم پہنتے ہو اس میں سے ان کو بھی پہناؤ۔

ج: اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم دیکھو کہ معاف نہیں کر سکتے تو اللہ کے بندو انہیں فروخت کر دو (مگر)

د: انہیں بھیانک سزا (عذاب) تو نہ دو

۲۔ اور ان کے بارے میں بھی تمہیں (حسن سلوک کی) وصیت کرتا ہوں، جو لونڈیاں (تمہارے زیر تصرف) ہیں، پس ان کو وہ کھلاؤ اور پہناؤ جو تم کھاتے پہنتے ہو۔

حصہ (د) دینیات، عقائد، عبادت، معاملات، اخلاقیات

دفعہ 27: لوگو! بے شک مجھے حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں، اور جب وہ اس کلمے کا اقرار کر لیں تو گویا انہوں نے اپنی اپنی جانوں اور مالوں کو بچا لیا اور باقی حساب اللہ کے ذمے ہے۔

دفعہ 28: اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دفعہ 29: اور نہ کسی کی ناحق جان لو (نہ قتل کرو)

دفعہ 30: نہ بدکاری (زنا) کرو

دفعہ 31: اور نہ ہی چوری (سرقہ) کرو۔

دفعہ 32: لوگو! (اچھی طرح سمجھ لو!) میرے بعد نہ کوئی پیغمبر (آنے والا) ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت (ہوگی)

ا۔ اپنے خطاب کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مسیح الدجال کا ذکر فرمایا پھر ذکر میں کافی طول پکڑا، پھر دجال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

۲۔کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو (پس میں بھی) (میں بلاشبہ تمہیں اس سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو اس سے نہ ڈرایا ہو)

۳۔بے شک میری سب سے افضل دعا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام ماقبل کی یہی ہے: لااله الا الله وحده لاشريك له ،له الملك وله الحمد بيده الخير، يحيى ويميت وهو على كل شيءٍ قدير۔

دفعہ 33: خوب سن لو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پنجگانہ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے (رب کے) گھر (خانہ کعبہ) کا حج کرو، اپنی زکوٰۃ خوشی خوشی دیا کرو، اپنے حکام کی اطاعت کرو (اور اس طرح ان امور کی انجام دہی کے بعد بطور اجر) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

دفعہ 34: اللہ سے ڈرو! (ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو) اور لوگوں کو ان کی چیزیں (ناپ تول میں) کم نہ دیا کرو۔ اور ملک میں فساد کرتے نہ پھرو۔

دفعہ 35: خبردار! دین میں غلو (مبالغہ آمیزی، انتہا پسندی) سے بچو، اس لیے کہ تم سے پہلے جو (قومیں) تھیں وہ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں۔

دفعہ 36: لوگو! دیکھو، شیطان اس بات سے تو بے شک بالکل مایوس ہو چکا ہے، کہ تمہاری اس سرزمین پر کبھی اس کی پرستش کی جائے گی، مگر چوکنا رہو! وہ اس بات پر بھی راضی ہوگا کہ اس (پرستش) کے سوا چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی تعمیل کی جائے، پس اپنے دین و ایمان کی (حفاظت کی) خاطر اس سے بچے رہنا۔

دفعہ 37: لوگو!۱۔ اللہ نے میراث (ترکہ) میں ہر وارث کا (جداگانہ) حصہ مقرر کر دیا ہے۔

۲۔ اس لیے وارث کے لیے (تمام مال میں) وصیت کرنا جائز نہیں (چنانچہ) کسی کو ایک تہائی سے زائد (مال) کی وصیت کا حق نہیں ہے۔

(بقول راوی پھر حضور ﷺ نے ہمیں صدقے کا حکم دیا اور فرمایا:)

دفعہ 38: صدقہ دیا کرو! اس لیے میں نہیں جانتا مگر شاید تم آج کے بعد مجھے پھر نہ دیکھ سکو۔

دفعہ 39: اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسمیں نہ کھایا کرو، کیونکہ جو اللہ کے نام پر (جھوٹی) قسم

کھائے گا اللہ اس کا جھوٹ ظاہر کر دے گا۔

دفعہ 40: لوگو!۱۔ علم (تعلیم، معلومات) میں سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو، لے لو اس سے پہلے کہ وہ سمیٹ لیا جائے اور قبل اس کے کہ علم کو اٹھا لیا جائے۔

۲۔ خبردار! علم کے اٹھائے جانے (ختم ہو جانے) کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کے جاننے والے ختم ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔

دفعہ 41: دیکھو!

۱۔ تین باتیں ایسی ہیں جن میں (مومن کا) دل (دھوکہ فریب) کینے کا شکار نہیں ہوتا یعنی:

الف: عمل میں اخلاص کہ صرف اللہ کے لیے۔

ب: (مسلمان) حاکموں کی خیر خواہی میں۔

ج: عام مسلمانوں (کی جماعت) سے وابستگی میں کیونکہ ان (مسلمانوں) کی دعائیں انہیں گھیرے رہتی ہیں (اس پر سایہ فگن رہتی ہیں)

۲۔ اللہ نے ایسی کوئی بیماری (دکھ، تکلیف) پیدا نہیں کی جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو سوائے بڑھاپے کے۔

دفعہ 42: لوگو! میری بات سمجھو! کیونکہ میں نے سب کچھ تم تک پہنچا دیا ہے:

۱۔ میں نے تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ دی ہے کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اگر اسے مضبوطی سے تھامے رہے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

۲۔ اور میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑ دی ہیں کہ اگر ان کو تھامے (پکڑے) رہے تو پھر کبھی بھی گمراہ نہ ہو گے۔ صاف و روشن اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

دفعہ 43: لوگو! سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارے اوپر کوئی نک کٹا حبشی غلام امیر بنا دیا جائے جو تمہارے درمیان کتاب اللہ (کے احکام) کو قائم (نافذ) کرے۔

دفعہ 44: جان لو!

۱۔ ہر نبی (پیغمبر) کی دعوت گذر چکی ہے سوائے میری دعوت (دین و شریعت) کے کہ (وہ

ہمیشہ کے لئے ہے) میں نے اس کو اپنے پروردگار کے پاس قیامت تک کے لیے ذخیرہ (جمع) کر دیا ہے۔

۲۔امابعد! انبیاء علیہم السلام (قیامت کے دن) کثرتِ تعداد پر فخر کریں گے، پس تم مجھے (اپنی بداعمالیوں کے سبب) رسوانہ کر دینا، میں حوض کوثر پر (تمہارے انتظار میں) رہوں گا۔

۳۔خبردار! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے پہنچوں گا، اور دوسری اُمتوں پر تمہاری کثرت کے سبب فخر کروں گا، تو کہیں میری رسوائی کا باعث نہ بن جانا۔

۴۔سنو! میں بعض لوگوں کو (شفاعت کر کے) چھڑالوں گا مگر بعض لوگ مجھ سے چھڑا لیے جائیں گے، پھر میں کہوں گا اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب (امتی) ہیں نا؟ اللہ فرمائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں کر ڈالی تھیں۔

دفعہ 45: خبردار! میرے بعد کہیں کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

دفعہ 46: اور ہاں سنو!

۱۔تم اپنے رب سے ملو گے تو اللہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں (ضرور) باز پرس کرے گا۔

۲۔پس جو (دنیا میں رہتے ہوئے ہمہ وقت) آخرت کو ہی اپنے پیش نظر رکھے گا تو اللہ اسے دل جمعی عطا کرے گا اور اسے اس کی آنکھوں کے سامنے (دنیا میں ہی) بے نیازی و تونگری عطا کرے گا اور دنیا اس کے (قدموں میں) سرنگوں ہو کر خود آئے گی، لیکن جو دنیا کو ہی اپنا محبوب و مقصود قرار دے گا تو اللہ اس کے معاملات کو منتشر و متفرق کر دے گا اور وہ (آدمی دنیا میں ہی اپنی آنکھوں کے سامنے افلاس و تنگ دستی دیکھ لے گا اور دنیا میں (سے تو) اسے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا کہ اس کے لیے (مقدر میں) لکھا جا چکا ہے۔

دفعہ 47: دیکھو! اب تم نے مجھے (جی بھر کر) دیکھ بھی لیا ہے اور مجھ سے ان تمام باتوں کو سن بھی لیا ہے، تم سے عنقریب میرے بارے میں پوچھا جائے گا (تو سچ مچ بتانا) پس جس نے بھی مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (گا)۔

دفعہ 48: دیکھو! ۱۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک (میری) یہ سب باتیں (ضرور)

پہنچادے۔

۲۔شاید کہ بعض ایسے کہ جن تک (یہ باتیں) پہنچیں (گی)، یہاں موجود بعض سننے والوں سے زیادہ سمجھ دار ثابت ہوں۔

۳۔سن لو! تم میں سے جو یہاں قریب ہیں (ان کے لیے لازم ہے کہ) اپنے دور والوں (بعد میں آنے والے لوگوں) تک یہ (تمام) باتیں پہنچادیں۔

حصہ (ر) اختتامیہ

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

اے اللہ! (دیکھ لے) میں نے (تیرا پیغام بھرپور طور پر) پہنچادیا ہے یا نہیں؟

(پھر لوگوں سے فرمایا)

کیا میں نے اللہ کا پیغام تم تک اچھی طرح نہیں پہنچادیا۔

سنو! کیا میں نے حق تبلیغ ادا نہیں کردیا؟

دیکھو! کیا میں نے تعلیم وتلقین دین کی انتہا نہیں کردی؟

(تو سب حاضرین، سامعین، مجمع والے بیک آواز اقرار واعتراف کرنے لگے) بے شک! بے شک! (تب رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا، اے اللہ گواہ رہنا! (تیرے بندے کیسا صاف اقرار کررہے ہیں) اے اللہ گواہ رہنا (یہاں موجود لوگ کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ گواہ رہنا! (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) اور تم لوگوں سے (آخرت، قیامت میں اللہ کی طرف سے) میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم لوگ کیا کہو گے؟

تو سب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نے امانت الٰہی ہم تک پہنچادی اور حق رسالت ادا کردیا، اور (امت کو) نصیحت کرنے کی انتہا فرمادی۔ (پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر اسے لوگوں کی طرف جھکایا اور) فرمایا: اے اللہ گواہ رہنا اے اللہ گواہ رہنا! اے اللہ گواہ رہنا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہادیٔ عالم ﷺ کا عالمگیر مشن

اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے انبیاء ورُسل کی بعثت اور کتب وصحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا اس کا اختتام الکتاب وقرآنِ مبین (القرآن وکتاب مبین) پر اور اِکمال واِتمام ذاتِ رسالت مآب ﷺ پر ہوا۔

تمام حاملانِ منصب نبوت اور جملہ کار پردازانِ رسالت اگرچہ تاریخ عالم کے مختلف ادوار، مختلف دیار وامصار اور مختلف اقوام وملل میں متفرق تہذیبی وتمدنی تناظر میں تشریف لائے تاہم وہ سب کے سب ہدایت ربانی سے سرفراز، اللہ کے فرستادہ، اس کے پیغامبر [مِمَّنْ هَدَيْنَا وَ اجْتَبَيْنَا (58:19)۔ كُلًّا هَدَيْنَا (84:06)] صدق وصفا کے پیکر، داعی اِلی الحق، اللہ کے پسندیدہ [الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (59:27)۔ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَار (47:38)] اور منتخب خلائق [وَالَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (32:35)۔ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَار (48:38)] تھے۔ اور بحیثیت مجموعی ان کے نبی، رسول، پیغمبر ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا [لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (48:03)۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (136:02)] البتہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ اپنے وجود ہستی، اپنی صفات، خصوصیاتِ ذاتی اور اپنے اظہارِ کمالات منصبی کے اعتبار سے ہر نبی کی حیثیت الگ الگ، ہر رسول کا تشخص جدا جدا، ہر ایک کی فضیلت کا حوالہ مختلف ہے اور ہر پیغمبر بجائے خود منفرد ومتفرد ہے۔

اس لحاظ سے ذات وصفات وکمالاتِ مصطفوی ﷺ میں بھی کوئی امر محتاج دلیل نہیں ہوسکتا۔ ہادیٔ اعظم، پیغمبر عالم ﷺ خَلق وخُلق کی تمام خوبیوں، نبوت ورسالت کے جملہ محاسن، تلقین وہدایت کے تمام لوازم اور دعوت وارشاد کے تمام مفاخر کے ساتھ مبعوث ہوئے اور اپنی تشریف آوری میں سب سے متأخر ہونے کے باوجود امام الانبیا، سیّد الرسل قرار پائے اور

ختم الرسل بن کر گویا چمنِ ہدایت کے ہر گل سرسبد کا عطر کھینچ لائے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے اندازِ خاص سے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے کہ:

''یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا، پر ایک اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا۔ وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا، چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ کی تمام صفات وخصوصیات کا بیان، آپ کے جملہ امتیازات و کمالات کا احاطہ اور دلالات ومعجزات کا استقصا اگرچہ ممکن نہیں ہے تاہم گفتگو کے لیے اور بطور مطالعہ واستفاضہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوصاف وامتیازاتِ رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ میں سے ایک وصف خاص اور نمایاں ترین امتیاز واعزاز یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، ملک، گروہ، آبادی یا خطے کے لیے نہیں ہوئی۔ نہ آپ ﷺ کا فرضِ منصبی عرب کی اصلاح یا عجم کی فلاح تک محدود تھا، نہ آپ کی نبوت و رسالت کو کسی خاص وقت یا زمانے سے مخصوص کیا گیا۔ بلکہ آپ ﷺ کو خاتم الانبیاء والرسل بنا کر اور پیغمبر انسانیت کی حیثیت سے بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی بعثت ایک عالمگیر دعوت و پیغام کے ساتھ سارے عالم کے لیے، جملہ انفس وآفاق کے لیے بلکہ تمام جن وانس کے لیے ہوئی۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (25:01)

حضور سیّد الکونین ﷺ رسول الثقلین کی یہ ہمہ گیر و عالمگیر پیغمبرانہ صفت اور وصف آفاقیت ان مسلمہ حقائق میں داخل ہے جن پر اجماعِ امت ہے اور جن کی بہت کافی صراحت قرآن وحدیث میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں فرمایا گیا عزّ اسمہٗ:

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (04:79)

سورۂ سبا میں ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (34:28)

اور سورۃ الاعراف میں جہاں اہل کتاب سے نبی اُمی ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے، خاص سیاق وسباق کے ساتھ یہ کہہ کر ساکنانِ آفاق پر حجت تمام کی گئی:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (158:07)

اسی طرح متعدد احادیث میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اس خصوصیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً صحیحین میں حضور ﷺ نے اپنی نبوت ورسالت کے جن خصائص کو خود شمار فرمایا ہے اس میں متذکرۃ الصدور وصف بھی شامل ہے۔ چنانچہ بخاری میں اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطھنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِیَاء کے ضمن میں یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ:

وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَآصَّۃً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَافَّۃً جبکہ صحیح مسلم (کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ کے تحت روایت جابرؓ) کے الفاظ یہ ہیں کَانَ کُلُّ نَبِیٍ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَبُعِثْتُ اِلَی کُلِّ اَحْمَرَ وَ اَسْوَدَ۔

اور روایت ابی ہریرہؓ میں فرمایا گیا

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون

''میں تمام مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور نبوت مجھ پر ختم کی گئی۔''

بہر حال مندرجہ بالا آیات و احادیث اور تفصیلات سے دو باتوں کی وضاحت بخوبی ہو جاتی ہے:

اولاً یہ کہ ہدایت ربانی اور تاریخ نبوت ورسالت کے حوالے سے ایک دور وہ ہے جو دنیا میں آنحضرت ﷺ کے ظہور و بعثت سے پہلے گذرا اور جس میں (حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک آنے والے) تمام انبیاء و رسل داخل ہیں۔ چونکہ تمام حضرات بہ تحدید زمان و مکاں مختلف قوموں میں مبعوث فرمائے جاتے رہے، اس لیے عقلاً ونقلاً بھی ان نفوسِ قدسیہ کا دائرۂ اصلاح وارشاد محدود رہا اور ان کی نبوت ورسالت بھی ملکی، قبائلی، قومی اور بہر نوع مخصوص رہی۔ چنانچہ اس اصولی حقیقت کی مزید تائید ارشاد ربانی: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلاً اِلٰی قَوْمِھِمْ سے بھی ہوتی ہے اور تاریخی واقعات اور انبیاء ورُسل کے حالات سے بھی۔

ثانیاً حضور اکرم ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کو تمام جہان کے لیے پیغمبر

عالم، پیغمبر انسانیت بنا کر بھیجا گیا۔ (گویا الہامی ہدایت اور نبوت و رسالت کا مبارک عہد جو حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور و بعثت سے شروع ہوا ہنوز جاری و ساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا) یہاں ختم نبوت کے مضمرات و متضمّنات سے بحث کا موقع نہیں ہے لیکن جیسا کہ علامہ اقبال نے بیان کیا ہے، اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا مشن عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ ختم رسالت دائمی شانِ نبوت کی مظہر ہے اور یہ کہ ''رسالت محمدیہ قدیم اور جدید اَزمنہ کے درمیان ایک قوت رابطہ ہے، بہ اعتبار سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی کے حضرت رسول اکرم ﷺ قدیم زمانے سے مرتبط ہیں، مگر اپنی دعوت، پیغام اور استقرائی راہنما تعلیم کے ذریعے وہ جدید دنیا سے بھی وابستہ ہیں۔ یوں ختم نبوت دراصل قدیم و جدید کا نقطۂ ارتکاز ہے۔''

ہادیٔ عالم نبی معظم محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر، ابدی اور آفاقی ہے اس لیے آپ ﷺ کی یہ حیثیت بجائے خود اس بات کی متقاضی تھی کہ آپ کا لایا ہوا دین و پیغام ابدی، آفاقی اور عالمگیر ہو، چنانچہ سیّد الرسل ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اور جو آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور تبلیغ و تعلیم کا محور بنی وہ بھی ابدی، آفاقی اور عالمگیر رُشد و ہدایت کا منبع ہے۔ اس کتاب (قرآن) کا تخاطب بھی تمام انسانوں سے ہے اور وہ تمام عالم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے، ہر عہد اور ہر زمانے کے لیے نسخۂ شفا، ضابطۂ حیات و نوشتۂ نجات بن کر نازل ہوئی۔

اللہ ربّ العالمین کے فرستادہ نبی، برگزیدہ رسول، ہادیٔ کائنات اور پیغمبر انسانیت ہونے کی حیثیت سے ختم الرسل ﷺ کا فرض منصبی تھا کہ رحمۃ اللہ علیہ

(i) تبلیغِ دین اور ابلاغ حق فرمائیں اور اللہ نے جو پیغام عطا فرمایا ہے اسے من وعن بندگانِ خدا تک پہنچا کر حق امانت ادا کریں۔

(ii) تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب و حکمت، تزکیۂ نفوس و قلوب اور تفسیر و تشریح کتاب فرمائیں۔

(iii) جو سعید روحیں پیغام حق کو قبول کریں، انہیں فوز و فلاح کی بشارت سنائیں اور جو شقی القلب دعوت ربانی کو ٹھکرانے پر تل جائیں انہیں اُخروی نتائج اور انجام بد سے ڈرائیں۔

(iv) جہد مسلسل اور سعی پیہم سے دینِ حق کو دنیا میں غالب فرمائیں۔

(v) لوگوں کے معاملات کا فیصلہ وحیٔ الٰہی کی روشنی میں فرمائیں اور انہیں عدل اور قسط پر قائم فرمائیں۔

حضور سیّد عالم ﷺ نے اپنے فرائض منصبی کو پورے اخلاص، للّٰہیت، محبت و شفقت، رافت و رحمت اور جاں گدازی و جاں سپاری کے ساتھ ادا فرمایا اور اہل عالم کے سامنے سیرت کا ایسا نمونۂ کامل پیش فرمایا کہ بالآخر حجت تمام ہوگئی۔ اور پھر تقریباً تیئس سال کی شدید ترین مشکلات، صبر آزما حالات اور ناقابل تصور مصائب کے علی الرغم، صبر و استقلال ختم المرسلین اور الوالعزمیٔ رحمت للعالمین کے نتیجے میں ہر قسم کے (سیاسی، معاشرتی اور معاشی) ظلم و استحصال سے پاک (عدل و احسان پر مبنی) ایک ایسا ماحول، ایسا معاشرہ قائم ہوگیا جو پوری تاریخ انسانیت میں مثالی حیثیت رکھتا ہے اور ایک ایسی ریاست وجود میں آگئی جو دس سال کے انتہائی مختصر عرصے میں عرب کی وسعتوں پر چھاگئی اور اس میں رہنے والے باشندے دین و دنیا کی برکتوں سے متمتع ہونے لگے۔ اور اس کے ساتھ ہی وقت بھی آگیا کہ دین حق غالب ہوا۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ اسلامی معاش، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی ریاست کی تشکیل و تعمیر مکمل ہوئی، باطل قوتیں مغلوب ہوئیں اور سیّد المرسلین، محبوب ربّ العالمین کا مقدس مشن بھی پورا ہوا جو اُن حضرات انقیاء پر علی سبیل الانفراد مقرر ہوا تھا اتمام و اکمال سے ہمکنار رہوا۔

بالآخر وہ منزل آگئی جبکہ ہادی و رہبر سیّد و سرور خاص پیغمبر ﷺ نے حجۃ الوداع کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ تک کا عظیم سفر ذی قعدہ، ذی الحجہ 10ر ہجری مطابق فروری، مارچ 632ء میں اختیار فرمایا، یہی آپ ﷺ کا پہلا اور آخری حج تھا اور اسی یادگار حج کے دوران آپ نے وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جو نہ صرف یہ کہ تاریخ رسالت و نبوت میں بلکہ تاریخ انسانی میں بھی انقلاب آفریں حیثیت رکھتا ہے۔ اور جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے زبان زدِ خاص و عام ہے لیکن اسے بجا طور پر ایک حقیقی خطبۂ انقلاب کہا جاسکتا ہے۔

632ء میں
اعلانِ مکہ کے وقت عالمی منظر نامہ

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے ایک لمحہ ٹھہر کر ذرا یہ غور فرمالیجیے کہ وہ وقت، وہ زمانہ اور موقع ومحل کیا تھا اور نقشۂ عالم پر تہذیبی، تمدنی، مذہبی اور سیاسی حوالے سے کن علاقوں کو کیا اہمیت حاصل تھی۔

یہ واضح ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے جبکہ پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبۂ انقلاب ارشاد فرمایا تھا۔ اس وقت کی آباد دنیا بہرحال آج کل کی طرح وسیع نہ تھی۔ امریکہ کے دونوں براعظم ہنوز گوشہ گمنامی میں تھے۔ آسٹریلیا دریافت نہ ہوا تھا۔ افریقہ کے بڑے حصے پر آفتاب تمدن کی روشنی نہ پہنچ سکی تھی، ایشیا و یورپ کے انتہائی شمالی علاقے اُجاڑ اور غیر آباد تھے۔ ہاں البتہ عرب، چین، ہندوستان، ایران، عراق، شام، مصر، مغرب اقصیٰ، حبشہ، یونان، اطالیہ، فرانس، اسپین، جنوبی روس، بحیرۂ بالٹک کا مشرقی اور جنوبی حصہ، جٹ لینڈ، اسکینڈے نیویا اور برطانیہ وغیرہ میں اگرچہ تہذیب وتمدن کی روشنی موجود تھی مگر کہیں تیز کہیں مدھم۔ یعنی یہ ظاہر ہے کہ ہر جگہ نہ تہذیبی وتمدنی ترقی یکساں ہوئی تھی نہ سیاست مذہب اور اخلاق ومعاشرت کا حال ایک جیسا تھا، مجموعی طور پر اس زمانے کے فرمانرواؤں، سلطنتوں اور حالات کا خلاصہ ذیل میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

☆ **چین** چین میں تانگ خاندان برسراقتدار تھا جس کا بانی اور پہلا فرمانروا اگرچہ جنرل لی یوآن تھا جو 726ء تک حکمراں رہا لیکن اس وقت جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطبۂ انقلاب معمورۂ عالم میں گونجا، وہاں تائی شنگ (TAITSUNG) برسراقتدار تھا۔ جس نے 627ء سے 649ء تک حکومت کی۔ اسی کے زمانے میں آنحضرت ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا۔

اس کا زمانہ حکومت اگرچہ سیاسی اور تمدنی لحاظ سے کامیاب رہا لیکن بدھ مت کے دینی مذہبی اور اخلاقی انحطاط کو وہ بھی نہ روک سکا۔

☆ **کمبوڈیا** کمبوڈیا وغیرہ میں کھمیر خاندان برسرِ حکومت تھا۔ جس کا دور 606ء سے 1300ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران اگرچہ علاقائی تمدن پھولا پھلا لیکن اصنام پرستی کے سبب مذہبی، اخلاقی حالت بہت پست رہی اور انسانیت ذلیل وخوار۔

☆ **ہندوستان** ہندوستان میں ہندو دور کا آخری عظیم فرمانروا ہرش وردھن تھا جو 606ء میں تخت نشین ہوا اور 647ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی حدودِ سلطنت میں دو مذاہب یعنی ہندو مت اور بدھ مت کا زور تھا مگر دونوں رُو بہ زوال تھے اور دونوں کی صورت مسخ ہو چکی تھی۔

☆ **ایران** ایران میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ خسرو پرویز (جس نے ہادی عالم ﷺ کے نامہ مبارک کو از روئے گستاخی چاک کر ڈالا تھا) کے قتل (628ء/7ھ) کے بعد سے 632ء تک (یعنی جبکہ آپ ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا) بارہ حکمرانوں نے لیلیٰ اقتدار کو گلے لگایا۔ اس زمانے کا ایران، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے زوال وپستی کا عبرتناک منظر پیش کرتا ہے۔

☆ **سلطنت رومہ** سلطنت رومہ پر اس وقت ہرقل اعظم (610ء تا 641ء) برسر اقتدار تھا اور مصر وحبشہ، تیونس، طرابلس وغیرہ سلطنت رومہ کے صوبے تھے۔

☆ **فرانس** فرانس میں یہ زمانہ شاہ فرانس ڈیگورٹ اوّل (628ء تا 639ء) کا تھا جس کے فوراً بعد ہی شاہی خاندان کا زوال شروع ہو گیا تھا عیسائیت کا شیوع اس وقت وہاں ہو چکا تھا۔

☆ **اطالیہ** اطالیہ پر مغربی قوط (GOTH) کا حکمران سائبرٹ تھا جو یہودیوں پر مظالم کے لیے مشہور ہوا۔

☆ **جزائر برطانیہ** جزائر برطانیہ میں اس وقت اینگلو سیکسن قبائل کا فرمانروا شاہ ایڈرن (616ء تا 633ء) تھا۔ اس وقت تہذیبی وتمدنی اعتبار سے انگریز قوم بہت پسماندہ تھی اور اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں نیم وحشی قبائل کا تسلط تھا جو اکثر وبیشتر انگلستان پر حملہ آور ہوتے اور لوٹ مار

کرتے رہتے تھے۔

☆**یورپ** یورپ کے دیگر علاقوں میں نیم وحشی، نیم مہذب قبائل (مثلاً نارسیمین، سوئیڈس، قریشنس، سلانی، آوارامگیار وغیرہ) کا بہت عمل دخل تھا جو زیادہ تر اصنام پرست تھے۔

☆**الجیریا اور مراکش** الجیریا اور مراکش میں بربر آباد تھے اور وہ بھی اصنام پرست تھے۔

یہ ہے وہ مختصر سا عالمی تاریخی پس منظر جو ظاہر کرتا ہے کہ جس زمانہ میں پیغمبر انسانیت ﷺ نے اپنا خطبۂ حجۃ الوداع یعنی پہلا انسانی عالمی منشور ارشاد فرما کر بنی نوع انسان کو زندگی اعلیٰ ترین رفعتوں سے ہمکنار فرمایا، وہ اس کا بہترین اور مناسب ترین موقع تھا۔ کیونکہ دنیا میں خشکی و تری ہر جگہ فساد ہی فساد بپا تھا۔ انسانیت قعر مذلت کے کنارے کھڑی تھی اور چار دانگِ عالم کی فضائے بسیط میں کہیں کوئی زندگی آمیز و زندگی آموز پکار، کوئی حیات بخش و حیات افزا پیغام نہ گونجا تھا۔ کہیں کوئی منشور انسانیت، کوئی فرمان آدمیّت، کوئی نوشتۂ نجات، کوئی چارٹر موجود نہیں تھا۔

اِبلاغِ حق کا نقطۂ کمال

نبوت ورسالت کا بنیادی تقاضہ اور فرضِ منصبی بہر حال ابلاغ پیغام ربانی ہے۔ (مَاعَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلَاغ) ہر نبی ورسول کی مساعی حسنہ کا تمام تر ہدف، تبلیغ و تلقین حق ہے۔ اس اعتبار سے خطبۂ حجۃ الوداع کی صورت میں آنحضرت ﷺ نے بحیثیت رسول ابلاغ حق کو اس نقطۂ کمال تک پہنچادیا جس سے آگے کوئی حد کمال نہیں کہ تفویض رسالت میں تبلیغ وترسیل دعوت کا جوفرض پنہاں تھا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ (67:05) اور جس کا علی الاعلان آغاز مکۃ المکرّمہ (میں خطبۂ کوہ صفا) سے ہوا تھا۔ اس کا اِکمال واتمام بھی اسی سرزمین پر (جبل الرحمت / عرفہ / منیٰ / یعنی مضافات مکۃ المکرّمۃ میں ہی اس وقت خطبۂ حجۃ الوداع پر ہورہا تھا۔ یہی وہ موقع تھا جبکہ کم ازکم لاکھ، سوالاکھ بندگانِ خدا کے مجمع عام سے حضور سرورعالم ﷺ نے باربار استفسار فرمایا تھا کہ بتاؤ؟ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ (اَلَا هَلۡ بَلَّغۡتُ؟) تو تمام انسانوں، تمام مسلمانوں، تمام حاضرین نے بہ یک آواز، بہ یک دل، بہ یک زبان، بہ یک وقت اقرار کیا تھا کہ ہاں بے شک! ہم اس کی شہادت یقیناً دیں گے کہ آپ ﷺ نے (اللہ کی) امانت (دین ہم تک من وعن) پہنچادی اور نبوت ورسالت کا حق ادا فرما دیا: نَشۡهَدُ اَنَّكَ قَدۡ اَدَّیۡتَ الۡاَمَانَةَ وَ بَلَّغۡتَ الرِّسَالَةَ وَ نَصَحۡتَ

حیات رسول ﷺ میں (حجۃ الوداع کے موقع پر) ابلاغ حق کا یہ درجۂ کمال یکا یک نہیں آیا۔ اس کے پیچھے دراصل ۲۳ سالہ داعیانہ، مبلّغانہ، پیغمبرانہ مساعی کا تسلسل موجود ہے۔ جس کا آغاز اسی وقت سے ہوگیا تھا جبکہ آپ ﷺ کو کار نبوت ورسالت پر فائز کیا گیا اور آپ ﷺ نے تمام تر موانع ومشکلات کے علی الرغم، پورے صبر وثبات، انتہائی عزم واستقلال سے اس منصب کے تقاضوں کو پورا فرمایا، اور پیغام خداوندی کو بندگان خدا تک پہنچانے کے لئے (وحیٔ الٰہی،

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ

تبلیغ وترسیل (COMMUNICATION) کا ہر وہ معروف واحسن ذریعہ/وسیلہ اور طریقہ کار (MECHANISM) استعمال، اختیار فرمایا جو تبیینِ کلام الٰہی اور ابلاغ پیغام ربانی میں، ہر سامع و ناظر اور ہر مخاطب، حاضر وغائب کے دل پر دستک دے سکے تا آنکہ اس کے ذہن میں شک و ریب کا کوئی کانٹا اور ابہام واشکال کا کوئی رخنہ، باقی نہ رہنے پائے۔ یہاں حوالوں اور مثالوں کا تو موقع نہیں لیکن ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ داعیٔ اعظم ﷺ نے فرد واجتماع سے رابطے کی تمام شکلوں اور تعلیم وتعلّم کی تمام صورتوں کو اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ نطق وبیان، خطبۂ وتقریر، وعظ وتلقین، حکمت وموعظت، پند ونصیحت، مذاکرہ ووصیت، تعلیم وتدریس، تشریح وتسہیل، رمز واشارہ تفسیر و کنایے کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جسے بہ حد کمال اسوۂ رحمۃ للعالمینی میں نہ دیکھا جا سکے۔

عہد جدید میں علوم وفنون ابلاغ عامہ کے حوالے سے یہ بات مسلمات میں داخل ہے کہ ابلاغ کے پورے عمل کا مدار کلیۃ انسانی رویے (HUMAN BEHAVIOUR) پر ہوتا ہے۔ نیز ابلاغ عامہ (MASS COMMUNICATION) کے دوران تبلیغ وترسیل کے طریقوں وذرائع سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی پیغام، دعوت، مدعا، مضمون، نقشہ، خاکہ، کتنا معنی خیز، کیسا سریع الاثر اور کس درجہ نتائج افروز ہے۔ اس جہت سے بھی سیرت مبارکہ ومطہرہ کا مطالعہ اجالا بخشتا ہے۔ چونکہ انسانی رویے کے ہمہ جہتی حسن کے حوالے سے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام (وانك لعلی خلق عظیم کی رو سے) اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز تھے اور آپ ہر مرحلے، ہر لمحہ زندگی میں حسن قول وعمل کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنے بدترین دشمنوں کے دل بھی فتح کرتے رہے۔ (حالانکہ عام حالات میں دشمنوں تک کسی بات کی رسائی تقریباً ناممکن ہے) وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ O وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَ لَاالسَّیِّئَۃُ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ O اس لیے ظاہر ہے کہ ابلاغ حق کا کامل ترین نمونہ بھی گویا آپ کی حیات مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کے ہاتھوں متشکل ہوا۔ آپ ﷺ کا پیغام واقعتاً اتنا ہی معنی خیز، اس درجہ سریع الاثر اور ایسا نتائج افروز ثابت ہوا جس کے اثرات وثمرات کو دنیا بچشم حیرت حجۃ الوداع میں دیکھ رہی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابلاغِ حق کے لیے آپ ﷺ کی شبانہ روز کوششوں کے خاطر خواہ

مثبت نتائج حجۃ الوداع سے پہلے ہی نظر آنے لگے تھے۔ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد عامۃ الناس کا قبول اسلام (یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا) پھر غزوۂ تبوک (۹ھ) کے بعد عام الوفود (۹ھ) میں اطراف واکناف عرب سے لوگوں کا (اظہار طاعت، استفسار، تعلیم، توضیح اور تبلیغ کے لیے) خدمت نبوی ﷺ میں آنا اور پھر ۱۰ھ میں (خطبۂ حجۃ الوداع سے پہلے حضور ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کے انتقال کے بعد ایک خطبے کے دوران) لوگوں کا یہ صاف صاف اقرار کہ: نَشۡهَدُ اَنَّكَ قَدۡبلغت رسالات ربك وَ نَصَحۡتَ لامتك و قضيت الذى عليك۔ (ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کا پیغام بلاکم وکاست ہم تک پہنچا دیا امت کو نصیحت سے سرفراز فرما دیا اور اپنا فرض کما حقہ ادا فرما دیا) ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے فرضِ منصبی کو نہ صرف یہ کہ وقت مقررہ پر ٹھیک ٹھیک ادا فرما دیا تھا بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ابلاغِ حق اپنے درجہ تمام وکمال تک آپ ﷺ کے اپنے عہد مبارک میں ہی پہنچ گیا تھا۔ پھر حجۃ الوداع میں یہ کمالِ ابلاغ بہ درجہ غایت اس طرح موکد ومتحقق ہوگیا کہ ہر شریک بزم، ہر حاضر وناظر، ہر سامع ومخاطب، کھڑے بیٹھے ہر حال میں، ہر جگہ، خطبہ رسالت مآب ﷺ کے ہر ہر لفظ کو سن رہا تھا بلکہ گویا حرف حرف گن رہا تھا، یہاں تک کہ ہر زبان، دل نے ابلاغ حق کی گواہی دی اور وحی الٰہی اَلۡيَـوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ (03:05) کا نزول ساتھ ساتھ ہوا۔

لیکن ایک اور جہت سے ابلاغ حق کا کمال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے عالمی ابدی پیغام کو فَلۡيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الۡغَائِبَ کے طلسمی ابلاغی الفاظ میں مقید کر کے ایک نغمہ سرمدی کی صورت میں ڈھال دیا، گویا آنے والا ہر زمانہ خطیب عصر، خطیب زماں، سرور کون ومکان ﷺ کی دسترس میں یوں ہے کہ ابلاغی تسلسل کبھی بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ صلاح وفلاح بشر کا وہ آخری پیغام پوری انسانیت کے لیے تھا اور ہر زمانے کی بنیادی ضرورت تھا۔ خطبۂ جلیلہ میں آپ ﷺ نے خود ہی فرما دیا تھا: الا! كل نبى قد مضت دعوته الا دعوتى فانى قدذخرتها عند ربى الى يوم القيامة۔ اور شاید یہی وہ موقع تھا جبکہ عہد نامہ قدیم میں درج یہ الفاظ حقیقت کا روپ دھار رہے تھے کہ: ''خداوند فرماتا ہے کہ میری روح جو تجھ پر ہے اور میری باتیں جو میں نے تیرے منہ میں ڈالی ہیں، تیرے منہ سے اور تیری نسل کے منہ سے، اب سے لے کر ابد تک جاتی نہ رہیں گی، خداوند کا یہی ارشاد ہے۔

تعمیرِ حیات کا عملی خاکہ

حضور سیّدالانبیاء والمرسلین ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع ہر قسم کے منفی رجحان سے ماورا خالص مثبت رویے اور اصولی تعلیمات کا مظہر تھا۔ اسلام جس دعوت و تعلیم کا مدعی ہے اس کا عملی نمونہ تو اس زمین پر جیتے جاگتے انسانوں کے درمیان پہلے ہی قائم کیا جا چکا تھا۔ البتہ اِتمامِ حجت کی خاطر اور ابلاغِ حق کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ اس وقت سے ۲۳ سال پہلے صفا کے پہاڑی وعظ سے جس عالمی دعوت کا آغاز کیا گیا تھا اسے اتمام و اکمال کی منزل پر پہنچاتے ہوئے چند فقروں، چند باتوں کی صورت میں اسی سرزمین پر کوہِ عرفات کے دامن سے آخری بار پھر نشر کر دیا جائے اور اس دین کی مبادیات و اساسیات کا احاطہ کر دیا جائے جس کی تبلیغ و اشاعت کے آپ مکلّف بنائے گئے تھے۔ یہ رعایت بھی تھی کہ اسلام کے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور ثقافتی نظام کی ان اقدار کو واضح کر دیا جائے جو آئندہ آنے والے زمانوں میں کارفرمائی کی مستحق تھیں اور جن کی تعمیل میں ہی انسانیت کی نجات مضمر تھی۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں زبانِ وحی ترجمان سے جو کچھ ارشاد ہوا اس کے بارے میں اس حقیقت کا ادراک بہت ضروری ہے کہ وہ محض منصوبہ، خیالی باتیں، واعظانہ موشگافیاں، آئندہ کا پروگرام، یا خواہشات و توقعات یا صرف تجاویز یا سفارشات قسم کی چیز نہ تھا، بلکہ دین الٰہی کا عملی، تاریخی تعبیری خاکہ اور دینِ شریعت کی تقریبِ تکمیل تھی، جس کا اعلان فاطر السماوات والارض نے ان الفاظ کی گونج میں فرمایا کہ:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (03:05)

اس نکتہ کی اہمیت ومعنویت ان لوگوں کے ذہنوں میں زیادہ اجاگر ہو سکے گی جو یہ جانتے ہیں کہ عصر حاضر کی وہ دستاویز جو حقوق انسانی کی نقیب سمجھی جاتی ہے اور جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا تھا تجویز وسفارش سے زیادہ اہمیت نہیں تھی اور کسی مملکت کے لیے UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS کا تسلیم کرنا لازمی ولابدی نہیں ہے۔ ایک مصنف کے بقول ''یہ منشور تحفظ حقوقِ انسانی کے معاملے میں بالکل ناکارہ اور ناقابل اعتماد دستاویز ہے.....اس منشور کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے، قانونی نقطۂ نظر سے اس کا کوئی وزن ومقام نہیں۔ اس منشور کی رو سے جو معاشی اور سماج حقوق منظور کیے گئے ہیں وہ ایک بالغ نظر مبصر کے مطابق، اس اصطلاح کے تسلیم شدہ مفہوم کی رو سے حقوق ہی نہیں ہیں، یہ تو سماجی اور معاشی پالیسیوں کے محض اصول ہیں۔ بلکہ کمیشن برائے انسانی حقوق میں ۱۹۴۷ء کو طے کیے جانے والے اصول کی روشنی میں گویا منشور کے اعلان سے ایک سال قبل ہی یہ طے ہو گیا کہ اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی کوئی ملک چاہے تو اس منشور پر ازخود رضا کارانہ طور پر عملدرآمد کر سکتا ہے اور چاہے تو اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں بھی پھینک سکتا ہے۔

اس کے برعکس خطبہ حجۃ الوداع میں ''فرمودات نبوی ﷺ عملی ترغیب اور حکم کا درجہ رکھتے ہیں اور ان سے سرتابی، ان کی نافرمانی نہ صرف یہ کہ صلاح وفلاح آدمیت وانسانیت میں حارج ہے بلکہ دین ودنیا دونوں میں نقصان وخسران کا باعث ہے۔ خطبہ جلیلہ میں زندگی کے ان اصولوں کا دوٹوک بیان ہے جن پر تعمیر حیات کا اصل مدار ہے اور جن کے بغیر شعوری زندگی کا کوئی نقشہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ خطبہ مبارکہ میں ان تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے جو دراصل پورے دین حق کی زندگی وتابندگی کا ثبوت ہیں اور جن کو روبہ عمل لائے بغیر کسی کامیاب انسانی معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں۔

بنیادی انسانی حقوق کا عالمی منشور

خطبہ حجۃ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا ایسا عالمی منشور ہے، جو پیغمبر انسانیت، محسن عالم ﷺ کی طرف سے جاری کیا گیا۔ سیدھا، صاف، سچا فرمان۔ اس منشور اعظم کا اجراء نہ کسی سیاسی مصلحت کا نتیجہ تھا نہ کسی وقتی جذبے کی پیداوار، یہ نہ کسی طبقہ یا گروہ کی طرف سے دباؤ یا دھونس، دھاندلی سے متاثر ہو کر جاری کیا، گیا نہ کسی حال واحوال کا تابع تھا نہ کسی معاہدے کی تکمیل۔ یہ دراصل وہ خطبہ انقلاب تھا جو ہر قسم کی انسانی، حکومتی، سیاسی، معاشرتی، معاشی یا معاہداتی منظوری سے بے نیاز وقت کی آواز بن کر گونجا اور تمام انسانوں کے حقوق کے محافظ ونگران کی حیثیت سے ابھرا اور آئندہ آنے والے تمام زمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے شرفِ آدمیت و احترام انسانیت کے چراغ روشن کر گیا۔

ہمارا یہ بیان محض لفاظی یا عبارت آرائی قرار نہیں دیا جا سکتا اگر ہمارے سامنے عہد و جدید میں بہت شہرت پانے والے اعلانات، معاہدات، دستاویزات اور نوشتہ ہائے حقوق کی حقیقت و ماہیت آشکار ہو جائے۔ مثلاً آج کل انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث کا نقطہ آغاز بالعموم ''میکنا کارٹا'' کو قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ اس منشور کا اجراء شہنشاہ انگلستان (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شیر دل کے بھائی) جان (1199ء تا 1216ء) نے تیرھویں صدی عیسوی (جون ۱۲۱۵ء) میں کیا تھا۔ اور وہ بھی کس طرح؟ صریحاً سیاسی مصلحت کے تحت اُمراء کی بغاوت کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے اور حالات کے وقتی حل کے لیے ''میکنا کارٹا'' جاری کیا گیا۔ مطلب بالکل صاف ہے کہ اس میں کسی لحاظ سے ابدی، آفاقی، انسانی، عالمی پہلوؤں کی کارفرمائی موجود نہ تھی اور چونکہ اس منشور کا اجرا برطانوی تاریخ کے ایک

مخصوص زمانے، مخصوص حالات میں، مخصوص مقاصد کے پیش نظر، محدود عرصے کے لیے ہوا تھا اس لیے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی افادیت بہت حد تک محدود، عارضی، وقتی اور مقامی تھی۔

علاوہ ازیں جس زمانے (جون ۱۲۱۵ء/۱۳ویں صدی وعیسوی) میں میگنا کارٹا کو جاری کیا گیا اس وقت تک مسلمانوں کی تاریخ سینکڑوں نشیب وفراز دیکھ چکی تھی اور اسلام کے عطا کردہ حقوق اور آزادیوں کا شہرہ چہار دانگ عالم میں ہو چکا تھا اور دنیا کے مختلف حصوں میں مندرجہ ذیل مسلمان حکمران انسانی آزادیوں اور حقوق کی پاسداری کر رہے تھے۔

(i) خلافتِ عباسیہ بغداد۔ خلیفہ ابوالعباس احمد بن مستفی (ناصر دین اللہ) (۵۷۵ تا ۶۲۲ھ / ۱۱۷۹ء تا ۱۲۲۵ء)

(ii) ایوبیہ مصر۔ ملک عادل سیف الدین ابوبکر بن ایوب (۵۹۶ تا ۶۱۵ھ/ ۱۲۰۰ تا ۱۲۱۸ء)

(iii) موحدین اندلس۔ ابوعبداللہ محمد الملقب بہ ناصر (۵۹۵ تا ۶۱۰ھ/ ۱۱۹۹ تا ۱۲۱۴ء)
سلطان ابویعقوب الملقب بہ مستنصر (۶۱۰ تا ۶۲۰ھ/ ۱۲۱۴ تا ۱۲۲۳ء)

(iv) خاندانِ غلاماں (ہندوستان) سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷ تا ۶۲۳ھ/ ۱۲۱۰ تا ۱۲۲۶ء)

ان حقائق کے پیش نظر بہ آسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میگنا کارٹا کی اولیت عالمی تاریخی پس منظر اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے حوالے سے میزانِ عدل پر کیا وقعت رکھتی ہے؟

میگنا کارٹا کے اجرا پر پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے بعد فرانس کے اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان (۱۷۸۹ء) نے بھی شہرت پائی۔ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلابِ فرانس کے پس پشت کارفرما تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کا پہلا اعلان تھا جس نے آزادی کی شمع روشن کی۔ عہد جدید کی ایک اور اہم دستاویز امریکی نوشتہ حقوق (BILL OF RIGHTS) مجریہ 1791ء ہے۔ جو فرانس کے اعلان حقوق انسانی کی طرح دستوریت اور قانونیت کی اعلیٰ مثال خیال کی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ مدعا واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور ہونے کی اصل مصداق اگر کوئی دستاویز ہو سکتی ہے تو یہی خطبہ حجۃ الوداع کی دستاویز ہے اور اگر کوئی اعلان، منشور، دستور، نوشتہ بہ درجہ آفاقیت، انسانی حقوق اور آزادیوں کی ضمانت بن سکتا ہے تو وہ بجز خطبہ

انقلاب، خطبہ رسالت مآب ﷺ کوئی نہیں اور عرصہ تاریخ میں اوّلیت کا تاج صرف خطبہ حجۃ الوداع کو ہی پہنایا جا سکتا ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں دیے گئے حقوق، ضمانتیں اور آزادیاں کسی مرد، ادارہ، کسی اجتماع، گروہ یا حکومت وسلطنت کی منظوری تائید وتجویز سے مشروط نہ تھیں بلکہ اللہ ربّ العالمین کی حاکمیت کے تحت حاصل کردہ اختیارات سے کام لیتے ہوئے ہادیٔ اعظم سرور عالم ﷺ جس منشور انسانیت کا اجراء فرما رہے تھے وہ اسی لمحے نافذ العمل ہوگیا اور قیامت تک کے لیے واجب الاذعان قرار پایا۔

انسانیت کے نام
آخری پیغام

یہ خطبہ (حجۃ الوداع) اللہ کے آخری رسول کا انسانیت کے نام آخری پیغام اور آخری وصایا کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ عظیم میں ان عظیم الشان اصولوں کا اعلان فرمایا گیا جو عالم انسانیت کی ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے۔

زبان رسالت کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ:

یہ خطبہ زبان رسالت مآب ﷺ کی اعجاز آفرینی کا نادر نمونہ ہے۔ جس میں بہ طرزِ ایجاز واطناب اور بہ کمال جامعیت، دین ومذہب اسلامی کا خلاصہ، تمدن ومعاشرت کے اصولوں، نظام حیات کی اساسیات، اجتماعی زندگی کی بنیادوں اور اصول ومعنوی اقدار کا روشن بیان موجود ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع سے مستعار

فکر انسانی کے تجویز کردہ ناقص عالمی منشور

1۔اقوامِ متحدہ کا منشور۔دسمبر 1948ء

تعارف

یہ منشور دراصل وہ اعلان ہے جو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں 10 دسمبر 1948ء کو زیر بحث آیا اور منظور ہوا۔ یہ منشور کل 30 دفعات پر مشتمل ہے اور جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی کوششوں کی معراج ہے۔

منشور، متن:

۱۔ تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور منصب و مرتبے اور حقوق کے معاملے میں سب برابر ہیں۔ وہ عقل و ضمیر سے بہرہ ور ہیں، اس لیے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے برادرانہ جذبے کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

۲۔ ہر فرد کسی بھی قسم کے لحاظ و امتیاز کے بغیر تمام حقوق و آزادیوں کا مستحق ہوگا جو اس منشور میں عطا کی گئی ہیں۔ مثلاً نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی یا سماجی حیثیت، ملکیت، پیدائش یا دوسرے امتیازات۔ مزید برآں اس بنا پر بھی امتیاز نہیں برتا جائے گا کہ کوئی شخص جس ملک یا خطے و علاقے سے تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی قانونی یا بین الاقوامی حیثیت کیا ہے۔ وہ ملک آزاد و خود مختار ہے، زیر تولیت ہے، حکومت غیر خود اختیاری یا کسی محدود اختیار کے تحت ہے۔

۳۔ ہر ایک کو زندہ رہنے، آزادی سے زندگی بسر کرنے اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۴۔ کسی بھی شخص کو غلام یا محکوم نہ بنایا جائے گا۔ غلامی اور غلاموں کی تجارت کی ہر قسم ممنوع متصور ہوگی۔

۵۔ کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم وستم، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک وسزا کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

۶۔ ہر ایک فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ قانون کی رو سے ہر جگہ اس کی شخصی حیثیت وانفرادیت تسلیم کی جائے۔

۷۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بلا کسی لحاظ وامتیاز کے یکساں قانونی تحفظ کے حقدار ہیں۔ نیز وہ ہر اس امتیاز کے خلاف بھی یکساں تحفظ کا حق رکھتے ہیں جو اس منشور کی خلاف ورزی پر مبنی ہو یا جہاں اس قسم کے امتیاز کی تحریص وترغیب پائی جائے۔

۸۔ ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق کے منافی قوانین کے خلاف یا اختیار قومی ٹریبونل کے ذریعہ مؤثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

۹۔ کوئی شخص بلا جواز گرفتاری، نظر بندی، یا جلاوطنی کا مستوجب نہیں ہوگا۔

۱۰۔ ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق وفرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برأت کے لئے آزاد وخود مختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا یکساں حق حاصل ہوگا۔

۱۱۔ (i) ہر ایک فرد جس پر تعزیری جرم کا الزام ہے، اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بے قصور گردانا جائے تا آنکہ اسے کسی کھلی عدالت میں قانون کے مطابق مجرم ثابت کر دیا جائے۔ جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضروری ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

(ii) کسی فرد کو نہ کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بنا پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار دیا جا سکے گا جو اپنے وقوعے کے وقت کسی قومی یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ سمجھا جا سکے۔ نہ ہی کوئی جرمانہ یا تاوان اس سے زیادہ عائد کیا جا سکے گا جو ارتکاب کے وقت قابل اطلاق تھا۔

۱۲۔ کسی فرد کی خلوت، گھر بار، خاندانی معاملات اور خط وکتابت میں بلا جواز مداخلت نہیں کی جا سکے گی اور نہ اس کی عزت شہرت کو مجروح کیا جائے گا۔ ہر ایک فرد اس قسم کی بے جا

مداخلت یا جراحت کی صورت میں قانونی تحفظ کا حقدار ہے۔

۱۳۔ (i) ہر فرد کو اس کی اپنی ریاست کے حدود میں نقل وحرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

(ii) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ کسی بھی ملک کو بشمول اس کے اپنے ملک کو چھوڑ کو چلا جائے اور پھر اپنے ملک واپس پہنچ جائے۔

۱۴۔ (i) ہر فرد کو ظلم وتشدد سے بچنے کے لیے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہے۔

(ii) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول ومقاصد کے منافی اعمال کے سلسلے میں مقدمات سے بچنے کے لیے یہ حق البتہ کارآمد نہ ہوگا۔

۱۵۔ (i) ہر فرد کو حق شہریت حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق اس سے سلب کیا جائے گا۔

۱۶۔ (i) ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل، شہریت ومذہب شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہے، اور دونوں رشتہ ازدواج قائم کرنے میں، ازدواجی زندگی بسر کرنے میں اور ازدواجی حیثیت ختم کرنے میں برابر برابر حق رکھتے ہیں۔

(ii) رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لیے زن وشوہر کی مکمل آزادانہ مرضی ومنظوری ضروری ہوگا۔

(iii) خاندان معاشرہ کا بنیادی اور فطری رکن ہے۔ جسے ریاست او معاشرہ دونوں کی طرف سے مکمل تحفظ وسلامتی کی ضمانت حاصل ہے۔

۱۷۔ (i) ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔

(ii) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

۱۸۔ ہر فرد کو فکر وخیال، ضمیر، عقیدہ ومذہب کی آزادی حاصل ہے، اور اس حق میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے عقیدہ یا مذہب کو تنہا، یا دوسروں کی معیت میں خلوت میں یا جلوت میں تبدیل کر سکے اور اپنے عقیدے ومذہب کا اظہار، اس کی تعلیم، اس کے مطابق عمل، عبادت

اور تبلیغ و اشاعت کر سکے۔

۱۹۔ ہر فرد کو آزادی خیال و اظہار کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر کسی بھی ذریعے سے اور سرحدوں کا لحاظ کیے بغیر کوئی بھی رائے یا خیالات رکھنے، معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

۲۰۔ (i) ہر فرد کو پرامن اجتماع اور تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ii) کسی فرد کو کسی خاص تنظیم سے تعلق رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

۲۱۔ (i) ہر فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعہ اپنے ملک کی حکومت میں شرکت کرے۔

(ii) ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا حق مساوی طور پر حاصل ہے۔

(iii) حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و رضامندی ہو گی۔ اس کا اظہار معین وقت پر صحیح جائز انتخابات کے ذریعہ آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی یا اس کے مماثل طریقہ کار کے مطابق ہو گا۔

۲۲۔ ہر فرد کو رکن معاشرہ ہونے کی حیثیت سے سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے اور قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے اپنے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا بھی حقدار ہے۔

۲۳۔ (i) ہر فرد کا کام کرنے اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے بہتر اور منصفانہ شرائط کار حاصل کرنے اور بیروزگاری سے تحفظ پانے کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہر فرد بلا امتیاز یکساں کام کی یکساں اجرت پانے کا حقدار ہے۔

(iii) ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لیے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کر سکے اور ضرورت پڑنے پر اس کے سماجی تحفظ کے لیے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کیے جائیں۔

(iv) ہر فرد کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شرکت کرنے کا حق حاصل ہے۔

۲۴۔ ہر فرد کو راحت و آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق حاصل ہوگا۔

۲۵۔ (i) ہر فرد کو اپنی اور اپنے اہل خاندان کی صحت و خوشحالی کے لیے ایک معقول معیار زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد، ضروری سماجی خدمات شامل ہی۔ نیز یہ استحقاق بھی اسے حاصل ہے کہ بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور ایسے حالات میں جو اس کے قابو سے باہر ہوں، اسے تحفظ فراہم کیا جائے۔

(ii) امومیت یا مادریت اور شیر خوارگی، خصوصی توجہ اور امداد کی مستحق ہے اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز، یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

۲۶۔ (i) ہر فرد کو حصول تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم از کم اساسی اور ابتدائی مراحل میں مفت ہوگی۔ بنیادی تعلیم لازمی متصور ہوگی۔ البتہ تکنیکی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا حصول عام رکھا جائے گا اور اہلیت و قابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کے مواقع سب کو حاصل ہوں گے۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔ تعلیم سے تمام اقوام اور نسلی، مذہبی گروہوں کے درمیان افہام، تفہیم، تحمل، رواداری اور بھائی چارے کے فروغ میں مدد ملے گی اور اقوام متحدہ کی ان کوششوں کو بھی جو قیام امن کے لیے کر رہی ہیں۔

(iii) والدین کو بدرجہ اولیٰ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس نوعیتِ تعلیم کا خود انتخاب کریں جو وہ اپنے بچوں کو دلانا چاہتے ہیں۔

۲۷۔ (i) ہر فرد کو معاشرے کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، علوم و فنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ii) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی مفادات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

۲۸۔ ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرہ ور ہونے کی ضمانت ہو۔

۲۹۔ (i) ہر فرد پر اس معاشرہ کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

(ii) اپنے حقوق اور آزادیوں کے استقلال کے لیے ہر شخص صرف ان پابندیوں سے محدود رہے گا جو قانوناً عائد ہوتی ہیں جن کا مقصد کلیتاً دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور ان کی آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا اور ایک جمہوری معاشرہ میں اخلاق عام، نظم و ضبط اور مجموعی فلاح کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے۔

(iii) ان حقوق اور آزادیوں کو کسی حال میں اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

۳۰۔ اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جاسکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروہ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلاتا ہے جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں ہی کا صفایا کردے جو منشور میں عطا کی گئی ہیں۔

عَنْ جَرِيرٍ أَنَّ رَجُلًا	حضرت جریر سے روایت ہے کہ
أَتَى النَّبِيَّ ﷺ بَيْنَ يَدَيْهِ	ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے سامنے آیا
فَاسْتَقْبَلَتْهُ رِعْدَةٌ،	تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔
فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:	آپ ﷺ نے فرمایا:
هَوِّنْ عَلَيْكَ،	ڈرو نہیں،
فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ	میں بادشاہ نہیں ہوں۔
إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ	قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں
كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ	جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔

(المعجم الأوسط للطبرانی)

خطبہ حجۃ الوداع سے مستعار

فکر انسانی کے تجویز کردہ ناقص عالمی منشور

2۔میگنا کارٹا، انگلستان1225ء

تعارف:

☆ میگنا کارٹا، برطانیہ میں بنیادی حقوق کی اہم ترین اور تاریخی دستاویز ہے۔عہد جدید میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی بحث میں نقطہ آغاز بالعموم اسی دستاویز کو قرار دیا جاتا ہے۔اس منشور کو تیرھویں صدی عیسوی میں انگلستان کے بادشاہ (ہنری دوم کے بیٹے اور رچرڈ شردل کے بھائی) جان (۱۱۹۹ء تا ۱۲۱۶ء) نے جون ۱۲۱۵ء میں جاری کیا تھا۔

☆ میگنا کارٹا میں کل 63 دفعات ہیں۔ زیادہ تر دفعات اپنے زمانہ کی ضروریات اور حالات کی مطابقت میں لکھی گئی ہیں جن کے حوالے سے جابجا موجود ہیں۔البتہ بعض دفعات جو اصولی باتوں پر مشتمل ہیں اور جن میں انسانی حقوق اور آزادیوں کی جھلک موجود ہے ان کا مفہوم اور خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے:

متن، خلاصہ، دفعات:

سرنامہ: ہرگاہ کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، اپنی، اپنے آباء واجداد اور وارثوں کی روح کی بالیدگی کے لیے، احترامِ خداوندی کے اظہار، اور مقدس کلیسا کی عظمت وجلال کے لیے اور اپنی مملکت کے بہتر انتظام وانصرام کے لیے، اپنے مقدس مذہبی پیشواؤں اور اپنی اطاعت شعار رعایا کی ہدایت اور مشورے پر ہم نے اپنی طرف سے اور اپنے وارثوں کی طرف سے وہ تمام آزادیاں عطا کردی ہیں جن کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے:۔

(۱) انگریزی کلیسا آزاد رہے گا۔اس کے حقوق کم نہیں کیے جائیں گے اور اس کی آزادیاں متاثر

نہیں ہوں گی (ملاحظہ ہو۔ دفعہ نمبر ا)

(۲) عام نوعیت کے مقدمات کی سماعت عدالت شاہی میں نہیں ہوگی بلکہ کسی اور مقررہ جگہ پر کی جائے گی۔ (دفعہ ۱۷)

(۳) ضلعی عدالت کے انعقاد کے دن اگر مقدمات کی سماعت ممکن نہ ہو تو افسر مجاز (KNIGHT) (نائٹ) آزاد شہریوں کی اتنی ہی تعداد کے سامنے (جو عدالت میں موجود یا باقی رہ گئی ہو) سماعت کریں گے اور عدالت کی کاروائی کے لیے یہ کافی سمجھا جائے گا۔ (دفعہ ۱۹)

(۴) آئندہ کوئی سرکاری افسر کسی شخص پر خود اپنے ایسے بیان کی رو سے کوئی مقدمہ دائر نہ کر سکے گا جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور جس کی صداقت پر کوئی معتبر شہادت بھی پیش نہ کی جا سکے۔ (دفعہ ۳۸)

(۵) کوئی آزاد شہری نہ گرفتار کیا جائے گا نہ قید، نہ اس کے حقوق سلب کیے جائیں گے نہ اسے اپنی ملکیت سے محروم کیا جائے گا، نہ اسے ملک بدر کیا جائے گا، یا اسے اس کی حیثیت سے محروم کیا جائے گا، نہ ہماری طرف سے اس کے خلاف طاقت استعمال کی جائے گی نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیا جائے گا۔ اِلا یہ کہ کوئی قانونی فیصلہ یا اس کے ہم رتبہ افراد کا فیصلہ یا ملکی قانون کا تقاضا ہو۔ (دفعہ ۳۹)

(۶) ہم نہ تو کسی کو حق یا انصاف فروخت کریں گے نہ اس سے محروم کریں گے اور نہ ہی اس میں تاخیر کی جائے گی۔ (دفعہ ۴۰)

(۷) مستقبل میں ہر شخص قانوناً مجاز ہوگا کہ وہ ہمارے ساتھ اپنی وفاداری قائم رکھتے ہوئے بلاضرر، بلاضرار خشکی یا پانی کے راستے، ہماری سلطنت چھوڑ کر چلا جائے یا واپس آ جائے۔ اِلا یہ کہ وہ جنگ کا زمانہ ہو۔ (دفعہ نمبر ۴۲)

(۸) یہ تمام مراعات اور آزادیاں جو ہم نے عطا کی ہیں، ہماری قلمرو میں، اس حد تک جس حد تک ہمارے اپنے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ ہیں، جاری و ساری رہیں گی۔ ہماری سلطنت کے تمام افراد خواہ خواص ہوں یا عوام، وہ بھی ان مراعات اور آزادیوں کا، حسب مراتب پاس و لحاظ کریں۔ (دفعہ نمبر ۶۰)

خطبہ حجۃ الوداع سے مستعار

فکرِ انسانی کے تجویز کردہ
ناقص عالمی منشور

3۔ اعلانِ حقوقِ انسانی و باشندگان فرانس 1789ء

تعارف

☆ یہ اعلان ان تصورات کا نمایاں عکاس ہے جو انقلابِ فرانس کے پس پشت کارفرما تھے۔

☆ دستوری حکومت اور قانون کی حکمرانی کے لیے قواعد وضوابط کا ایک مکمل مجموعہ۔

☆ اس اعلان کی توثیق حکومت فرانس کے دساتیر مجریہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۵۸ء کے دیباچوں میں موجود ہے۔

اعلان کا متن

(۱) انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور انہیں آزاد ہی رہنا چاہئے۔ حقوق کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ البتہ معاشرتی امتیازات کا مدار صرف افادۂ عامہ پر ہوگا۔

(۲) تمام شہری انجمنوں کا مقصد انسانوں کے فطری اور لازوال حقوق کا تحفظ ہے۔ یعنی حقوق آزادی، حقوق ملکیت اور ظلم کے خلاف مزاحمت کا حق۔

(۳) قوم لازماً تمام تر اقتدار کا سرچشمہ ہے، اس کے علاوہ کوئی شخص یا مجموعہ اشخاص کسی اقتدار و اختیار کا حامل نہیں ہوسکتا۔ اِلا یہ کہ اس کا اختیار واضح طور پر مقتدر اعلیٰ سے ہی ماخوذ و مستفاد ہو۔

(۴) آزادی کی وسعت وانحصار اس حد تک ہے جہاں تک کہ وہ دوسرے کی آزادی کے لیے ضرر رساں نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق ہر شخص اپنے بنیادی حقوق سے استفادہ کرنے میں آزاد ہو اور ان حدود کا تعین صرف قانون سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) قانون کی نظر میں صرف وہی باتیں معیوب وممنوع ہونی چاہئیں جو معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہیں۔جس کی ممانعت قانون میں نہ ہو،اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔نہ ہی کسی شخص کو ایسی بات پر مجبور کیا جانا چاہئے جس کا مطالبہ قانون کی جانب سے نہ ہو۔

(۶) قانون لوگوں کی مشترکہ ومتفقہ مرضی کا اظہار ہوتا ہے۔تمام شہریوں کو اس میں شرکت کا حق ہے،کوئی فرد اس کی تشکیل میں خواہ ذاتی طور پر شریک ہو یا نمائندگی کے ذریعہ۔قانون سب کے لیے یکساں ہونا چاہئے،خواہ وہ تحفظ کے لیے ہو یا سزا کے لیے۔اور سب اس کی نظر میں برابر ہیں اور جملہ اعزازات،مقامات اور مناصب کے لیے سب اپنی مختلف صلاحیتوں کے مطابق یکساں طور پر مستحق ہیں۔ان کی اپنی خوبیوں اور طباعی وذہانت کے علاوہ کوئی دوسرا امر وجہ امتیاز نہیں ہونا چاہئے۔

(۷) سوائے ان صورتوں کے جو قانون متعین کرے اور ان طریقوں کے جن کا قانون نے حکم دیا ہے کسی شخص پر نہ کوئی جرم عائد کیا جائے گا نہ اس کو قید کیا جائے گا اور نہ جیل میں بند کیا جائے گا۔تمام وہ لوگ جو من مانے احکام کا مشورہ دیں،حمایت کریں،ان کا نفاذ کریں یا نفاذ کرائیں ان کو سزا ملنی چاہئے۔اور ہر شہری،جس کو قانون کی رو سے عدالت میں طلب کیا جائے یا حراست میں لیا جائے فوری طور پر اس کی تعمیل کرنی چاہئے اور اگر وہ مزاحمت کرے تو سزا کا مستوجب ہوگا۔

(۸) قانوناً جرمانہ یا تاوان صرف اسی طرح کا اور اسی قدر عائد کیا جانا چاہئے جو مطلقاً اور صراحتاً ضروری اور لازمی ہو اور کسی شخص کو بھی سزا نہیں دینی چاہئے اِلّا اس قانون کی رو سے جو جرم سرزد ہونے سے پہلے نافذ ہو اور جس کا قانوناً اطلاق ہوسکتا ہو۔

(۹) چونکہ ہر شخص معصوم ہے جب تک کہ وہ مجرم ثابت نہ ہوجائے۔اس لیے جب کبھی اس کی گرفتاری ناگزیر ہوجائے تو قانوناً اسے ایسی مدد بہم پہنچائی جائے جو اس کی شخصیت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔

(۱۰) کسی شخص کے معاملہ میں اس کے خیالات اور آراء کی بناء پر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔

نہ ہی اس کے مذہبی خیالات وعقائد کی بنا پر؛ جب تک کہ ان خیالات وعقائد کا اقرار و اعلان سرکاری نظم وضبط کے انتشار کا باعث نہ بنے۔

(۱۱) خیالات وافکار کی بلاروک ترسیل واشاعت چونکہ انسان کا ایک انتہائی قیمتی بنیادی حق ہے اس لیے ہر شہری اپنی تقریر، تحریر اور اس کی طباعت واشاعت میں آزاد ہے بشرطیکہ وہ بے لگام آزادی کی خرابیوں کا خود ذمہ دار ہو۔ ان معاملات میں جن کا تعین قانون نے کر دیا ہے۔

(۱۲) انسانوں اور شہریوں کے حقوق کو تحفظ دینے کے لیے چونکہ ایک سرکاری قوت ضروری ہے اس لیے اس قوت کا قیام معاشرہ اور سماج کی بہتری کے لیے ہونا چاہئے نہ کہ اس مخصوص شخص کے فائدے کے لیے جس کو یہ تفویض کی گئی ہے۔

(۱۳) سرکاری قوت کو مدد بہم پہنچانے اور حکومت کے دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لیے ایک مشترکہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم معاشرہ کے جملہ ارکان پر ان کی حیثیت کے مطابق مساوی طور پر وصول کی جانی چاہئے۔

(۱۴) سرکاری عطیہ کی ضرورت وحاجت، اس کے جواز، مقدار، طریقۂ تشخیص اور مدت کے تعین کے سلسلہ میں ہر شہری بجائے خود یا اپنے نمائندے کے ذریعہ آواز اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۵) سماج کو اپنے تمام ارکان کے رویہ اور کردار کے احتساب کا حق حاصل ہے۔

(۱۶) ایک ایسے معاشرہ کے لیے دستور کی ضرورت ہے جہاں بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ حاصل نہ ہو اور نہ تقسیم اختیارات موجود ہو۔

(۱۷) حق ملکیت وجائداد ناقابل انفساخ اور محفوظ ہے۔ لہٰذا کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ سرکاری ضرورت ناگزیر ہو یا قانوناً اس کا تقاضہ موجود ہو یا کسی سابقہ جائز تاوان کی ادائیگی ثابت ہو۔

خطبہ حجۃ الوداع سے مستعار

فکر انسانی کے تجویز کردہ
ناقص عالمی منشور

4۔نوشتۂ حقوق امریکہ 1791ء

تعارف

☆ اعلان استقلال امریکہ ۱۷۷۶ء میں ہوا۔

☆ وثیقۃ الحقوق (BILL OF RIGHTS) کا اجراء دسمبر ۱۷۹۱ء میں عمل میں آیا۔

☆ برطانوی وثیقہ الحقوق کے طرز پر امریکہ کی ورجینا سمیت تمام ریاستیں اپنے اپنے وثیقہ جات رکھتی ہیں۔ تاہم فرانس کے اعلان حقوق انسانی کی طرح امریکی دستور، دس ترامیم کے ساتھ (جن پر وثیقہ الحقوق مشتمل ہے) دستوریت اور قانونیت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

متن دستاویز

(۱) کانگریس مذہب کے قیام سے متعلق یا اس کے آزادی کے ساتھ نافذ کیے جانے کی ممانعت کرتے ہوئے یا آزادی تقریر یا پریس کی آزادی کے حق سے کسی کو محروم کرنے یا لوگوں کو امن کے ساتھ کہیں مجتمع ہونے کے حق اور شکایات کی دادرسی کے لیے سرکار سے مرافعہ کرنے کے سلسلہ میں کوئی قانون وضع نہیں کرے گی۔

(۲) کسی آزاد ریاست کے تحفظ کے لیے ایک باقاعدہ رضا کار فوج (ملیشیا) کی ضرورت ہونے کی وجہ سے قوم کے اس حق کی تنسیخ نہیں کی جائے گی کہ وہ ہتھیار رکھے اور اپنے ساتھ لے کر چلے۔

(۳) امن یا جنگ کے زمانہ میں کسی سپاہی کو، مالک کی مرضی کے بغیر کسی مکان میں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ قیام کسی مقررہ طریقہ اور ضابطہ کے مطابق ہو۔

(۴) لوگوں کو اپنی ذات، مکانات، کاغذات اور ساز و سامان کی کسی معقول وجہ کے بغیر تلاشی یا اس پر قبضہ کے خلاف مدافعت کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی اور کسی امکانی سبب کے بغیر کوئی وارنٹ جاری نہیں کیا جائے گا۔ اس سبب کی تائید قسم یا تصدیق سے ہونی چاہئے اور اس وارنٹ میں خصوصیت سے اس جگہ کا ذکر ہونا چاہئے جس کی تلاشی لی جائے گی یا ان اشخاص یا اشیاء کا جن کو قبضہ میں لیا جانا ہے۔

(۵) کوئی شخص کسی سنگین یا پھر قابل نفرت جرم کے لیے اس وقت تک جواب دہ نہیں ہوگا جب تک کہ ایک جیوری کلاں کا تحریری استغاثہ یا حلفیہ بیان نہ ہو۔ سوائے ان مقدمات کے جو بری یا بحری فوجوں یا رضا کار فوج میں زمانہ جنگ یا پبلک کے خطرہ کے وقت دورانِ ملازمت پیش آیا ہو۔ نہ ہی کسی فوجداری مقدمہ میں کسی کو اپنے ہی خلاف گواہ بننے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ ہی مناسب کارروائی کے بغیر زندگی، آزادی یا املاک سے محروم کیا جائے گا۔ نہ ہی نجی املاک کو عوامی استعمال کے لیے بغیر معقول معاوضہ دیے لیا جائے گا۔

(۶) تمام فوجداری مقدمات میں مجرم کو یہ حق حاصل رہے گا کہ اس کے مقدمہ کی تحقیقات اور سماعت جلدی اور کھلی عدالت میں ہو۔ جو اس ریاست کے اور ضلع کی غیر جانبدار جیوری کرے۔ جہاں جرم کا ارتکاب ہوگا اور جرم کی نوعیت اور اس کے سبب سے متعلقہ شخص کو آگاہ کیا جائے گا اور اس کو ان گواہوں کے، جو اس کے مخالف ہیں، بالمقابل کر دیا جائے گا۔ اس کی حمایت میں گواہاں لازمی طور پر فراہم کیے جائیں اور اس کے دفاع کے لیے مشیران قانون کی امداد حاصل ہونی چاہئے۔

(۷) عام قانونی مقدمات میں جہاں تنازعہ کی رقم کا تشخص بیس ڈالر سے تجاوز کر جائے، وہاں جیوری مقدمہ کی سماعت کا حق محفوظ کر لے گی اور جس واقعہ کی تحقیق جیوری کر چکی ہوگی اس کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی کوئی عدالت بھی سوائے عام قانونی ضابطوں کسی اور طریقہ سے دوبارہ تحقیق نہیں کرے گی۔

(۸) زیادہ ضمانت طلب نہیں کی جائے گی نہ زیادہ جرمانے کیے جائیں گے، نہ ہی ظالمانہ اور غیر معمولی سزائیں دی جائیں گی۔

(۹) آئین میں بعض حقوق کے تعین کو، دوسرے قوانین کی، تردید یا تحقیر کی غرض سے بطور تعبیر کام میں نہیں لایا جائے گا۔ جو قوم نے قائم کیے ہیں۔

(۱۰) جو اختیارات آئین نے ریاست ہائے متحدہ کو تفویض نہیں کیے ہیں یا اس نے ریاستوں کو ان سے روکا نہیں ہے وہ بالترتیب، ریاستوں یا عوام کے لیے محفوظ ہیں۔

(۱۱) غالباً حذف کر دی گئی۔

(۱۲) ایضاً

(۱۳) (ا) غلامی یا زبردستی کی خدمت سوائے بطور سزا ایسے جرم کے لیے جس میں فریق جائز طریقہ پر مجرم قرار دیا جا چکا ہوگا، ریاست ہائے متحدہ میں یا کسی ایسی جگہ پر جو ان کی عملداری میں ہوگی، باقی نہیں رہے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(۱۴) (ا) وہ تمام اشخاص جو ریاست ہائے متحدہ میں پیدا ہوئے ہیں یا جنھوں نے وہاں کی شہریت حاصل کر لی ہے اور اس کی عملداری میں ہیں، ریاست ہائے متحدہ کے اور اس ریاست کے (باقاعدہ) شہری متصور ہوں گے، جہاں وہ مقیم ہیں۔

(ب) کوئی ریاست نہ ایسا قانون وضع کرے گی، نہ نافذ کرے گی جو ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ان کے حقوق یا ان کی آزادیوں سے محروم کر دے۔ نہ ہی کوئی ریاست کسی شخص کو اس کی زندگی، آزادی یا املاک سے بغیر مناسب قانونی کارروائی کے، محروم کرے گی نہ کسی ایسے شخص کو جو اس کی عملداری میں ہوگا قانون کے مساوی تحفظ دینے سے انکار کرے گی۔

(۱۵) (ا) ریاست ہائے متحدہ کے شہریوں کو ووٹ دینے کے حق سے نہیں روکا جائے گا۔ یا ریاست ہائے متحدہ یا کوئی ریاست، نسل، رنگ یا غلامی کی سابقہ شرط کی وجہ سے محروم نہیں کرے گی۔

(ب) کانگریس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس دفعہ کو موزوں آئین سازی کے ذریعہ نافذ کرے۔

(بعد کی تمام ترامیم حذف کر دی گئیں۔)

باب 6

مقابیس الحکمة

مشاہیر ومعاصر اہل قلم
کی تحریروں سے اقتباسات

☆	خطبہ حجۃ الوداع اور اُمت مسلمہ	
☆	رسولِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق انقلاب	ڈاکٹر اسرار احمد
☆	مثالی حکمران	صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
☆	درویش حکمرانوں کے اوصاف	حافظ مختار احمد گوندل
☆	فقر	علامہ اقبال
☆	دراسرارِ شریعت	علامہ اقبال

خطبہ حجۃ الوداع
اور اُمت مسلمہ

☆ دوسری قومیں اپنی تاریخ کے بعض ادوار کو DARK AGES کہہ کر گویا اعتراف کرتی ہیں کہ ہماری تاریخ کے یہ ادوار اور واقعات نا قابل بیان ہیں اور ہمارے لیے ان کا اظہار باعث شرم وحجاب ہے۔ درانحالیکہ ان قوموں کے ہاں اخلاق، کردار، شرم، حیا، پردہ، عفت اور عصمت کے تصورات ویسے ہی بہت ننگِ انسانیت ہیں۔

☆ مسلمانوں میں الحمد للہ یہ اخلاقی جرأت آج بھی ہے کہ ہم یہ علی الاعلان کہہ سکتے ہیں کہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے 'نمونہ'، مثال، اُسوۂ حسنہ اور رول ماڈل مجموعی طور پر حضرت محمد ﷺ ہیں (اور خواتین کے لیے آپ ہی کی تربیت یافتہ خواتین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاں تربیت کے لیے چنا، ان کو سابقہ تجربات اور الائشوں سے پاک کیا آپ کے حرم میں پہنچایا۔ آپ ﷺ نے ان کی تربیت فرمائی آپ کی وفات کے بعد ان ازواجِ مطہرات کے لیے نکاح ممنوع قرار دیا (القرآن 53:33) وہ اُمت کے تمام اہل ایمان کے لیے اُمہات کا درجہ پا گئیں۔ گویا آپ ﷺ معنوی طور پر تمام اہل ایمان کے 'والد' قرار پائے تاکہ نئے نکاح کے بعد اُمہاتُ المومنین نئے شوہر کی

وفاداری اور اطاعت میں آپ ﷺ کی تعلیمات کو بھلا نہ دیں) آپ ﷺ کا اُسوہ انفرادی سطح پر بھی کامل تھا، کامل ہے اور تا قیامت کاملیت کے مقام پر رہے گا۔ اجتماعی زندگی اور سیاسی زندگی میں بھی آپ ﷺ کا طرزِ زندگی اور اُسوہ اپنے دور میں بھی مثالی تھا اور اُمت مسلمہ کیا انسانیت کے لیے آج بھی اور قیامت تک ROLE MODEL رہے گا۔

☆ مسلمان آج بھی اپنی ہی تاریخ کے اہل حکمرانوں کے کرتوتوں پر تنقید کرتے ہیں اور ان کو قابل عزت، قابل احترام اور لائق تقلید نہیں سمجھتے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے نظریہ کو نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور پر فروغ دیتے ہیں۔

اس بات پر معاصر اہل قلم کی تازہ اور مطبوعہ تحریریں خطبہ حجۃ الوداع کے اِتباع میں زندگی گزارنے والے بعض اہل ایمان اور نامور حکمرانوں کے کارنامے بطور مُشتِ نمونہ از خروارے ہدیۂ قارئین ہیں۔

اور اپنے پروردگار کی عبادت کیے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آ جائے

باب6

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف
''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریق انقلاب''
سے اقتباس

انقلاب کا لغوی و اصطلاحی معنی

.....سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ انقلاب کسے کہتے ہیں۔اس کے لفظی معنی ہیں تبدیلی۔لہٰذا ہم یہ لفظ کسی بھی لفظ کے ساتھ جوڑ کر استعمال کر لیتے ہیں۔مثلاً علمی انقلاب، ثقافتی انقلاب، سائنسی انقلاب، فوجی انقلاب۔لیکن لفظ ''انقلاب'' کے اصطلاحی مفہوم میں اس استعمال کی گنجائش نہیں۔بلکہ کسی معاشرے کے سیاسی نظام، معاشی نظام یا سماجی نظام میں سے کسی ایک میں بنیادی تبدیلی کو صحیح انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔آج دنیا بھر میں انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم مانا جاتا ہے۔ان میں ایک حصہ فرد کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے، جبکہ دوسرا حصہ زندگی کے اجتماعی معاملات کو محیط ہے۔ان میں سے مقدم الذکر حصہ مذہب کا دائرہ کار ہے، جو کہ عقائد (DOGMAS)، مراسم عبودیت (RITUALS) اور سماجی رسومات (SOCIAL CUSTOMS) پر مشتمل ہے۔آج کی دنیا بھر میں ان معاملات میں فرد کو آزاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح کے چاہے عقائد اپنا لے۔چاہے وہ ایک خدا کو مانے، چاہے سو کو مانے یا ہزار کو مانے، چاہے کسی کو بھی نہ مانے۔جس طرح چاہے مراسم عبودیت بجا لائے۔چاہے گوشہ نشین ہو کر تپسیائیں کرے، چاہے بتوں کے آگے سجدے کرے، یا ایک نادیدہ خدا کی پرستش کرے۔مراسم عبودیت کی اسے آزادی ہے۔چاہے روزے رکھے، نماز پڑھے، چاہے مندر میں جائے یا چرچ میں، اجازت ہے۔اسی طرح سماجی رسومات ادا کرنے میں وہ آزاد ہے۔شادی کے موقع پر چاہے نکاح پڑھوائے چاہے پھیرے ڈلوائے، فوت شدہ شخص کی

میّت کو چاہے دفن کیا جائے، چاہے اسے جلا دیا جائے۔

زندگی کا دوسرا حصہ تہذیب، تمدن، ریاست اور سیاست یعنی اجتماعی نظام سے متعلق ہے اور یہ سیاسی نظام، معاشی نظام اور سماجی نظام (THE POLITICO-SOCIO-ECONOMIC SYSTEM) پر مشتمل ہے۔ اس کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ اس کا نام سیکولرزم ہے۔ واضح رہے کہ سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت نہیں ہے، بلکہ یہ ہمہ مذہبیت، لادینیت کے اصول پر مبنی ہے۔ سیکولرزم میں مذہب تو سارے قابل قبول ہیں۔ یہ بات تو بش بھی کہتا ہے کہ "WE ARE READY TO EMBRACE ISLAM" اسلام بطور مذہب پر انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے امریکہ میں آکر سینیگاگ اور چرچ خریدے اور انہیں مساجد بنا لیا، ہم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے یہاں بڑی تعداد میں افروامریکنز کو اور کچھ گوروں کو بھی CONVERT کر کے مسلمان بنا لیا، ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے کہ بحیثیت مذہب ان کی اسلام سے کوئی جنگ نہیں ہے، لیکن ایک نظام (POLITICO-SOCIO-ECONOMIC SYSTEM) کی حیثیت سے اسلام انہیں قطعاً گوارا نہیں۔ اسلام کے اسی تصور کو وہ فنڈامنٹلزم کا نام دیتے ہیں۔ اور اس وقت چونکہ کچھ فنڈامینٹلسٹ لوگوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس پر دہشت گردی کا لیبل لگ گیا ہے، لہٰذا وہ فنڈامینٹلزم کو دہشت گردی (TERRORISM) کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی ''بنیاد پرستی کے خلاف جنگ'' کا۔ حقیقت میں یہ جنگ اسلام کے نظامِ حیات کے خلاف ہے۔ یہ جنگ اسلام کے عقائد و عبادات اور رسومات کے خلاف نہیں ہے۔

آج کی اصطلاح میں انقلاب اس اجتماعی نظام میں کسی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ مذہبی میدان میں کسی بڑی سے بڑی تبدیلی کو بھی انقلاب نہیں کہا جا سکتا ہے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے، اس کو سمجھ لیجیے۔ تاریخ انسانی میں سب سے بڑی مذہبی تبدیلی 300 عیسوی میں ہوئی تھی جب شہنشاہ روم قسطنطینِ اعظم نے عیسائیت اختیار کر لی تھی اور ساری سلطنت عیسائی ہو گئی تھی۔ مذہبی تاریخ کے اندر اتنی بڑی تبدیلی (CONVERSION) کبھی نہیں ہوئی۔ سلطنت روما اس وقت تین براعظموں پر

پھیلی ہوئی تھی، یعنی پورا شمالی افریقہ، پورا مشرقی یورپ اور پورا مغربی ایشیا۔ لیکن اتنی بڑی مذہبی تبدیلی کا نام کبھی انقلابات کی تاریخ میں نہیں گنوایا گیا۔ اس لیے کہ اس مذہبی تبدیلی سے سیاسی، معاشی یا سماجی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی انقلاب (REVOLUTION) وہ تبدیلی کہلائے گی جو کسی ملک کے سیاسی نظام، معاشی نظام، یا سماجی نظام سے متعلق ہو اور بنیادی نوعیت کی ہو۔

کامل انقلاب کی واحد مثال: انقلابِ نبوی ﷺ

اب ہم دنیا کے چند مشہور انقلابات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان میں ''انقلاب فرانس'' بہت مشہور ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ واقعی انقلاب تھا۔ لیکن اس سے صرف سیاسی نظام میں تبدیلی آئی تھی۔ مذہب پہلے بھی عیسائیت تھا، بعد میں بھی وہی رہا۔ سماجی ڈھانچے (SOCIAL STRUCTURE) میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی نظام تبدیل ہوا۔ دوسرا بہت مشہور انقلاب روس کا بالشویک انقلاب ہے جو 1917ء میں آیا۔ اس سے صرف معاشی نظام تبدیل ہوا۔ تمام ذرائع پیداوار قومیا لیے گئے اور انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نوٹ کیجیے کہ یہ دونوں انقلابات ہیں جبکہ رومن امپائر کا بیک وقت کرسچین ہو جانا انقلاب نہیں ہے۔

اب ذرا محمد رسول اللہ ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کا جائزہ لیجیے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھیے کہ کیا واقعی حضور ﷺ نے انقلاب برپا کیا ___ یا ہم صرف جوشِ عقیدت میں دعویٰ کر بیٹھتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ یہ بات میں جذباتی انداز سے نہیں بلکہ ٹھنڈے تجزیے (COLD ANALYSIS) سے ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں اس پر اغیار کی گواہیاں پیش کروں گا۔ اس لیے کہ "اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآء" (اصل فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں)۔ دوست اور اعتقاد رکھنے والے تو ہر چیز کی تعریف ہی کریں گے، اصل تعریف وہ ہے جو دشمن کی زبان سے ہو۔ اگر شیر دل کنگ رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی کی تعریف کی تو معلوم ہوا کہ واقعتاً صلاح الدین ایوبی بڑی عظیم شخصیت تھی۔

ایم این رائے ایک بنگالی ہندو تھا اور وہ انٹرنیشنل کمیونسٹ آرگنائزیشن کا رکن تھا۔ اس نے 1920ء میں بریڈلا ہال لاہور میں ''اسلام کا تاریخی کردار'' (THE HISTORICAL ROLE OF ISLAM) کے عنوان سے لیکچر دیا اور کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانی

کا عظیم ترین انقلاب محمد (ﷺ) نے برپا کیا۔ واضح رہے کہ وہ عقیدت مند نہیں ہے، ایک بنگالی ہندو ہے اور ٹاپ کا کیمونسٹ ہے، لیکن وہ یہ بات تسلیم کر رہا ہے، یہ تو 1920ء کی بات ہے، یعنی صدی کے آغاز سے 20 برس بعد ___ اب 1980ء پر آ جایئے، صدی کے اختتام سے 20 برس قبل امریکہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے کتاب "THE 100" لکھی۔ اس کتاب میں اس نے پانچ ہزار سالہ معلوم انسانی تاریخ میں سے ایسے ایک سو انسانوں کا انتخاب (SELECTION) کر کے ان کی درجہ بندی (GRADATION) کی، جنہوں نے انسانی تمدن کے دھارے کے رخ کو موڑنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ اور اس درجہ بندی میں وہ نمبر ایک پر لایا محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ مذہب کے اعتبار سے عیسائی ہے اور میری اطلاع کی حد تک ابھی زندہ ہے، اور مین ہٹن میں رہائش پذیر ہے۔ اس کی یہ کتاب دنیا میں بہت عام ہوئی ہے، لیکن اشاعت کے بعد وہ بہت جلد نایاب ہو گئی تھی اور عام خیال یہ تھا کہ شاید کسی سازش کے تحت اسے غائب کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کتاب میں (عیسائیوں کے نزدیک خدا کے اکلوتے بیٹے) حضرت مسیح کو نمبر تین پر رکھا اور حضور ﷺ کو نمبر ایک پر لایا، اور یہ بات عیسائی دنیا کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں تھی۔ اس نے لکھا ہے:

"MY CHOICE OF MUHAMMAD TO LEAD THE LIST OF THE WORLD'S MOST INFLUENTIAL PERSONS MAY SURPRISE SOME READERS AND MAY BE QUESTIONED BY OTHERS, BUT HE WAS THE ONLY MAN IN HISTORY WHO WAS SUPREMELY SUCCESSFUL ON BOTH THE RELIGIOUS AND SECULAR LEVELS."

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے نزدیک انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ ایک ہے مذہب، اخلاق اور روحانیت کا میدان، جبکہ ایک ہے تمدن، تہذیب سیاست اور معاشرت کا میدان، اور ان دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب (SUPREMELY SUCCESSFUL) انسان تاریخ انسانی میں صرف اور صرف ایک ہی ہیں اور وہ ہیں حضرت محمد ﷺ۔ جن لوگوں کو بالعموم بڑا سمجھا جاتا ہے ان کی عظمت کسی ایک پہلو سے نمایاں ہوتی ہے۔ عبادت گزاری اور نفس کشی میں گوتم بدھ بہت اونچا ہے۔ اخلاقی تعلیمات کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام بہت

اونچے ہیں، لیکن ریاست، حکومت اور سیاست میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ فتوحات اور ملک گیری کے حوالے سے سکندرِ اعظم بہت اونچا ہے، اٹیلا بہت اونچا ہے، چنگیز خان بہت اونچا ہے، اکبر اعظم بہت اونچا ہے اور بھی بڑے بڑے حکمران ہو گزرے ہیں ـــ لیکن دین، اخلاق اور روحانیت میں ان کا کوئی مقام تھا؟ یہاں زیرو سے بھی کام نہیں چلے گا، MINUS لانا پڑے گا۔ تاریخ انسانی میں صرف اور صرف ایک ہی انسان ہے جو ہر دو اعتبار سے بلند ترین اور کامیاب ترین قرار پاتا ہے ـــ اور وہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔

اغیار کی گواہیوں میں سے تیسری گواہی میں ایچ جی ویلز کی دیا کرتا ہوں، لیکن اس کی جس عبارت کا میں حوالہ دیتا ہوں، اس کی کتاب "A CONCISE HISTORY OF THE WORLD" کے نئے ایڈیشن سے اس عبارت کو نکال دیا گیا ہے۔ واقعتاً کسی دشمن کی زبان سے اس سے بڑا خراج تحسین ممکن نہیں۔ اس لئے کہ ایچ جی ویلز بدترین دشمن ہے، اس نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین (دو بدبخت جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے) ان سے کہیں زیادہ زہریلے اور ان سے کہیں زیادہ کمینگی والے جملے کہے ہیں۔ لیکن جب اس نے آنحضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے مندرجہ ذیل الفاظ کا حوالہ دیا ہے تو وہ گھٹنے ٹیک کر خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (مسند احمد)

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ یقیناً تمہارا ربّ ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔''

ایچ جی ویلز اگرچہ عیسائی ہے، لیکن خطبہ حجۃ الوداع کا حوالہ دینے کے بعد وہ یہ اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے:

''اگر چہ انسانی اخوت، مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے اور ایسے وعظ ہمیں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت ملتے ہیں لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ محمد (ﷺ) ہی تھے جنہوں نے تاریخ انسانی میں پہلی بار ان اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کیا۔''

چنانچہ دشمنوں کی گواہی سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا۔ انقلابِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا انقلابِ فرانس اور انقلاب روس سے تقابل کریں تو نظر آتا ہے کہ انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی نظام بدلا اور انقلابِ روس میں صرف معاشی نظام تبدیل ہوا ___ لیکن انقلابِ محمدی ﷺ میں ہر چیز بدل گئی۔ مذہب بھی بدل گیا، عقائد بھی بدل گئے، رسومات بھی بدل گئیں، سیاسی نظام بھی بدل گیا، معاشی نظام بھی بدل گیا، معاشرت بھی بدل گئی۔ کوئی بھی شے اپنی سابقہ حالت پر قائم نہیں رہی۔ ڈھونڈ کر بتایئے کہ فلاں چیز جوں کی توں رہ گئی۔ جہاں پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، اس قوم کو آپ ﷺ نے علم کے میدان میں دنیا کا امام بنا دیا۔ انہوں نے نئے نئے علوم ایجاد کئے، پوری دنیا کا علم سمیٹ کر، ہندوستان اور یونان تک سے علم لے کر، اور اسے مزید DEVELOPE کر کے دنیا کے سامنے رکھا۔ تو پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ دنیا کا جامع ترین، گھمبیر ترین اور MOST PROFOUND انقلاب محمد عربی ﷺ کا انقلاب تھا، کوئی دوسرا انقلاب اس کے مقابلے میں نہیں آسکتا۔ باقی سب جزوی (PARTIAL) انقلابات تھے۔ باقی تمام انقلابات میں آپ دیکھیں گے کہ فکر اور دعوت دینے والے کچھ اور لوگ تھے جبکہ انقلاب برپا کرنے والے کچھ اور۔ مارکس اور اینجلز نے کتاب DAS CAPITAL جرمنی یا انگلستان میں بیٹھ کر لکھی، لیکن جرمنی اور انگلستان کے کسی ایک گاؤں میں بھی مارکسسٹ انقلاب نہیں آیا، بلکہ تیسرے تیواڑے کہاں جا کر روس میں بالشویک اور مانشویک کے ہاتھوں انقلاب آیا، اور عین وقت پر فرنٹ پر لینن آ گیا۔ اس انقلاب کے برپا کرنے میں نہ مارکس کا کوئی حصہ ہے نہ اینجلز کا۔ تو فکر دینے والے اور تھے، انقلاب برپا کرنے والے اور۔ اسی طرح والٹیئر اور روسو جیسے بے شمار اصحابِ قلم تھے جنھوں نے حریت، آزادی اور جمہوریت کا ایک فکر دیا تھا، لیکن وہ محض ڈیسک ورکر تھے، کتابیں

لکھ سکتے تھے میدان میں آ کر قیادت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا فرانس میں انقلاب برپا کیا اوباش اور بدمعاش لوگوں نے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابِ فرانس انتہائی خونیں انقلاب تھا۔ اسے کنٹرول کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں اور ہجوم (MOB) جو چاہے کر گزرے۔ اب ذرا CONTRAST دیکھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلاب دنیا کا واحد انقلاب ہے کہ ابتدا سے انتہا تک اس کی قیادت ایک ہی ہستی کر رہی ہے۔ ایک وقت میں وہی ہیں جو مکے میں STREET PREACHING کر رہے ہیں، گلی گلی گھوم کر دعوت دے رہے ہیں، تبلیغ کر رہے ہیں۔ کوئی پاگل کہتا ہے، کوئی مجنون کہتا ہے، کوئی کہتا ہے شاعر ہے۔ آپ ﷺ سب برداشت کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے کبھی پلٹ کر نہیں کہا پاگل تم ہو۔ لیکن وہی شخص ہے جو میدانِ بدر میں فوج کی کمان کر رہا ہے۔ کوئی ہے تاریخ میں اس کی مثال؟ میں پھر ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے وہی الفاظ دہراؤں گا کہ ''HE IS THE ONLY, THE ONLY, THE ONLY PERSON کہاں گلی گلی دعوت دینے والا ایک شخص، کہاں ایک فوج کی کمان کرنے والا قائد، کوئی ہے مناسبت؟

اس حوالے سے ایک بڑی اہم بات نوٹ کیجیے کہ ٹائن بی پچھلی صدی کا ایک بہت بڑا فلاسفر آف ہسٹری گزرا ہے۔ اس نے حضور ﷺ کے بارے میں ایک بڑا زہر میں بجھا ہوا جملہ کہا ہے:

"MUHAMMAD FAILED AS A PROPHET, BUT SUCCEEDED AS A STATESMAN"

یعنی ''محمد (ﷺ) ایک نبی کی حیثیت تو ناکام ہو گئے (نقل کفر، کفر نباشد) البتہ ایک سیاست دان کی حیثیت سے کامیاب ہو گئے''۔

ٹائن بی کے اس جملے کی شرح میں انگلینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر منٹگمری واٹ نے دو کتابیں لکھ دیں: MUHAMMAD AT MECCA اور MUHAMMAD AT MADINA ___ ''محمد ایٹ مدینہ'' میں اس نے بظاہر حضور ﷺ کے لئے تعریف کے جو الفاظ ممکن تھے SUPERLATIVE ڈگری میں استعمال کیے، لیکن بباطن اس نے ایک تضاد (CONTRAST) ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکے والا محمد (ﷺ) تو کچھ اور تھا اور یہ مدینہ والا محمد (ﷺ) کچھ اور ہے۔ ان تعریفی الفاظ سے دھوکہ کھا کر ضیاء الحق مرحوم نے اس منٹگمری واٹ کو مرکزی سیرت کانفرنس کے اجلاس میں چیف سپیکر کی حیثیت سے بلا لیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی

نہیں تھا کہ اس نے کس عیاری سے سیرتِ طیبہ میں یہ تضاد دکھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ دو محمد (ﷺ) علیحدہ علیحدہ ہیں، ان کی تصویریں مختلف ہیں۔

دراصل جب یہ لوگ حضور ﷺ کی مکے کی زندگی دیکھتے ہیں تو اگرچہ وہ آپ ﷺ کو نبی یا رسول نہیں مانتے لیکن وہ یہ ضرور مانتے ہیں کہ آپ ﷺ کی زندگی نبیوں سے کچھ مشابہ ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھوم پھر کر تبلیغ کرتے تھے، ایسے ہی حضرت محمد ﷺ دکھائی دے رہے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ کہا گیا انہوں نے برداشت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، اسی طرح کا طرزِ عمل حضرت محمد ﷺ نے بھی اختیار کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ تو کچھ نبیوں والا نقشہ ہے، جس میں آپ ﷺ (معاذ اللہ) فیل ہو گئے۔ یہاں سے تو، بقول ان کے، جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ وہ ہجرت کو FLIGHT (فرار) کا نام دیتے ہیں، حالانکہ FLIGHT تو کسی خوف کی بنیاد پر ہوتی ہے، جبکہ ہجرت خوف کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ ایک حکمت عملی (STRATEGY) تھی اور اس کا مقصد اپنے لئے متبادل BASE تلاش کرنا تھا۔ بہرحال ان مستشرقین کو مدینے میں فروکش ایک بالکل نئے محمد (ﷺ) نظر آ رہے ہیں جو بڑے مدبر سیاستدان ہیں، جو ایک ریاست کے حکمران ہیں، جو فوج کے کمانڈر ہیں۔ یہاں آ کر آپ ﷺ یہودیوں سے معاہدے کر رہے ہیں، یہاں پر ان کے تدبر STATESMANSHIP اور موقع شناسی کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ ان کے نزدیک یہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا تضاد ہے۔

اس کا حوالہ صرف اس لیے دے رہا ہوں کہ حضور ﷺ کی زندگی اس اعتبار سے واقعتاً CONTRAST کی حامل ہے کہ ایک انقلابی دعوت کا آغاز بھی آپ ﷺ نے کیا اور اسے کامیابی کی آخری منزل تک بھی خود پہنچایا۔ دنیا کے انقلابات میں سے کوئی بھی دوسرا انقلاب ایک حیاتِ انسانی کے عرصے (SPAN) میں پورا نہیں ہوا، بلکہ فکر دینے والے مرکھپ گئے، بعد میں کہیں وہ فکر پروان چڑھا اور اس کی بنیاد پر کہیں انقلاب آ گیا۔ جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلاب اس اعتبار سے منفرد اور لاثانی ہے کہ ایک انسانی زندگی کے اندر، کل 23 سال کے عرصے میں الف سے ی تک انقلاب کے تمام مراحل طے ہو گئے۔

مثالی حکمران

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

(بشکریہ ماہنامہ متاعِ کارواں، بہاولپور، اکتوبر 2017ء)

یہ شوق ہمارے حکمرانوں کو گاہے گاہے چٹکیاں کاٹتا ہے کہ ہم ملک میں خلافت راشدہ کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اور انھیں یہ گدگدی بھی ہوتی رہتی ہے کہ ہم فاروقی رضی اللہ عنہ عدل کی میزان کھڑی کرنا چاہتے ہیں لیکن غالباً یا تو انھوں نے خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مزاج کا مطالعہ نہیں کیا یا وہ صرف عام مسلمانوں کے جذبات کا کوئی ایسا خاکہ ہے جس سے ان کے ایوان عشرت کی رونق بھی کم نہیں ہوتی، دسترخوان کی لذت میں بھی فرق نہیں آتا اور زندگی کی زینت بھی متاثر نہیں ہوتی اور ساتھ ہی خلافت راشدہ بھی قائم ہو جاتی ہے، ورنہ جس نے بھی خلفاء راشدین کی شخصیت اور ان کے طرزِ حکومت کے بارے میں پڑھ رکھا ہے وہ کرسی سے بدکتا ہے اس کی طرف لپکتا نہیں۔

ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کو دیکھ لیجیے، دس برس اس انداز میں حکومت کی کہ چہرے کا رنگ فق رہا، دل کی دھڑکن تیز رہی، سانس پھولی رہی، اعصاب ٹوٹے رہے، آنکھیں پتھرائی رہیں، سینہ خدشوں سے معمور رہا، احساسات غم اور جذبات درد میں ڈوبے رہے، اس لیے کہ جس کو فرات کے کنارے بکری کے بچے کی بھی فکر ہو وہ آرام سے کیسے رہ سکتا ہے، اور یہاں یہ عالم ہے کہ حکمران خوشیوں میں جھولتے اور عوام آہوں میں ڈوبتے دکھائی دیتے ہیں۔ آگ کے دریا میں ڈوب کر گزرنے کا نام خلافت راشدہ ہے، ہر دم کلی کی چٹکے اور پھول کی طرح مہکے رہنا آج کل کے حکمرانوں کا شیوہ ہے خلفائے راشدین کا یہ رویہ نہیں تھا۔ ہمارے حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ خلافت راشدہ کا نام لینے سے پہلے بار بار خلفائے راشدین کے حالاتِ زندگی پڑھیں۔ بات محض نظام کی

نہیں منتظم کی ہوتی ہے، کہنے کو تو خلیفہ ولید بھی رہا اور سلیمان بھی، معتصم بھی خود کو خلیفہ کہلاتا رہا اور جعفر بھی! دیکھنے کو خلفاء کی ایک قطار نظر آتی ہے مگر خلافت کا اعتبار صرف چار کی ذات سے بڑھا وہ صرف اس لیے کہ ع در شہنشاہی فقیری کردہ اند

رہواز اور فارس کا گورنر ہرمزان جب شکست کھا کر مدینہ منورہ لایا گیا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے بڑی تیاری کی، ایرانی رئیسوں کو ہمرکاب کیا، دیبا کی قبا زیب تن کی، مرصع تلوار کمر سے لگائی اور بڑی آن بان سے مسجد نبوی کے قریب پہنچا، پوچھا: ''امیر المومنین کہاں ملیں گے؟، اس کا خیال تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے ایک دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بڑی شان کا ہوگا، ایک بدوی نے اشارے سے بتایا: ''وہ ہیں ہمارے امیر''۔ اور حال یہ کہ امیر المومنین اس وقت صحن مسجد میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ایک صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعمال حسنہ کا ذکر بڑے فرط اور جذبے سے بیان کرنے لگے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا: ''میرے بھائی، میرے لیے بس اتنی دعا کرو کہ خدا مجھے کوئی بڑا انعام نہ دے فقط برابر برابر چھوڑ دے میرے لیے یہی کافی ہے۔''

لوگوں نے آپ کے کرتے میں بارہ بارہ پیوند گنے، آپ کی بیٹی اُم المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ابا جان نیا کرتا بنوا لیجیے، آخر کتنے پیوند لگائیں گے؟'' آپ نے فرمایا: ''جانِ پدر، میں مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔''

یہ وہ شخص ہے جس کے دور میں قیصر کا تاج اُچھلا اور کسریٰ کا تخت الٹا، مگر کسی بھی حال میں عمر رضی اللہ عنہ کا مزاج نہیں بدلا۔

یہ واقعہ تو صفحہ تاریخ پہ ثبت ہو چکا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور یروشلم کی چابیاں وصول کرنے تشریف لے گئے تو غلام اونٹ پر سوار تھا ور امیر المومنین باگ تھامے ہوئے تھے۔ ایک بار شام کے سفر کے دوران ایک خیمے میں رکے۔ ایک بیوہ سے ملاقات ہوئی آپ نے پوچھا: ''بی بی آپ کو کچھ معلوم ہے کہ امیر المومنین کہاں ہے؟'' بیوہ نے بڑی بے رخی سے کہا: ''سنا ہے وہ شام سے چل پڑا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''امیر المومنین کے حالات سے اتنی بے خبری؟'' بڑھیا نے پلٹ کر کہا: ''جب امیر المومنین کو ہماری خبر نہیں تو ہمیں

اس کے حالات سے کیا غرض؟'' آپ نے فوراً اس کی ضروریات پوری کیں اور اپنے رفقاء کو اس کی خبر گیری سے متعلق ہدایات دیں، آپ کا یہ رویہ دیکھ کر بیوہ بولی۔ ''کاش، عمر کی جگہ تم امیر المومنین ہوتے۔'' اس واقعہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''خلافت کا مفہوم مجھے شام کی بڑھیا نے سمجھایا تھا۔'' یعنی جو امیر رعایا کے حالات سے بے خبر ہو اسے امارت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ جب آپ کا وقت شہادت قریب آیا تو رفقا نے کہا: کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیجیے اور نہیں تو اپنے بیٹے عبداللہ کو جانشین بنا دیجیے، آپ نے بڑی بے پروائی سے فرمایا: ''کیا میں اسے مسلمانوں کا امیر بنا دوں جسے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ڈھنگ بھی نہ آیا۔'' (واضح رہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیک وقت تین طلاقیں دی تھیں یہ طریقہ شریعت میں ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے) جب زیادہ اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تو خلافت ایک نعمت تھی تو عمر اور اس کے خاندان نے وافر حصہ پالیا اور اگر آزمائش ہے تو میں اپنی اولاد کو اس آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا'' یہ کہہ کر پہلو بچالیا۔

کیا ہمارے حکمرانوں کے ذہن میں خلافت راشدہ کا یہ نقشہ ہے یا اس کا مختلف کوئی اور تصور؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوئے، کیا کوئی مؤرخ یہ نشاندہی کر سکتا ہے کہ آپ نے اپنی میراث میں کوئی جائیداد چھوڑی ہو؟ کوئی بنگلہ چھوڑا ہو؟ کوئی باغ چھوڑا ہو؟ کوئی حویلی چھوڑی ہو؟ کوئی نقدی چھوڑی ہو؟ کوئی زیورات چھوڑے ہوں؟ ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے۔ ایک جانشینِ رسول کا انداز چھوڑ گئے، خدمتِ عوام کا طریقہ چھوڑ گئے اور عدل کا ایک معیار چھوڑ گئے اور یہی چیزیں کسی کو ''مثالی حکمران'' بناتی ہیں۔ یہ سوال عبث ہے کہ اس زمانے میں ایسی ہی سادگی اور ایسا ہی بدویانہ طرز زندگی ہوتا تھا، دائیں بائیں روم اور ایران تھے، قیصر و کسریٰ کے محلات کا ہر سو چرچا تھا، امراء کی آن بان سب کو معلوم تھی، شاہی درباروں کے آداب کا ہر ایک کو علم تھا اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹھ سے اردگرد آشنا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی چیز نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اثر انداز ہو سکی اور نہ ان کے اندازِ حکومت کو متاثر کر سکی۔

☆☆☆☆☆☆

درویش حکمرانوں کے اَوصاف ___ ایک تقابلی مطالعہ

حافظ مختار احمد گوندل

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری　　مرے درویش! خلافت ہے جہاں گیر تری
ما سوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

فارسی زبان میں درویش کے لغوی معانی گو ''نیازمند، صوفی اور گداگر'' کے ہیں لیکن اس کے اصطلاحی مفاہیم بہت وسیع ہیں۔ درویش کو عربی زبان میں صوفی وفقیر کہا جاتا ہے لیکن اس سے مراد مقام درویشی پر مسند نشین وہ روحانی ہستی ہے جس کے بارے میں ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ درویش کو دنیا سے رغبت نہیں ہوتی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اسرار التوحید میں فرماتے ہیں کہ درویش حق کے طلب گار، خلق خدا کے دوست اور احترامِ انسانیت کے حامل ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ درویش کو زندہ دل قرار دیتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درویش کے پاس حبّ الٰہ کا گنج گراں ہوا کرتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک انسان تین اجزا میں منقسم ہے: ایک روح، دوسرا نفس اور تیسرا جسم ہے۔ تعلیماتِ تصوف میں ذات کی نفی، پاکیزگی اور مکمل ادراک کی علامت ہے۔ نفس پر قابو پانے کے لیے روزہ، صدقہ وخیرات کی تقسیم، بندگی شب، لوگوں سے محبت، اور نیکی کے کام ہیں۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کیے بغیر کوئی درویش نہیں بنتا۔ درویش کامل یکتائے روزگار، اور امن ومحبت اس کا شعار ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی ، وہ نگہ کی تیغ بازی

حضرت ادہم رحمۃ اللہ علیہ جیسے حکمران نے تو بادشاہی چھوڑ کر درویشی قبول کی لیکن ایک درویش حکمران کی درویشی ہی تو اس کا سب سے بڑا کمال ہے اور آج ہمیں ایسے ہی حکمران کی ضرورت ہے جو درویش ہو، دور اندیش ہو، عوام اس سے خوش ہوں، جسے دولت اپنے ملک کے لیے درکار ہو، حق و انصاف کا طلبگار ہو، پرہیز گار ہو، ضمیر اس کا بیدار ہو، جس کے دل میں لالچ نہ ہو، محلات میں عیش و عشرت والی زندگی چھوڑ کر سادگی پسند ہو۔ ملک میں افلاس ہو اور بچے بھوک سے مر رہے ہوں، وہ خود پیٹ بھر کے کھانا کھائے کیا ایسے حکمران کو اس کا ضمیر تنگ نہیں کرتا؟ جب تک عوام کا پیٹ نہ بھرے وہ خود بھی فاقہ مست رہے، اصل حکمران تو وہی ہے کہ جب تک درویش نہ بنے وہ حکومتی ذمہ داریوں کا بوجھ ہی نہ اٹھائے۔

درویشی ایک امتیازی وصف ہے اور دورِ حاضر کا ایک تقاضا بھی، اس لئے کہ آج حکمرانوں کی تجوریاں اس قدر بھری جا چکی ہیں کہ ان کے ذہنوں میں اب غیر ملکی بینکوں میں اپنی دولت جمع کرنے کی دھن سمائی ہوئی ہے۔ حالانکہ الٰہی مسند اقتدار کے تو وہ حقدار ٹھہرے جن کا اعزاز "لا نرث و لا نورث" تھا۔ انبیاء کے جانشین خلفاء تو تہی دست واصل بحق ہوئے یا پھر ان کے قبائل نے ان کے قرضہ جات ادا کیے۔ لیکن جاہ پرست حکمران اور سلاطین سیم وزر کے انبار چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔

حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا درویش تو تمام مشرقی و مغربی تصورات سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اپنے منفرد خصائص کے باعث دوسروں کے تصورات کی نسبت حقیقی اور قابلِ عمل کردار ہے۔ اس میں جمالی اور جلالی دونوں کیفیات موجود ہوتی ہیں۔ وہ درویشی و سلطانی اور قاہری و دلبری کی صفات کا حامل ہے۔ اس کی سیرت میں نرمی اور سختی کا امتزاج اور اس کے مضبوط و قوی جسم کے پہلو میں ایک دل جو درد آشنا اور پاک اور نفسانیت سے ماوریٰ ہوتا، اسی لئے ابنائے زمانہ کے حق میں اس کا وجود رحمت الٰہی ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

؎ کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو درویشی، فقر اور قلندری ان تمام صفات کا حامل انسان وہ ہے جو

حاصل ومقصود کائنات ہے۔

درویش وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جو سریع الفکر، صحیح النظر اور صائب الرائے ہوں تا کہ آنے والے واقعات کی پیش گوئی کر سکیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان کے کرتے پر تیرہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایامِ علالت کے آخری دنوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ انہیں اسی لباس کو دھو کر پرانے کپڑوں میں ہی کفن دیا جائے کیونکہ نئے کپڑوں کی ضرورت مُردوں کو نہیں زندہ لوگوں کو ہے۔

☆ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ (عمال کی تعیناتی کے موقع پر) اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ علم ہوتا تھا تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ (سیر الصحابہ 1/ 135)

آخری ایام میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے قرض کا حساب کرو۔ حساب ہوا تو قرضہ 86000 درہم تھا۔ فرمایا: میرا مکان بیچنا اور قرضہ ادا کرنا اگر مکان سے پورا نہ ہو تو میرے اہل وعیال قرضہ ادا کریں اور اگر نہ کر سکیں تو میرے خاندان بنو عدی کے لوگ وگرنہ پھر قبیلہ قریش قرضہ ادا کرے گا۔ سبحان اللہ! حکومت راشدہ کا کمال ہے کہ خلفاء نے دنیاوی دولت جمع نہیں کی بلکہ آج کے پچاس ملکوں کے برابر ریاست کا حاکم ہونے کے باوجود مقروض ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

☆ درویش صفت حکمران، امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو کسی شخص نے کہا: امیر المومنین! اپنے دس سے زیادہ بیٹوں سے آپ نے اس مال کو دور رکھ کر انہیں فقیر و بے نوا چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے کہا: اچھا میرے بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔ لڑکے لائے گئے جو سب کے سب نابالغ تھے۔ بیٹوں کو دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے، میرے بیٹو! جو تمہارا حق تھا وہ میں نے تم کو پورا پورا دے دیا ہے، کسی کو محروم نہیں رکھا اور اب لوگوں کا

مال تمہیں نہیں دے سکتا، تم میں سے ہر ایک کا مال یہ ہے کہ اگر وہ نیک بخت ہوگا تو اللہ تعالیٰ صالح اور نیک بندوں کا والی و مددگار ہے۔ اگر غیر صالح ہوگا تو اس کے لیے میں کچھ بھی چھوڑ نا نہیں چاہتا کہ وہ اس مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں مبتلا ہوگا۔ بس سب جاؤ میں اتنا ہی کہنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ شخص کہتا ہے اُنہی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے بعض کو میں نے دیکھا ہے کہ سو سو گھوڑے فی سبیل اللہ دیتے تھے کہ مجاہدین اسلام ان پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

خلافت راشدہ کا نظام

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک بنیادی اصول بیان کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان جو نظامِ حکومت اپنائیں، اس کی بنیاد شورائیت پر ہو اور حکومت کے تمام امور باہمی مشورے کی بنا پر طے کیے جائیں یعنی اس نظام میں مشورے کی روح پوری طرح کارفرما تھی۔

اسلامی نظامِ حکومت کو ہم نظامِ خلافت کا نام دے سکتے ہیں جس کی بنا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ میں قبائلی خودمختاری قائم رکھتے ہوئے، کیونکہ ان قبائل کو اپنی خودمختاری بہت عزیز تھی، قائم فرمائی۔ وفاقی اعتبار سے صوبہ جات کی مکمل نمائندگی، قریش کی قیادت کے اعتبار سے اشرافیہ اور جمہوری (بیعت کے اعتبار سے) نوعِ انساں کے لیے اکمل فلاحی نظام بھی کہہ سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی 23 سال کی جدوجہد سے قائم ہونے والا دین 'دینِ اسلام' ہی اس حکومت کی بنیاد تھی۔

پہلی اسلامی ریاست کا قیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ میثاقِ مدینہ، مواخاۃ اور دیگر معاہدوں کے ذریعے تمام قبائل بشمول یہود کو اسلامی مملکت کا حصہ بنایا اور خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں ایک بے مثل عالمی منشور انسانیت عطا فرمایا۔ جس کی عملی تعبیر و تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے قائم فرمائی۔ خلافت راشدہ کا دور ایک اہم دور تھا۔ مسلمانوں کی سیادت و قیادت مثال خلفائے راشدین ہیں جو بلند کردار، سادگی و انکساری، خدا ترسی و ایثار، عزم و حوصلہ، شرم و حیا، جود و سخا کے پیکر اور بے لوث خدمت کے جذبوں کے مالک تھے۔ جن کا ہر لمحہ اسلام کی بقا اور مسلمانوں کی فلاح کے لیے گزرتا۔ خلافت راشدہ تمام حکومتوں کے لیے مینارہ نور ہے۔ جن کی اتباع اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اِهْتَدَیْتُمُ۔

سیّدالانبیاءﷺ کے تربیت یافتہ خلفاء

1۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ 11-13ھ/632-634ء

2۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ 13-23ھ/634-644ء

3۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ 23-35ھ/644-656ء

4۔ علی المرتضی رضی اللہ عنہ 35-40ھ/656-661ء

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کردار میں موجود درویشی، استغنا، حکمت وشجاعت اہل علم وعمل کی لیے مینارہ نور ہے۔ ان کا انداز حکمرانی درویشانہ تھا اور ان کا نظم حکومت ان ہی خطوط پر قائم رہا جن کی بنیاد ہمارے آقاﷺ نے رکھی۔

تمام حکومتی معاملات صحابہ رضی اللہ عنہم کی کابینہ میں، جس کا سربراہ خلیفہ وقت ہوا کرتا، باہم مشاورت سے طے ہوتے۔ البتہ اہم مسائل کا جب فیصلہ کرنا مقصود ہوتا تو 'الصلوٰۃ جامعۃ' کا اعلان کر دیا جاتا جس سے دارالحکومت کے تمام افراد بشمول خواتین مسجد نبوی میں جمع ہو جاتے۔ ہر فرد کو اظہار رائے کی مکمل آزادی ہوتی۔ بعض اوقات قبائل اور صوبوں کے نمائندوں کو بھی طلب کر لیا جاتا اور مسجد نبوی کے صحن میں یہ اجتماعات منعقد ہوتے۔ خلفائے راشدین کے اس شورائی (Participative) نظام کی دور جدید کی جمہوریتوں میں مثال بھی ملنا مشکل ہے۔

سمع واطاعتِ اُولی الامر :

نظام خلافت کی سنام اور دیگر نظام ہائے مملکت سے امتیاز سمع وطاعت امیر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا O (59:4)

اس آیت میں اللہ اور نبی کی اطاعت غیر مشروط ہے اور اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے۔ یہاں اولی الامر سے مراد کیا ہے؟ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اولی الامر سے مراد مسلمانوں کے حکمران یا دینی سربراہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اولی الامر کی تفسیر ''اہل الحل والعقد'' سے کی ہے یعنی وہ لوگ

جومسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار اور مستند نمائندے ہوں اور فیصلے کرنا ان کے ہاتھ میں ہو۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اولی الامر، امراء وحکام اور علماء وفقہاء ہیں۔

یہاں اولی الامر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے علاوہ خلیفہ اور حکمراں ہیں۔

ظاہر ہے کہ اولی الامر کی مختلف حیثیتیں جو سیاسی حکمرانی سے لے کر چھوٹے منصب تک پھیلی ہوئی ہیں یعنی کسی بھی منصب پر فائز شخص کی اطاعت اس لئے کی جائے کہ وہ اجتماعی نظم میں ایک بڑے اولی الامر (خلیفہ یا امیر) کے تابع ہے۔ سرکاری احکام کی تنفیذ و بجا آوری کے لئے اس کی حیثیت اولی الامر کے نائب کی ہے۔ کیونکہ امراء وحکام امت کے اجتماعی مصالح کا نظم چلاتے ہیں اور عمومی مفادات کی نگہبانی کرتے ہیں۔ اس لئے انما الطاعة فی المعروف کے تحت ان کی مشروط اطاعت کی جائے گی۔ تفہیم القرآن میں ''اولی الامر'' کی وسعت اور معاشرتی وقانونی حیثیت کی جہت کے حوالے سے بڑی مبسوط تفسیر ہے۔

معیارِ خلافت: علمی وجسمانی تفوق و برتری ہی معیار خلافت ہے۔ جیسا کہ فرمایا: وزادہ بسطةً فی العلم والجسم۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بنا پر آیت میں علم وجسم دونوں سے وہ کمالات حقیقی مراد لیے ہیں جو ہر انسان کو ودیعت ہوتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں کمالِ اختصار کے ساتھ حضرت طالوت کی قیادت کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وکان اعلم بنی اسرائیل یومئذ واجملهم واتمهم خلقا۔ علم کی فراوانی، حسن وجمال، اور اطاعت ومحبت پر اخلاق کاملہ گویا قیادت کی صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے علمی صلاحیت اور جسمانی اہلیت دونوں کی اہمیت بھی بتلائی اور ترتیب بھی۔ اس سے پہلے جو لوگ مال ودولت کی کثرت اور خاندانی نجابت کو بنائے استحقاق سمجھتے تھے ان کی تردید کر دی گئی اور ذمہ داریوں کے حوالے سے علمی وجسمانی قابلیت کو معیار بنا کر کل انسانیت کے لیے استعداد کی بنیاد پر ترقی کے راستے کھول دیے گئے۔

سرکاری احکام کی تنفیذ کے لیے نظم حکومت لازمی ہے۔ جس کی نظیر مدینہ طیبہ کی اولین اسلامی ریاست ہے۔ حکومت اور اس کے اہم اداروں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کا وجود ایک اجتماعی

نظم کی صورت میں ظہور پذیر ہوگا جب ایک خلیفہ یا امیر کا تقرر شرعی بنیادوں پر ہوگا۔ کیونکہ اجتماعی امور کے لیے ایک متفقہ قیادت کا لزوم اہتمام مدنیت کا تقاضا ہے۔ اس لیے اسلام میں وجوب خلافت کا واضح تصور موجود ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد تدفین سے قبل جس اجتماعی امر کا فیصلہ ہوگیا وہ یہی خلافت تھی تاکہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے تاسیس خلافت کی تلقین فرمائی۔ اس لیے حکومت کا قیام ضروری ہے تاکہ منظم انداز سے حقوق وفرائض کی تعمیل وتکمیل ہو سکے، اور ریاست کی حاکمیت قائم رہ سکے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درویش صفت حکمران ہونے کا ایک مظہر یہ ہے کہ آپ کو سرکاری دورہ پر بیت المقدس جانا پڑا تو آپ نے ایک غلام کو ساتھ لیا اور سواری کے لیے ایک اونٹ لیا جس پر دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو غلام کے سوار ہونے کی باری تھی۔ غلام نے کہا بھی کہ امیر المومنین! آپ سوار ہو جائیں لیکن آپ نے فرمایا: اب سوار ہونے کے باری تمہاری ہے۔ چنانچہ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو امیر المومنین نے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے پیدل چل رہے تھے اور غلام اوپر سوار تھا اور آپ کے کرتے پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہ بیت المقدّس پہنچے تو آپ کا حُلیہ مبارک دیکھ کر، وہاں کے لوگوں نے بیت المقدّس کی چابیاں حوالے کر دیں اور کہنے لگے کہ ہم نے جو حُلیہ فاتح بیت المقدس کا اپنی کتابوں میں پڑھا ہے یہ وہی حُلیہ ہے۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

دمشق کے باب الصغیر میں مدفون، فاتح قبرص وشام، 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمران، 22 رجب المرجب 60ھ کو 78 سال کی عمر میں جب سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے پاس محفوظ رسول اللہ ﷺ کی مبارک قمیص کے بارے میں فرمایا: اسی قمیص میں مجھے کفن دیا جائے۔ شیشی میں محفوظ نبی کریم ﷺ کے تراشے ہوئے مبارک ناخنوں کو پیس کر چہرہ اور آنکھوں پر لگایا جائے۔ ذاتی مال کا نصف بیت المال میں جمع کروا دیا جائے۔ (طبری، 4/1-131)

سلطان نورالدین زنگی کی عظیم الشان خدمت

نور الدین، زنگی سلطنت کے بانی عماد الدین زنگی کا بیٹا اور درویش بادشاہ تھا۔ عمادالدین زنگی سلجوقی حکومت کی طرف سے شہر موصل کا حاکم تھا۔ جب سلجوقی حکومت کمزور ہوگئی تو اس نے زنگی سلطنت قائم کرلی اور صلیبیوں کو شکست فاش دے کر تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ نورالدین فروری 1118ء میں پیدا ہوا اور 28 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ 1146ء سے لے کر 1174ء تک 28 سال تک حکومت کی۔ اس نے صلیبیوں سے بیت المقدس واپس لینے کے لیے پہلے ایک مضبوط حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ مصر پر قبضہ کرنے کے بعد نورالدین نے بیت المقدس فتح کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی دوران انہیں خواب میں رسول کریم ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ 557ھ میں سلطان نورالدین زنگی جبکہ وہ عیسائیوں کے ساتھ صلیبی جنگ عظیم میں مشغول تھے، مصر سے مدینہ شریف پہنچے اور نصرانیوں سے جو اسلامی وضع میں ملبوس اپنے عیسائی بادشاہ کے حکم سے جسد محمد ﷺ نکالنے آئے تھے، گرفتار کر کے ان دونوں کو اپنے سامنے قتل کروادیا اور پھر لاکھوں من سیسہ پگھلوا کر روضہ مبارک کے چاروں طرف ڈلوایا اور سطح زمین تک سیسہ کی زمین دوز ٹھوس دیوار قائم کردی تاکہ آئندہ کوئی دشمن ایسی حرکت کر کے جسد اطہر تک رسائی نہ پاسکے۔ تاریخ کے اوراق اس مجاہد عظیم کو خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا مقام دیتے ہیں۔

خلافت راشدہ تو ایک دینی حکومت تھی جس کی بنیاد قرآن وسنت تھی۔ خلفائے راشدین اصحاب رسول ﷺ کے منتخب خلفاء تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں استخلاف فی الارض کی پیش گوئی قرآن مقدس میں نازل فرمائی تھی۔ انہیں تمکین فی الارض نصیب ہوئی۔ خلفائے راشدین کی اقتدا حجت شرعی اور فلاح عالم وانسان کی کلید ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اہم کتاب
حکمت اقبال کے دیباچہ کا
چشم کشا اقتباس

عرصہ دراز تک اقبال کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اقبال کے تصورات علمی اور عقلی اعتبار سے نہایت برجستہ، زوردار، درست اور نا قابل تردید ہیں اور اگرچہ یہ تصورات اس کی نظم ونثر کی کتابوں میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں تاہم ان میں ایک عقلی اور ایک علمی ربط موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب صرف ایک تصور سے ماخوذ ہیں جسے اقبال ''خودی'' کا تصور کہتا ہے۔ لہٰذا اقبال کی تشریح کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ خودی کے مرکزی تصور کے ساتھ اس کے دوسرے تمام تصورات کے علمی اور عقلی ربط کو واضح کیا جائے اور اگر ایسا کرنے کے بغیر اس کی کوئی تشریح کی جائے گی تو وہ مسلمانوں کے لیے بالعموم اور غیر مسلموں کے لیے بالخصوص پوری طرح سے قابل فہم اور تسلی بخش نہیں ہو سکے گی۔ دراصل اس وقت بھی اقبال کے خیالات کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں مسلمانوں یا غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں ان کا سبب یہی ہے کہ اقبال کے خیالات کی علمی اور عقلی ترتیب اور تنظیم مہیا نہیں کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں میرا نتیجہ یہ تھا کہ اقبال کا فلسفہ دنیا کے اور بڑے بڑے فلسفوں کی طرح بالقوہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل اور مسلسل فلسفہ ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کے تصورات میں ایک عقلی یا منطقی ترتیب اور تنظیم موجود ہوتی ہے جو اسے موثر اور یقین افروز بناتی ہے اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے تصورات کی مخفی عقلی ترتیب اور تنظیم کو آشکار کر کے اس کے فکر کو ایک مکمل نظام حکمت Philosophical System کی شکل دی جائے تاکہ وہ نہ صرف پاکستان کے اندر پوری طرح قابل فہم بن جائے بلکہ دنیا کے آخری باطل شکن عالمگیر فلسفہ کی حیثیت سے دنیا کے علمی حلقوں میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔ لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو خدا کی توفیق سے اس کام کو انجام دینے کی کوشش کی جائے۔

باب 7

خطبہ حجۃ الوداع

1۔ تکمیل ہدایت کا سنگ میل

2۔ تکمیل ہدایت اور ازواجِ مطہرات

3۔ تکمیل ہدایت اور خلافت راشدہ

4۔ خطبہ حجۃ الوداع کی تعمیل.....

5۔ مستقبل کے مسلمان حکمران.....

6۔ حاصل کلام

خطبہ حجۃ الوداع

1۔ تکمیل ہدایت کا سنگ میل

قارئین کرام! ابھی گزشتہ ابواب میں خطبہ حجۃ الوداع کا عربی متن اور اردو ترجمہ آپ کی نظر سے گزرا۔ انسانی سماعت کے لئے خطبہ کے یہ الفاظ کئی پہلوؤں سے بہت اہم معنی خیز اور سخت ہیں۔

سلسلۂ کون ومکان اور تخلیقِ آدم علیہ السلام اور قصۂ ابلیس سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخر موجودات اور سیّد الاوّلین والآخرین کی تشریف آوری تک، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ابتدائی چالیس سالہ دور، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی (سفرِ طائف جیسا حوصلہ شکن واقعہ) اور پھر مدنی زندگی کے جہاد اور جنگیں، تب جا کر کہیں اس سلسلۂ ہدایت کا آخری باب آیا اور پھر ہدایت کا باب مکمل ہو کر بند ہو گیا۔ وحیٔ نبوت و رسالت، اللہ سے ہم کلامی، پیغامات الٰہی اور روزمرہ کے معاملات میں نئے احکامات اور آرڈرز کی ضرورت اور امکان ختم ہو گیا۔

میر تقی میر نے کسی موقع پر کہا تھا:

؎ مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

اور اسے پہلے بیدل نے کہا تھا اور خوب کہا تھا:

؎ ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی
اے بہار نیستی از قدر خود ہشیار باش

اس نیچے کے سفر کے بعد جب اوپر کا سفر شروع ہوا تو سلسلۂ انبیاء و رسل میں ختم الرسل اور سرتاجِ انبیاء علیہم السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پھر ان کی تعلیمات کا بھی حاصل اور سب سے

اونچا درجہ ہے یہ خطبۂ حجۃ الوداع۔ اور پتے کی بات یہ ہے کہ یہ اصلاً میرے اور آپ کے لئے ہے۔

● اس روح افزاء و جان افزاء خطبہ کو دوبارہ پڑھیے اور ہو سکے تو سہ بارہ بھی پڑھ لیجیے۔ ایک اچھے صالح انسان کو قرآن مجید کا انسانِ مطلوب کہہ لیں اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ کہہ لیں یا حضرت محمد ﷺ کا سچا اُمتی کہہ لیں، یکے از عباد الرحمٰن کہہ لیں اقبال کا مردِ مومن کہہ لیں یا اقبال کا شاہین پکاریں یا انسان کامل کہہ لیں یا خطبۂ حجۃ الوداع میں جس شخصیت کا ہیولیٰ بیان ہوا ہے وہ انسان سمجھ لیں بات ایک ہی ہے اور عربی محاورہ 'عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُكَ وَاحِد' کے مطابق حاصل ایک ہی ہے۔

● ہمارے نزدیک اس خطبہ سے ایک اعلیٰ انسانی کردار کا ایسا ہیولا ابھرتا ہے جس کو قرآن مجید نے ہمارے سامنے پیش کیا، حضرت محمد ﷺ نے عمل کر کے دکھایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عملی میدان میں اس کا مصداق کامل بنے۔ بقول اکبر الہ آبادی:

وقت ذبح سر میرا اس کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے

یقیناً یہ فخر و مباہات ہی کا موقع ہے۔

2۔ تکمیل ہدایت اور ازواجِ مطہرات

● قرآن مجید میں احکام خداوندی عموماً علیٰ سبیل التغلیب جمع مذکر کے صیغے میں آئے ہیں اس کی کئی حکمتیں اہل علم حضرات اور مفسرین کرام نے اپنی تصنیفات اور تفسیروں میں درج فرما دی ہیں۔ تاہم یہ بات طے ہے کہ عورت کا ایک مشخص وجود ہے اور وہ دینی کاموں میں برابر کی ذمہ دار اور آخرت میں جوابدہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں مردوں کے لیے ہدایت بن کر آیا ہے وہیں خواتین کے لئے بھی ہدایت ہے۔ مزید برآں حضرت محمد ﷺ سیّد الاوّلین والآخرین ہم سب کے لئے پیغمبر، رسول اور ہادی ہیں اور ان کا اُسوہ علی الاطلاق تمام اہل ایمان کے لئے قیامت تک کے لئے اسوہ حسنہ یا اسوۂ کامل و اکمل و مکمل ہے۔

● اس بات کے ساتھ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ مرد اور عورت کی جسمانی ساخت مختلف ہے اور دنیاوی زندگی میں خالق کائنات کی طرف سے دی گئی عورت کی ذمہ داریاں مرد سے مختلف

ہیں اور بحیثیت انسان کامل مساوات ہے مگر مرد اپنے اعمال کا جواب دہ ہے اور عورت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جواب دہ ہے۔

- ایک مرد کی زندگی (بالخصوص نسوانی معاملات میں) عورت کے لیے نمونہ نہیں ہوسکتی سیّدنا محمد ﷺ بحیثیت مجموعی امت کے لیے اُسوۂ کاملہ کے حامل ہیں مگر تفصیلات میں جائیں تو آپ ﷺ نے بعض مردانہ معاملات کی طرح خواتین کے لئے برقعہ پہن کر نہیں دکھایا، چوڑیاں پہن کر نہیں دکھائیں۔ یہاں آ کر آپ کو احساس ہوگا ـــــ اس خلا کو پر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن عطا فرمائیں اور مختلف قبائل، رواج، علاقے، خاندانوں اور نسلوں سے یہ خواتین آپ کے حرم میں رہیں۔

ایک مرد نسوانی معاملات میں دینی تعلیمات اپنی بہن، بیٹی، ماں کو کما حقہ اس طرح نہیں سمجھا سکتا جس طرح کہ وہ بیوی کو سمجھا سکتا ہے۔

- حضرت محمد ﷺ نے 50 سال تک کی عمر، ایک خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گذاری۔ اس عمر میں طبعاً آپ کو تعددِ ازواج کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر منصب رسالت کے تقاضے کے طور پر اللہ تعالیٰ نے متعدد ازواج آپ ﷺ کے ہاں جمع فرما دیں۔ آپ ﷺ کے ہاں کوئی شاہی اور دنیاوی اعتبارات سے مرفع الحالی کے انتظامات اور رہائشیں بھی نہیں تھیں پھر بھی بہت سی باحیثیت خواتین آپ کے عقد میں آئیں۔ یہ ان خواتین کی عظمت کردار کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ ﷺ کی زوجیت میں لا کر تربیت دلائی اور وہ اپنے اپنے قبیلے اور اہل ایمان خواتین کے لئے قیامت تک کے لئے نمونہ بن گئیں۔

- آپ ﷺ کے اُسوۂ کامل اور ختم نبوت ہی کا ایک ضمیمہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات اب قیامت تک کے لئے مسلمان خواتین کے لئے اسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتی ہیں اور کامل نمونہ ہیں۔ خاتون نکاح کے بعد اپنے شوہر کی تابع اور فرماں بردار ہوتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جہاں ان ازواجِ مطہرات کو درجہ میں بلند کر کے اعلیٰ مقام دے دیا وہاں کئی پابندیاں بھی لگا دیں جو اس مقام بلند کے لئے ناگزیر تھیں۔ مثلاً ازواج مطہرات اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ مزید برآں آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خواتین اب نکاح ثانی نہیں کر سکتیں۔ ایک خاص موقع پر اللہ تعالیٰ

نے فرمادیا کہ ان کی تربیت ہوچکی ہے اور اب آپ ان کو بدل نہیں سکتے۔ سورۃ احزاب میں ایک موقع پر فرمایا کہ اے ازواج مطہرات یعنی ازواج النبی تم عام عورتوں کی طرح عام عورتیں نہیں ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عام درجے سے اٹھا کر امت کی مائیں اور قیامت تک کے عورتوں کے اسوۂ کامل اور نمونہ بنادیا ہے لہٰذا ــــــ اگر تم سے کوئی غلطی ہوئی تو سزا بھی دوگنی ہوگی اور نیکی کروگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر بھی دوگنا پاؤ گی۔ ان ازواج کو مطہرات کا لقب قرآن پاک نے ہی دیا ہے کہ ان طیبات کو عام انسانی معاشرے سے اٹھا کر پھر ان کو مطہرات بنایا ہے اور تطہیر کی ہے تب یہ اس قابل ہوئیں ہیں آپ کے گھر کی زینت بن سکیں اور آپ سے نسوانی دینی تعلیم حاصل کر کے اُمت کی خواتین کے نسوانی معاملات میں تا قیامت نمونہ بن سکیں۔ واللہ اعلم

3۔ تکمیل ہدایت اور خلافت راشدہ

- آپ ﷺ کا یہ خطبۂ حجۃ الوداع مجموعی طور پر تمام اہل ایمان کے لئے رہنمائی رکھتا ہے جہاں تک انسانی زندگی کے انفرادی پہلو ہیں اس میں تو عام صحابہ کرام ہی جو اس کے مخاطب تھے، وہ جواب دہ تھے اور ان کے لئے اس میں کامل نمونہ بھی تھا مگر انسان کے اجتماعی معاملات جو اس خصوصی اشاعت کا موضوع ہے اس کے لحاظ سے تمام اہل ایمان مردوں اور خواتین کے اجتماعی سطح پر آپ ﷺ کے اسوۂ کامل کے حاملین اور اس خطبۂ حجۃ الوداع کے مصداق آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین مہدیین ہیں۔
- آپ ﷺ کے بعد قیامت تک تمدنی اور عمرانیات کے میدانوں میں انسانی علم کی ترقی کے ساتھ بعض معاملات میں اہل ایمان 'عرف' اور 'ظروف و احوال' کے بدلنے سے اس انسانی اکتسابی علم کو مناسب اہمیت دینے کے قائل ہیں اور یہ اسلام کا حصہ ہے۔ تاہم مجموعی طور پر انسان کی اجتماعی زندگی میں قبیلہ کے شیخ اور سردار سے اوپر انسانی ضروریات جب بھی اٹھیں گی تو رہنمائی کے لئے خطبۂ حجۃ الوداع موجود ہوگا اور انسانی زندگیوں میں نمونے کے حکمران دیکھنے ہوں تو وہ ــــــ تاریخ میں مثالی حکمران آپ ﷺ کے بعد ــــــ یقیناً بلاشرکت غیرے خلفائے راشدین ہیں اور آپ ﷺ نے ان خلفائے راشدین کے طریقوں اور فیصلوں کو اہمیت دینے کا حکم بھی دیا ہے اور انہیں 'خلفائے راشدین المہدیین' فرمایا ہے۔

لہٰذا خواتین اسلام کی نسوانی معاملات میں رہنمائی کی ضرورت کے لئے جہاں ازواج مطہرات کا مقام ہے اسی طرح اسلام میں اجتماعی زندگی میں جو شخص بھی ذمہ دار بنے گا اس کے لئے نمونہ اور آئیڈیل یا رول ماڈل خلفائے راشدین ہی ہوں گے کوئی مسلمان حکمران نماز چاہیے جس صحابی کے طریقے پر پڑھ لے مگر انداز حکمرانی اور طرز بود و باش میں خلفائے راشدین کے انداز سے باہر نہیں جا سکتا۔

4۔ خطبہ حجۃ الوداع کی تعمیل

خلافت راشدہ ___ درویشی کی حکومت

- قارئین کرام! اس عنوان کو مدنظر رکھ کر اس خطبہ کو ایک دفعہ مزید پڑھیے آپ حیران ہوں گے کہ جہاں

___ مساواتِ انسانی ہو۔

___ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، خاندان، برادری کی بنیاد پر کوئی فوقیت نہ دی جا سکتی ہو ___ نہ کوئی اس بنیاد پر استحقاق ہو۔

___ خواتین کے حقوق ادا کرنے ہوں۔

___ خواتین کے حسن سلوک کو مدنظر کر رکھنا ہو۔

___ غلاموں سے حسن سلوک کرنا ہو۔

___ غلاموں کو ایذا نہ دینا اور معاف کرنا ہو۔

___ غلاموں کو جو خود کھاؤ، وہ کھلانا ہو اور جو خود پہنو، وہ پہنانے کا حکم ہو۔

وہاں ___ کسی مسلمان حکمران کے لئے محلات، ٹھاٹھ باٹھ، نوکر، خدمت گار، ہزاروں غلام، ہزاروں کنیزیں اور دوسرے مروّجہ لوازمات کا خیال آنا بھی قابل گرفت سمجھا جائے گا۔ پھر عام انسان جیسا معیار زندگی رکھنا ہو وہاں فراعنہ مصر، رومی حکمرانوں، یونانی حکمرانوں اور دنیا بھر کے عیاش، شرابی، بدکردار، زانی، ظالم، لٹیرے، بداخلاق، حرام حلال کی پرواہ نہ کرنے والے، لوگوں کے حقوق غصب کرنے والے حکمرانوں کی نقل اتارنے کی اجازت کون دے گا۔

- خطبۂ حجۃ الوداع کا حاصل یہ ہے کہ خلفائے راشدین المہدیین کا جیسا فہم و فراست

اور باطن کی جلاء جوانہوں نے آپ ﷺ سے یہ خطبہ براہ راست سن کر حاصل کیا، اس کی روشنی میں زندگی گذارنا ہوگی۔ وہی فہم وفراست اور باطنی بصیرت حاصل کرنا لازم ہے تاکہ آئندہ حکمران صحیح رُخ پر چل کر حق حکمرانی ادا کرسکیں۔

☆ خلافت راشدہ کا نام آتے ہی جو چار نام ایک مسلمان کے ذہن میں اُبھرتے ہیں وہ چاروں مقدس نام بڑے اہم ہیں۔ عام انسانوں میں آخرت کی کامیابی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے نقطہ سے مسلمان مقدم ہیں، پھر مسلمانوں میں اچھے صالح اور باعمل اہل ایمان دوسرے مسلمانوں سے آگے ہیں۔ پھر ان اہل ایمان میں جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم افضل ہے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو خطبہ حجۃ الوداع میں تھے وہ افضل ہیں۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار اہل ایمان افضل ہیں۔ پھر اصحاب الشجرہ افضل ہیں۔ ان میں سے درجہ بدرجہ اصحاب بدر افضل ہیں۔ اس مقام رفیع پر آکر افضلیت کا معیار یہ ہے کہ ان خوش نصیب اصحاب کے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما چکا ہے۔ اب وہ جو مرضی کریں کوئی عمل ان کو نقصان نہیں دے سکتا (گویا دوسرے لفظوں میں ان کا ایمان اتنا اعلیٰ اور خالص ہے کہ ان سے اخلاق سے گرا ہوا چھوٹا کام بھی سرزد ہونے کی امید نہیں، جو قابل گرفت ہو)۔

پھر ان اصحاب بدر سے مہاجرین علی الاطلاق افضل ہیں۔ پھر درجہ افضلیت بڑھتے بڑھتے عشرہ مبشرہ تک پہنچتی ہے کہ دس خوش نصیب اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم) وہ ہیں کہ انہیں آپ ﷺ نے اس دنیا میں جنت کی بشارت دی ہے گویا ان کے ایمان کے کامل ہونے کی گواہی ہے کہ ان کا ایمان اس اعلیٰ درجے پر ہے اب ان سے خلاف اولیٰ کوئی کام سرزد ہو ہی نہیں سکتا۔

ان دس خوش نصیبوں میں سے خاص قربت رکھنے والے اور اعلیٰ تربیت یافتہ وہ چار صحابہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے بعد فخر انسانیت ہیں اور ان میں بھی افضلیت علی ترتیب الخلافہ ہے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ (جزا اللہ عنا احسن الجزاء)۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے جس طرح ایک نازک دینی فریضہ کی تکمیل ہونا مقدر تھی اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام جلیل کے شایانِ شان خواتین کو چن چن کر آپ ﷺ کے حرم میں خود جمع فرما دیا، ان کی خصوصی تطہیر فرمائی اور ان سے بہت بڑا کام لے لیا، جس کا ذکر قرآن مجید

میں بھی آ گیا ہے۔

بعینہٖ ___ لسانِ حق ترجمان لسانِ رسالت کے اٹھ جانے کے بعد عام حالات میں قرآن وسنت کی تشریح اوران احکام کا اطلاق ایسا نازک کام تھا جس میں ذرا سی بھی افراط وتفریط یہ حد سے بڑھی ہوئی احتیاط ہو یا اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر حق کے معاملے میں حدِ اعتدال سے ذرا بال برابر آگے نکل جانا ہو دونوں باتیں وحی آسمانی کی غیر موجودگی میں انسانیت کے لئے مہلک ہوسکتی تھیں۔لہٰذا اس مقصد جلیلہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے دس اصحاب ہمت وعزیمت کو چنا، ان کو آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ فرمایا ان کی برسوں تربیت ہوئی اور وہ زر خالص کے ممکنہ انسانی (غیر نبوت) کے معیار تک لائے گئے۔ پھران میں سے چار کو چنا گیا اوران میں اللہ تعالیٰ نے علی ترتیب الخلافہ خدمتِ دین اور تشریح دین یعنی خلافت علی منہاج النبوۃ کے کام کو کامیابی سے چلا کر دکھانے کی ذمہ داری سپرد فرما کر ان کی ممکنہ غیر مرئی نگرانی فرمائی اور ہر قسم کے ابلیسی اور شیطانی شر سے بچا کر انسانی سطح پر قیامت تک کے آنے والے دور میں رہنمائی کا باب واضح کر کے خلافت راشدہ کا باب بند کر دیا کہ اس کی روشنی میں اور انہی ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے پر چل کر ہی تمہاری کامیابی کا فیصلہ ہوگا۔ عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْن (مسلم) کے الفاظ نہایت اہم اور معنیٰ خیز ہیں۔

5۔ مستقبل کے مسلمان حکمران ___ درویش حکمران

گویا ہمارے نزدیک خطبۂ حجۃ الوداع کا انفرادی زندگی میں مفہوم زہد، قناعت، ورع، توکل، درویشی، سادگی اور دنیا سے بے رغبتی ہوگی اور اجتماعی زندگی میں حکمرانی کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے جو لوازمات درکار ہوں گی وہ اپنی جگہ مگر انداز حکمرانی اور طرز بود وباش میں مسلمان حکمران اور خلفاء 'درویش صفت' ہی ہوں گے۔

لہٰذا تاریخ میں عمرانیات کے ارتقاء اور اجتماعی انسانی زندگی کے آئندہ مراحل میں جب بڑی حکومتوں اور بین البر الاعظمی سلطنتیں بھی بن جائیں اور خلافت موعودہ علی لسان الرسالۃ (کماجاء فی الحدیث عن ثوبان و عن مقداد و عن نعمان بن بشیر رضی الله عنهم) عالمی بھی ہوجائے تب بھی مسلمان خلیفہ اور حکمران کو درویش کی حکمرانی کا نمونہ پیش کرنا ہوگا۔ اور

یہی ____ عالمی انسانی ضمیر کی آواز بھی ہے اور ہر باضمیر انسان کا خواب اور ارمان بھی، آنے والے دور میں جب عالمی خلافت علی منہاج النبوۃ کا دور مسعود آئے گا تو دنیا اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کا ساتھ دے گی۔

6۔ حاصل کلام

ہمارے نزدیک بیانیہ انداز میں تکمیل ہدایت کا درجہ حاصل ہے قرآن مجید کے بعد خطبہ حجۃ الوداع کو اور عملی طور پر انسان کی انفرادی زندگی کے لئے علی الاطلاق جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نمونہ ہے اور رہنمائی کے مقام پر ہے۔ پھر خواتین اسلام کے لئے خاص نسوانی معاملات میں ازواج مطہرات اور امہات المومنین نمونہ اور اُسوہ کاملہ ہیں۔

جبکہ انسانی اجتماعی زندگی میں مکمل نمونہ ہے خلافت راشدہ میں ____ تمام آنے والے مسلمان حکمرانوں کے قیامت تک کے لئے۔ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل کے خلاف نماز نہیں پڑھی جاسکتی اس طرح حکمرانوں کے لئے بھی خلفائے راشدین کے طرز حکومت کو چھوڑ کر حکمران کا کوئی انداز جائز اور قابل قبول نہیں ہوگا۔

پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہین بناتا نہیں آشیانہ

علامہ محمد اقبال

باب 8

قرآن مجید اور
فکرِ انسانی کی کشاکش

دورِ نبوت: 610ء تا 632ء

خلافت راشدہ: 632ء تا 660ء

دورِ نبوت اور خلافت راشدہ

(ا) عمرانیات کا ارتقاء اور آسمانی ہدایت

● عمرانیات کے ارتقاء یعنی انسان میں ودیعت شدہ وہ فطری علوم جو تجربے کی بنیاد پر اکتسابی علوم کہلاتے ہیں اور ان علوم کے حصول، ترقی اور ان سے استفادہ کے لئے انسان کا مسلمان اور صاحبِ ایمان ہونا لازم ہے۔

● خالق کائنات نے انسان میں یہ فطری اکتسابی علوم کا داعیہ بھی رکھا ہے۔ روح اور جسد کے مجموعے اس انسان میں روح کے تغذیہ اور ترقی کے لئے بھی علومِ وحی یا REVEALED KNOWLEDGE رکھے ہیں۔ کائنات میں بظاہر یہ مادی اور تجرباتی علوم ہی اس مادی دنیا میں ہمارے پیش نظر رہتے ہیں اور ہر چہار طرف جاری وساری نظر آتے ہیں مگر اہل علم واہل نظر جانتے ہیں اس مادی دنیا کے پیچھے ایک بہت بڑی حقیقت کارفرما ہے وہ ہے خالق کائنات اور اس کا سارا نظام کائنات۔

● دنیا میں انسان کے لئے آزادی (FREE WILL) یعنی ارادے کی آزادی اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسی اختیار کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے اور کمالاتِ انسانی کا ظہور و انعکاس ہو رہا ہے۔ اسی لئے دنیا میں اچھے، باضمیر اور ضمیر کے مطابق زندگی گزارنے والے لوگ بھی ہیں اور بے ضمیر، مردہ ضمیر، لادین، سیکولر، دنیا پرست، ظالم عیاش، کرپٹ، حرام خور اور بداخلاق بھی موجود ہیں۔ بے اختیار مخلوق جیسے حیوانات (ANIMAL KINGDOM)، نباتات اور پہاڑ وغیرہ کے لئے، اس دنیا کے اختتام پر کوئی محاسبہ اور جواب دہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس اس دنیا میں آنے کے بعد کوئی اختیار ہے ہی نہیں۔ جو کچھ جیسا کچھ (AS IS, WHER IS) کے مصداق ان کی کل کائنات ایک روبوٹ (ROBOTIC ATTITUDE) ہے۔ اگرچہ فرشتے

اس کائنات میں بڑا اہم رول ادا کر رہے ہیں مگر وہ سب کے سب 'باختیار مخلوق' انسان کو ASSISTاور SUPPORT کر رہے ہیں اور اس کی خدمت میں مگن ہیں۔

● اسی 'اختیار' اور 'بے اختیاری' کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ابلیس (شیطان لعین) بھی اتارا گیا اور قصۂ آدم وابلیس کا ہی شاخسانہ ہے کہ دنیا میں 'خیر' اور 'شر' کا ایک معرکہ ہر چہار طرف جاری ہے جو معرکہ انسان کے اندر بھی ہے اور انسان کے خارج میں بھی۔ بقول اقبال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرارِ بولہبی

جہاں خیر آگے بڑھتا ہے شر کے داعی (جن اور انسان) یعنی ابلیس کی ذُرّیت معنوی وصلبی دونوں اسی شدت سے اس اقدام کو چیلنج کرتے ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ ہر (نیک) عمل کا ایک ردّعمل (برائی) سامنے آتا ہے اور مخالف سمت میں اسی زور سے راستہ بلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مادی دنیا میں اس کی مثال بڑی سادہ ہے۔ عام آدمی کو اپنے سے باہر 'ہوا' کی موجودگی کا زیادہ احساس نہیں ہوتا مگر موٹر سائیکل چلانے والا نوجوان جانتا ہے کہ 10 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار پر شاید ہوا کا احساس نہ ہو اور بڑی خوشگوار محسوس ہوتا ہم 60 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار پر ہوا کی موجودگی اور مخالف سمت میں راستہ روکنے کا احساس بڑھ جاتا ہے بالفرض نوجوان موٹر سائیکل کی رفتار 80 کلومیٹر یا 100 کلومیٹر فی گھنٹہ کردے تو ہوا کی شدت اور مخالفت کا زور ناقابل برداشت ہونے لگتا ہے۔

اسی طرح اس مادی دنیا میں نظریات کی سطح پر بھی ہر عمل کا ردّعمل اسی ___ مقدار میں مخالف سمت (دوسرے فریق کی طرف) سے آتا ہے۔

(ب) انسانی عمرانیات کے سفر میں

انبیاء کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور اس کا ردّعمل

● حضرت آدم علیہ السلام کے بعد تقریباً چھ صدیاں ایسی ہیں کہ اگرچہ علاقائی سطح پر پیغمبر تشریف لاتے رہے اور نافرمانی پر مخالف قوموں کو ہلاک کرکے ان کی تہذیب وتمدن کو تباہ کیا جارہا

ہے۔مگر بدقسمتی سے حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی منصفانہ اور عادلانہ خلافت کے بعد سے شروع ہوکر اگلے ڈیڑھ ہزار سال تک باطل نے مسلسل حق کو دبانے، مٹانے اور ختم کرنے کی سرتوڑ کوششیں تسلسل کے ساتھ کی ہیں اور حددرجہ استقلال اور ثابت قدمی سے کی ہیں کہ عقل عام (COMMON SENSE) حیران ہے۔

آسمانی ہدایت کے خلاف خدابیزار اور وحی دشمن انسانی فکر کا پہلا ردّعمل آیا 600ق م سے 610ء تک۔ پہلے قتل انبیاء سے آسمانی ہدایت اور رہنمائی کو زبردستی روک کر مصنوعی خلا پیدا کیا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چھ صدیاں (610ء) تک خود وقفہ دے دیا جسے 'فترۃ الوحی' کہا گیا ہے کہ اس عرصہ میں دنیا کی عظیم بادشاہتیں اور شہنشاہ پیدا ہوئے اور ظلم وستم اور سفاکی کی انتہا کرکے اپنی خاندانی حکومتوں کو ہزار سال تک طول دینے میں کامیاب ہوگئے۔

- خدابیزار اور وحی دشمن انسانی فکر یا EROTIC اور ابلیسی فکر کا دوسرا بڑا ردّعمل آیا ہے جب دنیا میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، قرآن مجید جیسی کتاب نازل ہوئی اور ختم نبوت کا اعلان کردیا گیا۔

- حضرت محمد ﷺ پر نازل شدہ کتاب کی عظمت اور آخری ہدایت ہونے کی وجہ سے اکملیت کی شان اتنی واضح تھی اور اس کی اثر انگیزی وسحر آفرینی اتنی متأثر کُن تھی کہ باطل نے اسلام کے بعد پہلے مقابلے کا میدان بدلا ہے اور کچھ عرصے بعد (یعنی مسلمانوں کے زوال کے بعد) مخالفت کے انداز بھی بدل گئے۔

(ج) بنی اسرائیل ___ قتل انبیاء اور جھوٹے مدعیانِ نبوت

- بنی اسرائیل کا بگڑا ہوا گروہ آسمانی ہدایت اور انبیاء کرام علیہم السلام کا دشمن تھا۔ اسی وجہ سے صدیوں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے قتل کے جرم کے ساتھ اہل ایمان سے مخالفت ومخاصمت کا وطیرہ اپنا رکھا تھا۔ حضرت محمد ﷺ کے مقابلے جب کوئی منصوبہ کامیاب نہ ہوا تو مقابلے کا میدان بدل لیا۔

- 6ھ (626ء) میں جب جنگ خندق میں اہل مکہ کا اتحادی لشکر اور بنی قریظہ کے باہمی اشتراک سے لڑی جانے والی اس جنگ میں مسلمانوں کو کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا۔ اتحادی لشکر

واپس چلا گیا۔ بنی قریظہ نے خود ثالثی کا سوال اٹھایا پھر تورات کے مطابق فیصلے کے مطابق بدعہدی کی سزا کے طور پر بنی قریظہ کے 600_700 قابل جنگ مرد قتل ہو گئے اور باقی قبیلہ خیبر میں جلا وطن ہوا۔ جہاں بنی قینقاع اور بنی نضیر پہلے ہی جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔اس پر مسلمانوں کو قدرے سکون ملا۔

● انہی ایام میں قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب کے جو حصے نازل ہوئے ان میں جنگ احزاب کے حالات پر تبصرے دلجوئی اور ضروری ہدایات تھیں۔ کچھ عرصے بعد یہ آیت بھی اتری جو اسی سورۃ میں شامل ہے اس آیت میں آپ ﷺ کے لئے ایک بہت بڑے اعزاز کا تذکرہ بھی آیا ہے۔وہ الفاظ اس طرح ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًاO (40:33)

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کر دینے والے ہیں) اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔''

اس آیت میں آپ ﷺ کی اولادِ نرینہ نہ ہونے کے تذکرے کے ساتھ آپ ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے اور نتیجتاً خاتم المرسلین ہونے کی نوید سنائی گئی تھی۔اس آیت سے آپ ﷺ کی اکملیت کاملیت اور خاتم ہونے کی شانوں کا اعلان ہو گیا اگرچہ آپ ﷺ کے اوصاف جمیلہ اور مختلف شانوں سے دوسرے انبیاء سے بلند مرتبہ اور نمایاں ہونے کا تصور تو پہلے سے ہی موجود تھا اور کئی آیات قرآنی اس کی طرف اشارات کر رہی تھیں۔مگر اس اعلان ختم نبوت سے اہل ایمان کی نگاہوں میں آپ کا مقام و مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ بلند سمجھا جانے لگا۔

● اعلان ختم نبوت اور قتل انبیاء کے مجرم بنی اسرائیل (یہود) اس اعلانِ ختم نبوت کا حقیقی مفہوم اور معنی خیز تشریح بنی اسرائیل کے بگڑے ہوئے گروہ نے ہی کی۔ایک طرف تو قتل انبیاء کے منشا کے عین مطابق ہونے پر انہوں نے خوشی منائی اور دوسری طرف انہیں یہ اطمینان ہوا کہ ہزار سال سے وہ خدا بیزاری اور وحی دشمنی کر رہے تھے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر رہے تھے ساتھ ہی

انہیں دھڑکا لگا رہتا تھا(FEELING GUILTY) کہ ابھی نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ اگلا نبی آئے گا اور ہمارا راز فاش کر دے گا اور ہماری مکارانہ کوششیں سامنے آجائیں گی۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور نہ حقیقی طور پر یہود کے راز منصوبے فاش کرنے والا کوئی انسان دنیا میں ہوگا لہٰذا___ان کے اپنے گندے (MISCHEVIOUS) ذہن کے مطابق اپنے ابلیسی منصوبوں کو پوری دلجمعی کے ساتھ آگے بڑھانے کا موقع ہے۔ عام انسان اعتراض کریں گے تو ہم بھی جواب دیں گے ایک DIALOUGE چلتا رہے گا جس کا کوئی حتمی نتیجہ دنیا میں نکل نہیں سکتا۔

- یہود نے دوسرا نتیجہ یہ نکالا کہ کوئی حتمی طور پر حق بتانے والا تو دنیا میں آئے گا نہیں لہٰذا وحی دشمنی کے بنی اسرائیل روگ نے دنیا میں جھوٹے نبی کھڑے کرنے کا منصوبہ بنایا اور جلد ہی (سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی) اس پر عمل درآمد بھی کر دیا۔

- عرب کے شمال مشرقی حصہ میں (خیبر میں جہاں پہلے یہودی آباد تھے وہاں سے نکالے گئے تو اوپر کے علاقے کویت اور سعودی شہر ریاض کے درمیانی علاقہ میں جا کر آباد ہوئے۔ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے ایرانی شہروں میں ڈیرے ڈالے اور کچھ نے قیصر روم سے جا کر رابطہ کیا۔ (واضح رہے کہ بنو عامر نامی راہب کے ذریعے یہود کا رابطہ قیصر روم اور عیسائی دنیا کے ساتھ پہلے سے تھا اور جانا پہچانا تھا۔ مسجد ضرار کا قیام اور مسمار کیا جانا____بنی اسرائیلی سازش کے تاروپود(NETWORK) کو ظاہر کرتا ہے جس کا منہدم ہونا ہی اس قضیے کا حقیقی علاج تھا۔

- یہود نے شمال مشرقی عرب کے علاقے میں ہی سازشی جال بنا اور جلد ہی کچھ لوگوں کو تیار کر کے نبوت کے جھوٹے دعووں کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ ان متنبّی حضرات کے منہ میں وہ تعلیمات ڈالیں جو یہود کو پسند تھیں اور ان کا منصوبہ تھا۔ شریعت کی سختیاں مٹا کر لبرل طرز زندگی(LIBRAL & SECULAR LIFESTYLE) لوگوں کے سامنے تھا اور ایک خاتون بھی نبوت کے دعوے کے ساتھ میدان میں موجود تھی۔

- رسالت مآب سیّدنا حضرت محمد ﷺ نے ان جھوٹے مدعیان نبوت کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اور اعلان حجۃ الوداع کے بعد اور خلافت راشدہ کے دور میں ان مدعیان نبوت و مانعین زکوٰۃ سے کیسے نبٹا گیا وہ____پہلے خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی سنہری کارنامہ ہے جس کی

آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی تھی۔

- آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ زیادہ زور وشور سے آگے بڑھایا گیا بلکہ بھیس بدل بدل کر مسلمانوں پر نظریاتی اور سیاسی حملے کئے گئے کہ آخری نبی ﷺ کی آخرت اُمت اور قرآن مجید کے آخری کتاب ہونے کی بنا پر، جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے (15:09) قرآن ، احادیث، اسلامی تعلیمات کا تعامل ان بنی اسرائیلیوں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ دست بُرد سے محفوظ رہا۔الحمد للّٰہ علی ذالك

أَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِي اللّٰهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ،

وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ

(ابن ماجه، عن سهل بن سعد)

ایک شخص نبی اکرم ﷺ خدمت میں آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے، جب میں اسے بجالاؤں تو اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''دنیا سے بے رغبت ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا، اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہو، لوگ تم سے محبت کریں گے۔''

باب9

قرآن مجید اور
فکرِ انسانی کی کشاکش

(ا) 660ء تا 1258ء تک

(ب) عالم اسلام اور بنی اسرائیل، 660ء سے 1492ء تک

(ج) پندرھویں صدی میں یورپ میں تحریک احیاء العلوم ___
سائنسی فروغ، صنعتی ترقی، جدید ریاست کا تصور اور بنی اسرائیل
1492ء تا 1750ء

(د) عروجِ یورپ ___ زوالِ اُمت اور احیائے اسلام کی کوششیں
1750ء_1924ء

(ہ) جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار کا خاتمہ

(و) سلطنت عثمانیہ کا زوال اور
نظام خلافت کا خاتمہ 1924ء

قرآن مجید اور
فکرِ انسانی کی کشاکش

(ا) 660ء تا 1258ء تک

اس دوران میں اسلام دشمن قوتوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے اور اس قرآن اور آخری شریعت کو دنیا سے غائب کرنے کے لیے بے شمار جتن کیے اور کوششیں کیں جن میں سے کچھ اقدامات درج ذیل ہیں:

(I) یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفہ کو عام کرنا۔

(II) اسلام کے بنیادی عقائد کو موضوع بحث بنانا اور عوام کو عقل کے استعمال اور عقلیت پرستی کا قائل کر کے ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی بنانا تاکہ اسلام کی اساسات پر ان کا یقین و ایمان اُٹھ جائے اور وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی مسلمان نہ رہیں۔

(III) ان فلسفیانہ بحثوں کا آغاز اور اسلام کو عقل کے خلاف ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا۔

(IV) اس رُخ پر پروان چڑھنے والے ذہین افراد کی حوصلہ افزائی اور مالی سرپرستی۔

(V) ایسی سرگرمیوں کی مالی سرپرستی اور اس کے فروغ میں ہر ممکن تعاون۔

(VI) اسلام اور مسلمانوں کی حکومت کو سیاسی طور پر کمزور کرنے کے لیے مرکز گریز قوتوں کی تشکیل اور ان کی حوصلہ افزائی۔ مثال کے طور پر فاطمی حکومت 909ھ/ 1171ء۔

(VII) عالم اسلام سے باہر قوموں کو مجتمع کر کے اسلامی حکومت پر حملہ کی ترغیب اور ان کی مدد تاکہ اس کو ختم کیا جا سکے۔ گیارھویں صدی کے اواخر میں صلیبی جنگوں کا آغاز اور اس کی سرپرستی جس سے بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔

(IX) متکلمین اور باطنیہ فرقوں کا فروغ اور تصوف کے حلقوں میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش۔

(X) اسلامی عقائد، عبادات اور تاریخ کو مستقل طور پر مشکوک بنانے کے لیے حدیث کی کتب میں تدلیس، مشاہیر اسلام کی کتابوں میں فرضی اضافے اور تاریخ وتصوف کی کتابوں میں من گھڑت عبارات کا اضافہ۔ تاکہ باہمی چپقلش اور عدمِ اعتماد کی صورت پیدا ہوجائے۔ اس میں پریس کی عدمِ موجودگی میں ہاتھ سے کتابیں لکھنے کے فن نے اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ احادیث کے ضمن میں فرضی اور من گھڑت حدیثوں کی بھرمار کردی گئی تاکہ حق وباطل میں تمیز مشکل ہوجائے۔

علومِ نبوت اور فلسفیانہ خیالات کا تصادم

ان حالات میں متکلمین اور فلاسفہ کے بے شمار SHADES سامنے آگئے اور متکلمین میں ہزاروں افراد پیدا ہوئے۔ جن میں چند افراد نے اسلام کی بہت زیادہ خدمت کی اور ان کا نام رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان میں سے اہم شخصیت حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس دور میں فلاسفہ میں بھی کئی ہستیاں پیدا ہوئی ہیں، جو خلوص اور اخلاص کے باوجود صرف فلسفہ کے میدان کی وجہ سے مسلمانوں میں مشہور تو ہوئیں، تاہم عوامی سطح پر دلوں کی دھڑکن نہ بن سکیں۔ ان مشاہیر عالم ہستیوں میں ابوالنصر فارابی 870ء-990ء (ایران)، ابن سینا 980ء-1037ء (بخارا)، ابن رشد 1126ء-1198ء (اندلس) اور عمر خیام 1039ء-1131ء (ایران) بہت نمایاں ہیں۔

کئی مسلمان اہلِ علم اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فلسفیانہ نظریات کے خلاف خوب جہاد کیا اور 'تہافت الفلاسفہ' کے نام سے کتاب لکھی۔ اسلام کے عقائد اور اصلاحی خیالات کو مدوّن کرکے عام کیا۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات کے تحفظ اور فروغ کے لیے رات دن ایک کردیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی علمی زندگی کے 40 سالوں میں ان کی تصانیف 16 صفحات روزانہ کے حساب سے ہیں جو بہت بڑی خدمت ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی ہی میں بڑی شہرت دے دی تھی اور مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن گئے تھے۔ احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت ان کی شہرۂ

آفاق تصانیف ہیں۔

بعد کے مسلمانوں میں جو خیالات تاریخ، ادب، تصوف اور فلسفہ کے بارے میں عام ہوئے وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہی تجویز کردہ اور پروان چڑھائے ہوئے ہیں۔ بقول نظیری:

خلافِ رسم دریں عہد ز خرقِ عادت داں
کہ کار ہائے چنیں از شمار بوالعجبی ست!

چنانچہ تاریخِ اسلام کے ادبی طالب علم کی حیثیت سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے پہلے عروج وزوال (عربوں کے ذریعے) کے بعد دوسرے عروج کے فاتح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ترکوں میں سلطنت عثمانیہ، شمالی افریقہ اور ہندوستان کی مسلمان حکومتوں پر ان کے بڑے گہرے اثرات ہیں۔

آپ کے دور میں ایک طرف عجمی فلسفیانہ نظریات بالخصوص یونانی فلاسفہ کا چرچا عروج پر تھا اور اسلام کی طرف سے صفِ اوّل میں متکلمین کا گروہ مردانہ وار اُن کا مقابلہ کر رہا تھا اور اسلامی عقائد اور ایمانی کیفیات اور اثرات کے علاوہ اسلامی روایات اور ثقافت کے تحفظ کا بھی ضامن تھا۔ اس جد وجہد میں دوسری انتہاء پر اصحابِ ظاہر تھے جن کے طبقہ متقدمین میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بعد میں یکے بعد دیگرے کئی اصحابِ علم وفضل میدان میں اپنے جوہر دکھاتے رہے۔ اس طبقہ میں آخری اور بلند ترین مقام میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یا ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس نظریاتی اور فکری کشاکش کے نتیجے میں اگرچہ مسلمانوں کا مجموعی عمل کے اعتبار سے گراف نیچے سے نیچے ہی گرتا رہا تاہم اس کا ایک فائدہ ہوا کہ قرآن مجید اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کا بندوبست ہوگیا جس سے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہدایت کے بنیادی ماخذ زمانے کی دستبرد اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ گئے۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے بُعد کا نتیجہ

یہ بات ہمارے ایمان کا جزو ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات بنیادی طور پر ایک ہی تھیں۔ البتہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی مساعی چونکہ وقتی تھیں اور اپنے اپنے علاقے اور قوم

میں تھیں پھر ابتدا میں وسائل آمد و رفت بھی ناپید تھے، مزید براں نبوت و وحی کا سلسلہ جاری تھا، اضمحلال اور بے عملی پر اللہ تعالیٰ نیا نبی علیہ السلام مبعوث فرما دیتے تھے اور یوں اسلام کی تعلیمات کا تسلسل قائم رہتا تھا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ان کو رحمت للعالمین بنا دیا۔ اپنے زمانے میں بھی وہ کل روئے ارضی کے لئے نبی تھے اور تا قیامِ قیامت بنی نوعِ انسان کی طرف بھی نبی علیہ السلام ہیں۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کئی اعتبار سے منفرد ہیں اور آپ کا دورِ مبارک نوعِ انسانی کے بلوغ کا زمانہ اور دورِ جدید کا افتتاحی دور ہے۔ لہٰذا آپ کی تعلیمات کی وسعت بھی زیادہ ہے اور زمانی تسلسل بھی ہے، آپ ﷺ کی (اور تمام انبیاء علیہم السلام کی) تعلیمات کا خلاصہ چند جملوں میں بیان کیا جائے جس میں آپ کی ذاتی زندگی کی درخشاں مثالیں، غارِ حرا سے ہجرت تک کے مراحل، ہجرت سے میثاقِ مدینہ، بدر و اُحد و خندق کے معرکے ـــــ صلح حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ کی کامرانیاں ـــــ پھر حنین، موتہ اور تبوک کے مراحل ـــــ نیز اسلام کی تعلیمات کا عملی نمونہ اور ـــــ نفاذِ حدود اللہ کا مرحلہ سب کی سب اس میں سما جائیں ـــــ وہ یہ ہے کہ:

☆ آپ ﷺ نے تاریخ انسانی کی عمومی سوچ یعنی انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کے فرق کو مٹا کر زندگی کے تمام شعبوں کو ایک وحدت قرار دے دیا اور اس مجموعے کو اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت و تعلیمات یا قرآن و سنت کے تابع کر دیا کہ زندگی کا کوئی گوشہ (WALK OF LIFE) اس سے مستثنیٰ نہ رہا۔ یہ آپ ﷺ کی انقلابی شان تھی اور ختم نبوت کے نتیجے میں انفرادیت اور منفرد ہونے کے تقاضوں کا عملی نمونہ تھا' تاریخ میں اجتماعی سطح پر اور وسیع پیمانے پر یہ کام پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس جدوجہد اور جہاد کے نتیجے میں سیرت و کردار کے لحاظ سے اہل ایمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) میں سے ایسی شخصیات اٹھیں کہ تاریخ انسانی میں ان کی مثال ملنا مشکل ہے اور بعض واقعات ایسے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان نہیں کوئی SUPER MAN مخلوق لگتے ہیں اور "مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْم" (یہ انسان نہیں ہے یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے) والا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔

دن کے شاہسوار ـــــ رات کے راہب

☆ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کر کے ایسی کندن شخصیات تیار کیں تھیں جو

جامع الصفات اور کامل شخصیات تھیں جس کا تذکرہ سورۃ فتح کے آخری رکوع میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو 'رات کا راہب' اور 'دن کا مجاہد' بنا دیا تھا۔

اس بات کو UNBELIEVABLE سمجھ کر ایرانیوں کے سپہ سالار نے اعتراف کیا تھا کہ یہ عام انسان نہیں ہیں۔ دنیا نے پہلے راہب بھی دیکھے تھے اور فوجی بھی۔ مگر وہ راہب بھی اور فوجی بھی 24 گھنٹے کے راہب اور فوجی ہوتے تھے۔ راہب دن کا بھی راہب ہے اور رات کا بھی راہب' اس کے شب و روز اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اور ـــــ فوجی 24 گھنٹے کے فوجی تھے وہ دن میں فوجی کی ذمہ داریاں ادا کرتے تھے اور رات کو عیاشی کرتے تھے اور شراب اور بدکاری کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔

ہمارے پیغمبر ﷺ کا کارنامہ یہ تھا اور انقلابی شان اور انقلابی تربیت یہ تھی کہ آپ نے جو ''اصحاب'' اور اہل ایمان دنیا کے سامنے پیش کیے وہ ''رات کے راہب'' اور ''دن کے مجاہد'' تھے۔ ایک ہی انسان ہے وہ رات کو مصلّٰی پر کھڑا رو رہا ہے، سجدہ ریز ہے اور وہی شخص دن کو تلوار سنبھال کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا جہاد کر رہا ہے۔

یہ منظر دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؛ اسی لیے ایرانی فوج کیا ساری غیر مسلم دنیا پریشان تھی کہ ان کا مقابلہ مشکل ہے اور اس کی گواہی ایرانی سپہ سالار رستم نے یہ کہہ کر دی تھی کہ "هُمْ رُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ وَ فُرْسَانٌ بِالنَّهَار" (وہ رات کے راہب اور دن کے شاہسوار ہیں) یا ـــ ع ''درکف جامِ شریعت درکفے سندان عشق'' ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار کی حامل شخصیات تھیں جو حضرت محمد ﷺ نے تیار کی تھیں۔ تاہم حالات کے دباؤ اور قانونِ خداوندی اور فطرت انسانی کے عوامل کے تحت وہی کچھ ہوا ـــ جسے رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا:

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ـــــ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ـــــ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

یعنی میرے دور نبوت سے بُعد کی وجہ سے ہر آنے والی نسل پہلی نسل سے علم و عمل میں نیچے ہوگی۔

چنانچہ ـــــ ہم دیکھتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے صرف ایک سو سال بعد یعنی تین نسلوں کے گزرنے پر مسلمانوں میں سیرت و کردار اور علم و عمل کے لحاظ سے زوال آتا چلا گیا۔

سیاست اور مذہب کی تقسیم

پہلی تقسیم یہ ہوئی کہ خلافت وراثت کے طور پر باپ سے بیٹے کو منتقل ہونا شروع ہوئی

اور دین سے دوری کے باعث حکمران سیاسی اعتبار سے منہ زور اور ناقابل اصلاح ہوتے چلے گئے۔علمائے حق حکمرانوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے اور توجہ دلاتے تھے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے لہٰذا سیاسی حکمرانوں، بادشاہوں یا نام نہاد خلفاء کا طبقہ وجود میں آ گیا جو ہر طرح کی بے راہ روی، لوٹ مار، جائز و ناجائز دولت کمانے کو وطیرہ بنا لیتے تھے۔دوسری طرف اہل حق اور علماء حق تھے جو دین پر اپنی حد تک عمل کرتے تھے مگر اس کے نفاذ کی قوت سے محروم تھے۔وہ قوتِ نافذہ حکمرانوں کے پاس تھی جو اپنی عیاشی کے لئے اسلامی قوانین کا کلی نفاذ اپنے لیے موت سمجھتے تھے۔

مذہبی میدان میں علماء اور صوفیاء کی تقسیم

پھر اس طبقۂ علمائے حق میں دو طرح کے لوگ نمایاں ہو گئے ـــــ ایک وہ جو علم کے پڑھنے پڑھانے میں نمایاں تھے اور دوسرے جو علم کے حصول کے ساتھ باطنی ایمانی کیفیات، نیت کی درستی، اصلاحِ باطن اور خلوص و اخلاص کا اہتمام بھی کرتے تھے۔یہ علماء اور صوفیاء کے دو علیحدہ رنگ کے لوگ معاشرے میں جگہ بنا کر عوام کی نگاہوں میں آ چکے تھے۔ان تینوں طبقات میں عام انسانی کمزوریوں کی بنا پر مخلص بھی تھے حق کے علمبردار بھی تھے اور دنیا پرست اور موقع پرست بھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ انہیں حکمرانوں میں سے اٹھے اور خلیفہ راشد اور عمر ثانیؒ کہلائے۔تاہم دورِ نبوت سے بُعد کی بنا پر ان تینوں طبقات میں اہل حق کم سے کم اور دنیا پرستوں کی نسبت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے بزرگ ہیں صاحب علم بھی ہیں اور صاحب سیف بھی۔ان کا مشہور شعر اپنے دور کے حالات کا مرثیہ ہے:

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْك
وَ اَحْبَارُ سَوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا

''بادشاہوں، علمائے سوء اور راہبوں کے سوا' دین میں فساد اور کسی نے پیدا نہیں کیا''۔

گویا ـــــ حکمرانوں میں غاصب ظالم دنیا پرست حاکم، علماء میں موقع پرست فتویٰ فروش سرکاری درباری علماء کا طبقہ اور صوفیاء میں نام نہاد صوفی اور لوگوں سے نذرانے وصول کرنے والے لوگ ـــــ بھی عام ہو رہے تھے۔یہ حالات خلافت راشدہ (11ھ۔40ھ) کے صرف ایک صدی بعد (140ھ) دورِ بنواُمیہ کے اختتام اور دور بنوعباس کے آغاز کی چند دہائیوں میں واضح

اور نمایاں ہو چکے تھے۔

☆ عوام کو لوٹنے والے تین طبقات کی تثلیث حضرت محمد ﷺ سے پہلے بھی دنیا میں اپنی گرفت مضبوط رکھتی تھی اور آپ ﷺ کے بعد میں غیر مسلم تو کیا خود مسلمانوں میں یہ طبقات عوام کو لوٹنے میں مشغول رہے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے (ماسوائے چند تاریخی استثناءات کے جو شاذ کے حکم میں ہیں)۔

اس دوسری صدی میں اصلاحی کاموں کے لیے اہل حق علماء وصوفیاء نے کام شروع کیا اور اسلام پر ہر چہار طرف سے اپنوں اور غیروں کی ہر یلغار کو اپنے سینوں پر روکا اور جانوں پر کھیل کر اور ہر مصیبت اور آزمائش برداشت کر کے اسلام کا جھنڈا سربلند رکھا۔

دوسری اہم بات جو اس دور میں نمایاں ہوئی کہ اسلام کا دفاع کرنے والے دو طبقات متکلمین اور اصحاب ظاہر جو اپنے اپنے مخصوص انداز میں اسلام کا دفاع کر رہے تھے اور اسلام کی جنگ لڑ رہے تھے، اس موقع پر دشمنانِ اسلام نے بڑی چابک دستی سے ان دو گروہوں کو آپس میں لڑا دیا تھا تاکہ اصل دشمن درمیان سے صاف بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائے اور اسلام کی قوت کو آپس کی خانہ جنگی اور فرقہ واریت کی نذر کر کے مسلمانوں کو داخلی طور پر کمزور کر دیا جائے۔

افسوس کہ دور بنو عباس کے آغاز سے ہی ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ دشمن اپنے تمام مقاصد میں آہستہ آہستہ کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اگرچہ مسلمانوں کا رعب داب، کروفرّ اور حکومت و لشکر موجود تھے مگر وہ جذبہ اور شان آہستہ آہستہ ایمان کی کمزوری، دنیا پرستی اور حب جاہ کی وجہ سے ختم ہو رہی تھی۔

اس پس منظر میں جن اصحابِ علم و دانش اور فہم و بصیرت نے دشمن کی چال کو سمجھ کر مسلمانوں کی داخلی لڑائی اور خانہ جنگی کو روکنے کی کوشش کی ہے وہ بہت عزت احترام کے حقدار ہیں

ع اُو گرامی تر است کُو دانا ست

سیاسی انتشار کا دور

تیسری اہم بات یہ ہے کہ سیاسی طور پر (750ء تا 1258ء) بنو عباس کی حکومت بہت کمزور ہو چکی تھی اور حکمران طبقہ عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں پڑ چکا تھا، 300 سالہ اقتدار کی

بنیادیں کمزور پڑ گئی تھیں، ترکستان، شمالی ایران وغیرہ کے علاقوں میں عباسی اقتدار کمزور اور سلجوقیوں کی حکومتیں مضبوط ہوگئیں تھی۔ دمشق، مصر، شمالی افریقہ میں بھی مقامی حکمرانوں نے سر اٹھایا تھا اور مرکز بغداد سے علیحدگی اور بغاوت کی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ذیل میں درج چند اہم واقعات اسی دور کی کیفیت کی عکاسی کرتے ہیں جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہوئے اور جن کے اسباب وعواقب ان کی نگاہوں میں تھے:

(i) مصر میں فاطمیوں کا اقتدار جس میں کعبہ کی بے حرمتی اور حجر اسود کو اکھاڑ کر مصر لے جانے کے روح فرسا سانحات بھی شامل ہیں۔

(ii) غیر مسلم اسلام دشمن قوتیں بالخصوص یہود اتنے مؤثر اور اپنی کاروائیوں میں آگے بڑھ گئے تھے کہ ساڑھے چار سو سال پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہونے والے بیت المقدس کی حفاظت عباسی حکمرانوں کے بس میں نہ رہی۔ یہود کی مسلمانوں کے اندر سازشوں سے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کمزور ہوئی اور بیرونی سازشوں سے عالم عیسائیت جاگا اور پورا یورپ شہنشاہ روم کی قیادت میں مذہبی جنگ لڑنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور حالات ایسے ہوگئے کہ ان صلیبی جنگوں کے نتیجے میں 1098ء کے لگ بھگ بیت المقدس اور یروشلم کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا اور عیسائی قبضے میں چلا گیا، عیسائیوں نے مذہبی جنونی کیفیت میں اس علاقے میں قتل عام کیا اور مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے اور قسطنطنیہ سمیت پورے یورپ نے فتح کے شادیانے بجائے۔ اس شکست اور اس کے بعد کے اثرات کو شیخ موصوف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(iii) دنیا میں خفیہ انجمنیں اور ادارے کام کرتے ہیں بالخصوص اسلام کے غلبے کے اس دور میں جتنی خفیہ سرگرمیاں زیر زمین پروان چڑھیں اس میں بلا شک وشبہ یہود کا ہاتھ تھا؛ بلکہ دنیا میں ہر خفیہ سوسائٹی میں اسی شیطانی اور ابلیسی گروہ کی کارستانیاں شامل ہوتی ہیں۔

بنوعباس کی حکومت کے اس روبہ زوال عرصے میں ایک طرف بیت المقدس بھی ہاتھوں سے نکل گیا ـــــ دوسری طرف خفیہ سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ ان خفیہ ابلیسی سرگرمیوں کا نقطہ عروج حسن بن صباح نامی شخص کی سرگرمیاں ہیں جس نے اپنے پیروکاروں کو فدائیین کے نام سے منظّم کیا ایک صحت افزاء پہاڑی علاقہ میں خودساختہ جنت بسائی اور مسلمان حکمرانوں اور اہم

شخصیات کو قتل کروانے کے لیے اپنے فدائیین کو استعمال کیا۔ اس کی کارروائیوں سے پورا شمالی ایران ان کے زیر اثر رہا اور سلجوقی حکمران خوارزم شاہ سمیت بے شمار زعماء کو جو بھی اس کی مرضی پر چلنے کو تیار نہیں تھا قتل کروا دیا گیا۔

ان تخریبی کارروائیوں میں قریب تھا کہ سارا مشرق وسطی صلیبی جنگوں کی نذر ہو جاتا اور صلیبی اقتدار کا حصہ بن جاتا۔ عیسائیوں کا یہ مذہبی جنگی جنون جاری تھا کہ اللہ تعالی نے دمشق میں ''زنگی'' خاندان کو اٹھایا اور نورالدین زنگی اور پھر صلاح الدین ایوبی نے اسلام اور مسلمانوں پر بڑے احسان کیے ذاتی طور پر بھی وہ بہت خداترس، پارسا اور نیک حکمران تھے۔

(iv) حکمران نورالدین زنگیؒ کے دور میں وہ کلیجہ شق کر دینے والی سازش بھی سامنے آئی جس سے سب مسلمانوں کی سانسیں رک گئیں دو یہودی شیطان مسلمانوں کے روپ میں مدینے میں آباد ہو کر بظاہر عبادت گزاری اور پارسائی کی آڑ میں سرنگ کے ذریعے مسجد نبوی حضرت محمد ﷺ کے جسد مبارک تک رسائی کی کوشش کر رہے تھے اور جسد مبارک کو نکال کر غائب کرنا چاہتے تھے جس کے خوفناک نتائج کا اہل علم ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نورالدین زنگی کو بروقت خبردار کیا اور اس نے اس سازش کو پکڑا اور 'یہودی شیطانوں' کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایسے ناپاک کام یہودی اپنی ایجنسیوں کے ذریعے ہی کرواتے ہیں مگر ان کو شک گزرا کہ کوئی نام نہاد مسلمان اس غلیظ اور گھناؤنی حرکت میں شامل کریں گے تو شاید کہیں اس سازش کا راز ہی فاش نہ ہو جائے۔

(ب) عالم اسلام اور بنی اسرائیل

660ء سے 1492ء تک

- بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت / بادشاہت ہی کے دور میں عالمی تجارت میں چلے گئے تھے اور مشرق سے مغرب اور یمن سے یورپ تک کی تجارت میں بنیادی (PIVOTAL) رول (ROLE) ادا کر رہے تھے۔ بنی اسرائیل کے فرعونوں کی غلامی میں چلے جانے کے بعد بھی بنی اسرائیل کا ایک طبقہ عالمی تجارت میں رہا قارون نام کا بنی اسرائیلی (جس کا قرآن پاک میں ذکر اسی طرح کا امیر آدمی (سیٹھ) تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور حکومت تو ان کو دوبارہ عروج حاصل ہوا۔ اسی طرح بنی اسرائیل عالمی تجارت میں زیادہ نفوذ کر گئے۔

● بنی اسرائیل تجارت میں اپنے اثر نفوذ کی وجہ سے شروع ہی سے تیز تھے اور مشہور ہے کہ ایسی چیزوں کی تجارت کرتے تھے جو منافع بخش ہوں۔ لہٰذا وہ مٹھی میں سامان لے جاتے تھے اور بوریوں میں رقم لاتے تھے۔ وہ ہیروں، جواہرات، موتیوں، سونے، گرم مصالحہ جات، خوشبو جات وغیرہ کی تجارت کرتے تھے اس لئے ان کے روابط زیادہ تر حکمرانوں، بادشاہوں، شہزادوں اور امراء طبقے سے رہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں عروج نصیب ہوا تو انہیں محسوس ہوا کہ فکرِ انسانی نے اجتماعیت (عمرانیات) کے عروج میں راجے مہاراجے اور بادشاہوں شہزادوں کا تصور دیا ہے جبکہ اسلام حکمرانی میں بھی سادگی کا تصور دیتا ہے لہٰذا ____ بنی اسرائیل اس دور میں سے آسمانی ہدایت سے کھچے کھچے رہے۔ مخلص بنی اسرائیل تو آسمانی ہدایت سے چمٹے رہے اور اسی کے ساتھ عروج وزوال کے تھپیڑے کھاتے رہے جبکہ بگڑے ہوئے بنی اسرائیلی تجارت میں رہتے ہوئے بادشاہوں، شہزادوں اور راجوں مہاراجوں سے روابط میں ہی تجارت اور دوسری قرضوں کے ذریعے پیسہ بناتے رہے۔ 70ء میں بنی اسرائیل کو یورپی فاتح ٹائٹس (TITUS) نے فلسطین سے جلاوطن کر دیا۔ اور وہ ساری دنیا میں سابقہ تجارتی تعلقات کی بنیاد پر جا آباد ہوئے۔

● اسلام کے عروج کے دور میں (660ء_ 1258ء) اگرچہ نظریاتی اسلام (ایمانی کیفیات) کے اعتبار سے تو اضمحلال آ گیا تھا۔ مگر مسلمان من حیث القوم انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے دوسری غیر مسلم اور مشرک (یونانی اور رومی اقوام سے کہیں زیادہ مہذب، شائستہ، پاکیزہ، انسان دوست اور عدل وانصاف کے علمبردار تھے۔)

اسلام سے پہلے بنی اسرائیل نے یونانی اور رومی بادشاہوں کو ابھرنے کا موقع دیا تھا اور آسمانی ہدایت سے (قتل انبیاء کے ذریعے) منہ موڑا تھا۔ اسلام کے عروج کے دور میں دور نبوت سے بعد کے نتیجے میں اُمت مسلمہ میں جو زوال آیا۔ یہود نے پہلے وہی یونانی علوم (مشرکانہ اور فلسفیانہ علوم) اور رومی طرز حکومت کے فروغ کی کوشش کی۔ پھر بادشاہتوں اور علاقائی خودمختار ریاستوں اور جھوٹے حکمرانوں اور شہزادوں کے کلچر کو فروغ دیا۔ مطلب ان کا وہی تھا کہ بادشاہت کا تصور ہو۔ کچھ انسان دوسروں پر حکمران بن کر بیٹھیں اور قومی دولت لوٹیں اور ہم ان سے زیورات اور ہیروں کی خرید

وفروخت کے بہانے اور جنگوں کے بہانے سودی قرضوں کے ذریعے رقم کماتے رہیں۔

- مسلمانوں کے عروج کی چھ صدیاں یہود کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں ۔ عالم عیسائیت میں تو یہودی معتوب اور مظلوم ومقہور ہی رہے۔ مگر عالم اسلام میں یہودی بہت آسودہ حال رہے بالخصوص ہسپانیہ/اندلس کی 8 صدیاں تو بنی اسرائیل کے دورانتشار کا سنہری دور ہے۔

- یہودی جس برتن سے کھاتے ہیں اسی میں سوراخ کرتے ہیں ۔اندلس (سپین) کے دور کی تعریفیں کرتے ہیں مگر سپین میں مسلمانوں کے زوال میں بھی یہود ہی کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ان کی لغت میں شاید احسان کا بدلہ احسان، سے دینے کے الفاظ ہی نہیں ہیں۔

بنی اسرائیل نے مسلمانوں میں علاقائی حکمرانوں اور بادشاہتوں کی کثرت کو ہوا دی اور ابھارا۔ 1453ء میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں مشرقی طرف سے اسلام کے داخلے کو ممکن بنایا (جیسے قیصر اعظم جسٹنین نے سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے خط کے ذریعے اسلام کی دعوت کی قبول نہ کیا کر کے روکا تھا اور یوں تقریباً ایک ہزار سال یورپ کی گمراہی وضلالت کا ذریعہ بن گیا۔ بنی اسرائیل کی سازشوں سے 1492ء میں سپین/اندلس (مغربی یورپ میں مسلم اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

(ج) پندرھویں صدی میں یورپ میں تحریک احیاء العلوم____

سائنسی فروغ، صنعتی ترقی ، جدید ریاست کا تصور اور بنی اسرائیل

1492ء سے 1750ء تک

- جب مغربی یورپ اندلس/سپین میں مسلمانوں کا اقتدار 800 سال تک اور یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے امن وسکون اور خوشحالی اور علوام وفنون کی ترقی کا زمانہ ہے۔ تمام یورپ سے مسیحی نوجوان اندلس/سپین میں اس طرح تعلیم حاصل کرنے آتا تھا جیسے آج کل ایشیا کا نوجوان امریکہ اور لندن جاتا ہے۔

- مسلمانوں کے زوال کے بعد یہود نے یورپ میں سوئٹزرلینڈ کے نام سے ایک ریاست اپنے لئے مختص کر لی۔ جو آج تک جوں کی توں قائم ہے۔ یورپ زیادہ مسیحی تھا۔اور مشرق سے مسلمان فتوحات کرتے کرتے فرانس کے قلب اور انگلستان تک پہنچ گئے تھے۔ کہ یہود نے

اپنے لئے انسانی حقوق حاصل کر کے پھر پروٹیسٹنٹ فرقہ بنا کر عیسائیوں میں نفوذ کیا، سود حلال کیا اور بنک آف انگلینڈ کے قیام کے ذریعے سودی کاروبار اور سودی معیشت کے ذریعے دنیا بھر کی تجارت کا مکروہ منصوبہ بنایا۔ جو آج (2017ء) میں بڑھ کر جوان ہو کر دنیا بھر میں یہود (بنی اسرائیل) کو غلبہ دلا چکا ہے۔

- عالمی تجارت میں صدیوں کے تجربات کے بعد یہود نے حکمرانی، بادشاہت اور ملکوں کی سیاست کو ایک عالمی سلطنت (NEW WORLD ORDER) کے تحت لانے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لئے آسمانی ہدایت سے رہنمائی لینے اور تورات، زبور، انجیل کی تعلیمات کو فروغ دینے کی بجائے سودی معیشت قرضوں کی تجارت اور عالمی تجارت پر بنی اسرائیل کے قبضے کے ذریعے کنٹرول کا خوفناک منصوبہ بنا کر اس پر عمل درآمد شروع کیا تھا۔
- بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ نے یورپ میں جدید دور میں صنعتی ترقی کے ذریعے عالمی غلبے کا جو منصوبہ سوچا تھا اس کے لئے بادشاہوں، شہزادوں والے تصور کو ہی سامنے رکھا ہے چنانچہ یورپ کا مشہور سیاسی مفکر میکاولی نے جو کتاب حکمرانوں کی رہنمائی کے لئے (بطور پاکٹ بک) لکھی تھی۔ اس کتاب کا نام ہی 'THE PRINCE' ہے اس کتاب میں THEME ہی یہ ہے کہ حکمرانوں کے اکھاڑ پچھاڑ میں علاقے کے نوجوان اور نوآموز لوگوں کو لالچ دے کر آگے لایا جائے جو حکمرانی کی اُمنگ رکھتے ہیں اور کچھ خواب سچے بنانے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان شہزادوں کے لئے سودی قرضے اور پھر ان شہزادوں کے لئے شاہی انتظامات اور شہزادوں جیسا لائف سٹائل ہی یہود کے لئے عالمی تجارت کا موضوع پہلے سے تھا۔

فوٹو کتاب

بنی اسرائیل / یہود کا یہ انداز سیاست (شہزادوں کا فلسفہ) ہی آسمانی ہدایت اور اسلام سے متصادم ہے۔ پہلے یونانی اور رومی بادشاہتیں تھیں اور سیکولر اور لبرل عقائد تھے تاکہ کوئی مذہبیت اور ضمیر نامی چیز بدمعاشی، حرام خوری، شراب نوشی اور بدکاری کے راستے میں اندرونی خلش اور بے چینی کا سبب نہ بنے۔ اور عملی زندگی میں راجے، مہاراجے، پرنس اور بادشاہت کا تصور کے جنگوں

میں وسائل ادھار لے کر جھونکو اور جیت کر علاقوں کی حکومت حاصل کرو اور پھر اپنے اور اپنے خاندان کے لئے وسائل لوٹ کر عیاشی کرو۔ قتل انبیاء کا جرم اور تورات، زبور اور انجیل کے غائب کر دیے جانے کا سبب یہی سوچ ہے۔

● حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری، ختم نبوت کے اعلان اور خطبہ حجۃ الوداع کے ذریعے اسلام کا طرزِ حکومت وخلافت سامنے آیا جو درویشی کی حکومت وخلافت ہے جو بنی اسرائیل کو ایک آنکھ نہیں بھایا لہٰذا انہوں نے روز اوّل سے ہی اسلام کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا اور اور آج تک اس کو نبھا رہے ہیں۔

جھوٹے مدعیان کو کھڑا کرنے ان کو پالنے اور سرپرستی کرنے کے لئے بادشاہوں اور شہزادوں کا تصور ان کی عالمی تجارت کے فروغ کا بنیادی پتھر ہے۔

☆ جدید ریاست کے تصور میں ریاست (STATE) اور حکومت (انتظامیہ) کو علیحدہ سمجھا جاتا ہے۔ حکومت بدلنا، حکومت کے نقائص ظاہر کرنا، حکومت کو ناکام بنانے کے لیے پُرامن جدوجہد کرنا، ریاست کے شہریوں کا حق ہے۔ جبکہ ریاست کے خلاف بولنا غداری سمجھا جاتا ہے۔ ریاستیں بالعموم کسی نظریہ اور آئین پر بنتی ہیں۔ عصر حاضر میں زیادہ تر ریاستیں سیکولر یعنی لادینیت یا ہمہ مذہبیت کے تصور پر بنتی ہیں۔

(د) عروجِ یورپ ___ زوالِ اُمت اور احیائے اسلام کی کوششیں

1750ء سے 1924ء تک

یورپ میں سائنسی علوم کے فروغ سے نئی ایجادات ہوئیں، انجن ایجاد ہوا، صنعتی ترقی ہوئی تو یورپی اقوام اپنے مال کی کھپت اور خام مال کے حصول کے لئے باہر نکلیں ان مقاصد کے پیچھے درپردہ بنی اسرائیل کے عالمی نیو ورلڈ آرڈر کا فلسفہ چھپا ہوا تھا یا چھپایا گیا تھا۔ یورپی اقوام کے پیچھے یہود ___ یہودی مالیاتی نظام (INTEREST BASED ECONOMY) تھا، بظاہر یورپی اقوام تھیں، ان کی فوجیں اور صنعتی ترقی تھی، عیسائیت کا فروغ اور مذہبی مناظرے تھے مگر درحقیقت یہود اور ان کے بڑوں کے عالمی غلبے کا پروگرام 'نیو ورلڈ آرڈر' تھا۔ اس پروگرام کو پہلے چھپائے رکھنے میں فائدہ تھا۔ مگر 1776ء میں امریکہ کے قیام پر اس کو ظاہر کرنے میں ہی

فائدہ سمجھا گیا اور امریکی حکومت کو یہودی تائید وحمایت کے ساتھ عالمی سطح پر اسرائیل کے قیام اور ساری دنیا کو نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے اس کے تابع بنانے کے پروگرام کا آغاز کر دیا گیا۔اس کام میں کئی مراحل آئے اور بہت تفاصیل میں جن کا یہ موقع نہیں ہے۔اس کے لئے مختلف کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

- یورپ کے عروج کے وقت تین براعظموں پر پھیلی سلطنت عثمانیہ اور اس کے ساتھ علاقائی مسلمان اتحادی حکومتیں ہی دنیا کی سپر پاور تھی۔اس دور میں 1750ء تک آج کی اصطلاح میں انسانی حقوق، مساواتِ مردوزن، آزادی، روزگار، صحت، مفاد عامہ اور بہبود آبادی جیسے مسائل کا گراف نیچے اچھا تھا اور اسلامی معاشرے آج کے ترقی اور خوشحالی کے اشاریوں (INDICATORS) کے اعتبار سے بھی معیاری اور ترقی یافتہ معاشرے سمجھے جاسکتے ہیں۔

(۴) جنوبی ایشیا میں مسلم اقتدار کا خاتمہ

- یورپی اقوام صنعتی ترقی کے بعد جب یورپ سے نکلیں تو اپنی بحری قوت کی بدولت تمام دنیا کے غیر معروف غیر آباد علاقوں پر زبردستی قابض ہوگئیں دنیا کے معلوم آباد علاقے اور براعظم مسلمانوں کے زیر اقتدار یا مقامی حکومتیں تھیں جنوبی یورپ مشرق وسطیٰ، سارا افریقہ، مشرق وسطیٰ سے مشرق میں برما تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔بحیرہ کیسپین کے شمال میں روس اور اس سے ملحقہ علاقوں مشرقی یورپ سمیت مسلمانوں کی حکومت تھی۔

- یورپی اقوام کا یہ روئے ارضی پر قبضہ غاصبانہ اور ظالمانہ تھا (تہذیبوں کا تصادم نامی کتاب سے حوالہ صف 130-129 پر آچکا ہے) اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد یورپی اقوام کے پاس دنیا کو دینے کے لئے کوئی فلاحی پروگرام اور نظریہ نہیں تھا بلکہ منظم طریقے پر مظالم ڈھانا ہی ان کا واحد طریقہ واردات تھا اور آج بھی مغربی اقوام کے پاس مذاکرات کی میز پر تھرڈ ورلڈ کے ممالک کو دینے کے لئے کوئی فلاحی نظریہ نہیں ہے بلکہ لالچ دھونس دھاندلی کے ساتھ دھمکی ہی ان کا کل اثاثہ ہے ان کی پالیسی CARRAT & STICK کی ہے۔امریکی حکومت کی نشان میں ایک خونخوار جانور BEAST بنا ہوا ہے اور اس کے ایک پاؤں میں اناج ہے اور دوسرے میں اسلحہ (تیر) ہیں۔یہی آج کا مغربی صہیونی مزاج ہے جسے مسلمانوں کے لٹریچر میں دجالی تہذیب کے

نام سے پکارا جاتا ہے۔

- مسلمان علاقوں میں وہ یورپ سے براہ راست زمینی سفر کر کے ایران افغانستان اور جنوبی ہند نہیں آسکتے تھے۔ان کے پاس صرف سمندی راستے (اور وہ بھی بحیرہ روم سے باہر) کا اختیار (OPTION) تھا اور پہلے سے یورپ سے بحر ہند تک آنے کا کوئی راستہ معلوم نہیں تھا۔ 1498ء میں واسکوڈی گاما نامی ملاح نے (جس کا گائیڈ ایک مقامی مسلمان تھا) جنوبی افریقہ سے 'راس اُمید' کے پاس سے مڑ کر واپس بحیرہ عرب اور بحر ہند آنے کا راستہ دکھایا۔تو یورپی اقوام کے لئے مشرق بعید آنے کے لئے یا 'شاہراہ' کھل گئی۔

- بہت سی یورپی اقوام مشرق بعید آئیں مگر جنوبی ایشیا (جو اس وقت دنیا میں خوشحال ترین خطہ تھا دریاؤں کی کثرت، میدانی علاقے، اناج کی بہتات وغیرہ اور 'سونے کی چڑیا' کہلاتا تھا) میں غاصبانہ قبضہ جمانے میں صرف برطانیہ ہی کامیاب ہوسکا۔1753ء میں جنگ پلاسی (بنگال) کے بعد میسور کی فتح 1799ء اور بعد ازاں 1802ء میں دہلی تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

تخت دہلی پر مغل حکمران تھے انگریز نے مغل بادشاہ کو ہٹایا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک انگریز بیٹھتا تھا اور بادشاہ اپنے امور مملکت اس کے مشورے سے چلاتا تھا۔1835ء میں فورٹ سنڈیمن کالج قائم ہوا 1835ء میں لارڈ میکالے نے نظام تعلیم وضع کیا 1857ء میں مسلمانوں نے آزادی کی کوشش کی جو ناکام ہوئی لہٰذا 1860ء کے بعد سے جنوبی ایشیا پورا تاج برطانیہ کے زیر انتظام آ گیا پہلے یہ علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھا جو ایک تجارتی ملٹی نیشنل کمپنی تھی۔

مسلمان جنوبی ایشیا میں 711ء میں محمد بن قاسم کے وقت آئے تھے اور 1857ء میں اقتدار سے محروم کر کے انہیں انگریزوں نے غلام بنالیا

(د) سلطنت عثمانیہ کا زوال اور نظام خلافت کا خاتمہ 1924ء

سلطنت عثمانیہ یورپ سے ملحق تھی۔ یورپی اقوام نے ہر طرف سے اس سلطنت کو نقصان پہنچانا شروع کیا۔سلطنت پانچ صدیاں گذار کر زوال پذیر تھی بقول علامہ اقبال 'مرد بیمار' کی سی حیثیت رکھتی تھی روس نے مشرقی یورپ کے علاقے پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اٹلی نے مشرقی یورپ یونان، قبرص وغیرہ کے علاقوں میں جنگ چھیڑ دی برطانیہ نے جنوبی افریقہ کی طرف سے

براعظم افریقہ کے بے آباد علاقوں پر قبضہ کر کے شمال کی طرف بڑھنا شروع کر دیا اور ہوتے ہوتے بحیرہ روم تک آ گیا۔ اٹلی نے جنوب کی طرف لیبیا کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ فرانس نے الجزائر اور مصر پر قبضہ کر لیا۔ علی ہذا القیاس سلطنت چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر گئی اور اس کے خلاف کئی محاذ کھل گئے۔ جزیرہ نمائے عرب میں تحریک اٹھی اور اس نے برطانوی امداد سے سلطنت عثمانیہ کے علاقوں پر قبضہ کر کے الگ سلطنت قائم کر لی۔

- 1914ء تا 1918ء پہلی جنگ عظیم ہوئی سلطنت عثمانیہ (ترکی) نے جرمنی کا ساتھ دیا جرمنی کو شکست ہوئی تو ترکی کو بھی تاوان جنگ دینا پڑا۔ لہٰذا ___ پہلے سے منصوبہ کے مطابق مشرق وسطیٰ یورپی اقوام نے بانٹ لیا۔ ترکی نام کا ایک چھوٹا سا ملک رہ گیا عظیم عثمانی سلطنت (THE GREAT OTTOMAN EMPIRE) ختم ہوگئی۔

1924ء میں ترک رہنما مصطفٰے کمال نے خلافت کا خاتمہ کر کے رومن لاء نافذ کر دیا اور جمہوریت کا اعلان کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

باب10

اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

(ا) جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے عروج کا سفر

(ب) اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(ج) علامہ اقبال اور تصور پاکستان

(د) عصر حاضر کی اسلامی ریاستیں

(ہ) پاکستان ـــــ مستقبل میں اسلامی ریاست کا رول ماڈل

اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

(ا) جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے عروج کا سفر

● فارسی کا مشہور مصرعہ ہے ع ہر کمالِ را زوالِ۔ یعنی ہر عروج کے بعد زوال ہے اور ہر جوانی کے بعد بڑھاپا ہے۔ اور گویا اس بات کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہر زوال کے بعد پھر کمال اور عروج کا دور آتا ہے جیسے دن کے بعد رات اور ہر رات کے بعد دن آتا ہے۔ (جب تک اللہ چاہے گا یہی نظام قائم ہے۔)

مسلمانوں کے لٹریچر میں مسلمانوں کو ایک ہزار سال (1000ھ) کے وقت زوال سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمان نظریاتی طور پر اسلام سے بہت دُور ہو گئے۔ اگر حکومتیں، مسلمان نام کے حکمرانوں کی رہیں اور بعد میں بھی اسلام کا غلغلہ رہا۔

● اس موضوع پر ایک حدیث کا تذکرہ ضروری ہے جو 1000ھ کے بعد حالات و واقعات کی صحیح وضاحت کرتی ہے، وہ فرمانِ رسالت ﷺ یوں ہے:

اِنِّی لأَرْجُو أَنْ لَاتَعْجِزَ أُمَّتِی عِنْدَ رَبِّی أَنْ يُؤَخِّرَهُمْ نِصْفَ يَوْمٍ۔ فَقِيلَ لِسَعْدٍ: وَكَمْ نِصْفُ يَوْمٍ؟ قَالَ: خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ

''میں امید رکھتا ہوں کہ میری اُمت میرے ربّ سے آدھے دن کی مزید مہلت پالینے سے عاجز نہیں ہوگی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آدھا دن کتنا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: پانچ سو سال کا''۔ (احمد، عن سعد ابن وقاص)

گویا ــــ 1000ء کے بعد کے سال (اب 1439ھ ہے) مسلمانوں کے لئے ایک دوسرے عروج کا دور ہے اور چونکہ عام انسانی سطح پر عالم اسباب میں وقوع پذیر ہوتا ہے لہٰذا

اس عروج کی طرف ایک دھیمے انداز میں پیش رفت کا ہونا ہی منشاء الٰہی ہے۔

1000ھ کے موقع پر پورے عالم اسلام میں سونے کی چڑیا کہلانے والے جنوبی ایشیا میں ایک بڑے حکمران ملقب بہ 'مغل اعظم' نے اپنی لاعلمی اور ناتجربہ کاری کے باعث اپنی حکومت کے دوام کے لئے عالمی خفیہ تنظیموں کے زیر اثر اسلام سے مرتد ہو کر ایک متوازی دین 'دینِ الٰہی' جاری کر دیا۔ اکبر اس اقدام کی وجہ ست ہندوؤں کی آنکھوں کا تارا بن گیا اور مغل اعظم ٹھہرا۔ چونکہ عام مشاہدہ اور تجربہ یہی ہے کہ 'الناس علی دین ملوکھم' ہی دستورِ دنیا ہے۔ لہٰذا ـــــ خطرہ تھا کہ اسلام کو ایک بہت بڑا جھٹکا لگ جائے گا اور اسلام مخالف اور اسلام دشمن قوتیں کامیاب نہ ہو جائیں مشیت ایزدی نے اس موقع پر کئی کام بیک وقت کر دیے۔

(i) ختم نبوت کے بعد فرمانِ رسالت مآب ﷺ کے مطابق مجددین اُمت ہر صدی کے بعد آتے رہے اور 1000 سال تک تمام مجددین اُمت عالم عرب میں ہی آئے ہیں۔ وہ حدیث یوں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِأَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

''اللہ اس اُمت کے لیے ہر سو سال پر ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین میں تجدید کر دے گا۔ (رواہ ابوداؤد، عن ابی ہریرۃ)

اکبر بادشاہ ملقب بہ مغل اعظم نے ایک بہت بڑا اسلام مخالف قدم اُٹھایا تو قدرت نے اسلام کی کشتی کو سہارا دینے اور اہلِ ایمان کی دلجوئی کے لئے اتنا ہی بڑا فیصلہ فرمایا کہ عملاً اب جتنے مجددین آئیں گے وہ سب جنوبی ایشیا میں آئیں گے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ 1000ھ کے بعد مجددین کا ایک طویل سلسلہ ہے جو کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ دوسرا الہامی فیصلہ یہ نظر آیا ہے اُمت کے ایک طبقے کو قرآن مجید کے ذریعے اُمت کو جگانے کا کام سونپ دیا۔ جنوبی ایشیا میں شیخ مجدد احمد سرہندی مجدد الف ثانی (1124)، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (1551)، شیخ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر (1707)، شاہ ولی اللہ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (متوفی 1761ء)، احمد شاہ ابدالی، سلطان ٹیپو 1799ء، تحریک شہیدین اور مجاہدین 1857ء تک مجددین کا ایک طویل سلسلہ ہے جو اسلام کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے سرگرمی سے مصروفِ عمل رہا۔

- 1857ء کے بعد جنوبی ایشیا، ملکہ برطانیہ کی عمل داری اور RULE OF LAW کے تحت آ گیا (کہنے کو یہ ایک RULE OF LAW تھا مگر درحقیقت ظالمانہ قانون تھا) جو مسلمانوں کو بالخصوص محکوم بنانے اور آسمانی ہدایت سے دور کرنے کے لئے بنایا گیا۔ عالمی سطح پر برطانوی عروج کے پیچھے صہیونیت کے مقاصد آسمانی ہدایت کو ختم کر کے سیکولر اور لبرل سوسائٹی کا قیام تھا۔

- 1857ء کی جنگ آزادی کی کوشش ناکام رہی لہٰذا ___ اپنی حکومت مستحکم کر کے انگریز نے مسلمانوں کو بے دریغ پھانسیاں دیں اور 18 سال سے لے کر 60 سال کی عمر کے لوگ بالعموم یا تو بیرونی ملک چلے گئے یا پھانسی پا گئے۔ برطانوی حکومت کے اس عوام سے مسلمانوں میں 1910ء تک کوئی قومی قیادت سامنے نہ آ سکی۔

- برطانوی سامراج نے مقامی لوگوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص غلام رکھنے کے لئے ایک خاص قسم کا خدا بیزار اور وحی دشمن نظام دیا جس کو مسلمانوں کے ایک طبقے نے قبول نہیں کیا جبکہ سرسید احمد خان اور ان کے ہم خیال لوگوں نے انگریزی زبان سیکھنے اور مغربی علوم پڑھنے کو مشن بنایا۔ چنانچہ 1867ء میں علی گڑھ میں سرسید احمد خان جدید مغربی نظام تعلیم کا ایک پرائمری مدرسہ قائم کیا جو آگے چل کر علی گڑھ یونیورسٹی بن گیا۔ جہاں مسلمانوں نے جدید تعلیم حاصل کی۔

- علی گڑھ سے ہی تھوڑے فاصلے پر دیوبند تھا جو برطانوی صہیونی سامراج کے خلاف تھے اور ان کے نظام تعلیم اور انگریزی زبان سیکھنے کے ہی خلاف تھے۔ انہوں نے اپنے مشن کے تحت 'دیوبند' میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو ایک استاد اور ایک شاگرد سے شروع ہوا۔ یہ مبارک آغاز بھی 1867ء ہی کا ہے۔ اگرچہ علی گڑھ اور دیوبند کی سوچ اور طرزِ فکر میں مشرق و مغرب کا فرق تھا۔

- یہ دَور مغرب کی بالادستی کا تھا اور انگریز تازہ تازہ وارد ہوا تھا لہٰذا عام مسلمانوں اور اہلِ علم پر مغربی علوم اور بالخصوص سائنس کا بڑا رُعب تھا اور مسلمان اس سے متأثر تھے۔ لہٰذا سرسید نے بھی اس دور میں جو تصنیفات لکھیں وہ مغرب اور مغربی علوم سے حد درجہ مرعوبیت کے ساتھ لکھیں لہٰذا اسلام کے عقائد اور مابعد الطبیعات کے بعض ناگزیر حصوں (فرشتوں کا وجود، معجزات کی

حقیقت، جنات کی حقیقت، وحی کی حقیقت وغیرہ جیسے موضوعات) میں سرسیّد احمد خان سے کچھ فروگذاشتیں ہوئیں اور وہ اَسلاف کے مبینہ مؤقف سے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اس وجہ سے عوام اور بالخصوص علماء میں علی گڑھ اور علی گڑھ مکتبہ فکر سے ہی کچھ اَن دیکھے خطرات اور موہوم خدشات کو محسوس کیا جانے لگا۔ یہ اختلاف وقت کے ساتھ گہرا بھی ہوتا چلا گیا اور اس میں شدت بھی آتی چلی گئی۔

- 1910ء کی جو شخصیات جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں پورے ملک کی سطح پر نمایاں ہوئیں ان میں دیوبند سے شیخ الہند محمود حسن، جوہر برداران، ڈاکٹر انصاری وغیرہم بڑے مخلص اور اَنتھک ورکر تھے اور غلامی سے نجات اور مسلمانوں کی آزادی کے متوالے تھے۔

- 1917ء میں جنگ عظیم کے دوران جب برطانیہ نے فلسطین فتح کیا، تو ایک خصوصی حکم کے ذریعے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت بنی اسرائیل (یہود) کو فلسطین میں زمینیں خرید کر آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ یوں مشرق وسطیٰ میں امن وامان کی کیفیت کو بدل کر مستقل بدامنی اور خانہ جنگی کی صورت پیدا کر دی گئی۔ بنی اسرائیل کا فلسطین میں آباد ہونا، 1850 سال قبل 70ء میں ٹائٹس (TITUS) رومی کے ہاتھوں یہود کی جلا وطنی کے بعد اب دوبارہ آبادکاری کا منصوبہ تھا، جو پہلی جنگ عظیم کی صورت میں سلطنت عثمانیہ کو شکست دے کر برطانیہ نے فلسطین کو آزاد کر کے بنی اسرائیل کی آبادکاری کا حکم نامہ 'بالفور ڈیکلریشن' کی صورت جاری کر کے عمل درآمد کر دیا۔

غلاموں کی آقاؤں کے خلاف جنگ ____ تحریک خلافت ہند

- مغربی صہیونی استعمار نے اپنے طور پر تو مسلمانوں کی اجتماعی صورتِ حال کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ہی یہ اقدام کیا تھا۔ پورے رُوئے ارضی میں ترکی صرف آزاد ملک تھا باقی دنیا کے تمام مسلمان بلا واسطہ یا بالواسطہ یورپی اقوام کے ہی غلام تھے۔ مسلمانوں کی سیاسی وعسکری حیثیت سے بہت کمزور تھی جب کہ یورپی طاقتیں اور برطانوئی استعمار کے فرعون تھے، جنہوں نے مسلمانوں کو بنی اسرائیل کی طرح اپنا غلام بنا رکھا تھا۔

1920ء سے 1924ء تک جنوبی ایشیا (برطانوی ہند) میں دو صدیوں سے غلام مسلمانوں نے اپنے آقاؤں (برطانوی استعمار جس کی قلمرو کی وسعت اتنی تھی کہ اس میں سورج

غروب نہیں ہوتا تھا) کے خلاف ایسی زبردست تحریک چلائی کہ برطانوی استعمار کا اقتدار ڈول گیا اور خطرہ تھا کہ کہیں برطانوی استعمار کے لئے ملک چھوڑنے کا مرحلہ نہ آجائے۔ مطالبہ تھا کہ انگریز نے مسلمانوں کے ماضی اور عظمت رفتہ کی یہ نشانی عثمانی حکومت کے تحت خلافت کا ادارہ کیوں ختم کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جاری کردہ یہ نظام تیرہ صدیوں بعد آکر ترکی میں تحلیل ہوا تھا۔

اس نازک موقع پر ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ اس معاملے میں شریک ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کا مطالبہ جائز ہے۔ یہ ظاہری وجہ تھی درحقیقت ایک اور وجہ سے بھی کہ ہندو کو احساس ہوا کہ اگر مسلمانوں کی موجودہ تحریک سے انگریز کے جانے کا راستہ ہموار ہو گیا تو انگریز کے بعد مسلمان غالب آجائیں گے اور ہندوؤں کو سیاسی طور پر کچھ نہیں ملے گا۔ تحریک 1929ء میں جب ترکوں نے خود ہی نظام خلافت ترک کر دیا تو یہ تحریک بھی دم توڑ گئی۔ اس تحریک سے دنیا کو پیغام یہ ملا کہ برطانوی ہند کے مسلمان ایک زندہ قوم ہیں اور مسلمانوں کے اندر یہ اعتماد بڑھا کہ ہم مرے نہیں ہیں بلکہ ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

علامہ اقبال نے اسی موقع پر طلوع اسلام جیسی نظمیں لکھیں۔ جس میں آپ نے فرمایا:

دلیل صبح روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
اُفق سے آفتاب اُبھرا گیا دور گراں خوابی
عروق مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا وفارابی
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اور مزید فرمایا

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ 1910ء کے بعد برطانوی ہند میں مسلمانوں میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ایسے باصلاحیت رہنما اُٹھے کہ انہوں نے اُمت کی کشتی کو کنارے لگانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کی جدوجہد کو نتیجہ خیز بنا دیا۔ ان شخصیات میں سرفہرست علامہ اقبال علیہ الرحمہ ہیں۔

1000ھ کے بعد سے جنوبی ایشیا میں مغل بادشاہ اکبر کے مرتد ہو کر نئے 'دین الٰہی' ایجاد کرنے پر وہ ہندوؤں کی آنکھوں کا تارا بن گیا اور آج بھی مغل اعظم کہلاتا ہے۔ تاہم اس کے نقطہ نظر وہ دور نظریاتی اسلام کے زوال کی انتہاء تھی جس کے بعد کئی مجددین نے آ کر نظریاتی اسلام اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے کام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خطہ میں یوں مجددین کا اجتماع اور بالخصوص بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں کئی شخصیات کا اکٹھ بلا وجہ نہیں تھا اس میں قرآن وحدیث کی کئی پیشین گوئیاں موجود تھیں اور وہ درج ذیل ہیں:

(1) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور وہ اپنے وقت میں بھی پوری دنیا کے لئے رحمت للعالمین بنا کر بھیجے گئے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ O (107:21)

''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا''

2۔ وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (28:34)

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے''۔

اسی طرح کے مضمون کا منطقی تقاضا ہے کہ جیسے رسالت مآب حضرت محمد ﷺ اپنی حیاتِ طیبہ میں دین کو عرب کی حد تک غالب فرمایا پھر اُمت نے اس کام کو وسیع علاقے تک پھیلا دیا۔ اسی طرح قیامت سے پہلے آپ ﷺ کا لایا ہوا دین کل رُوئے ارضی پر غالب ہونا لازمی اَمر ہے۔ یہ بات آپ کے خاتم النّبیین ہونے اور کل روئے ارضی کے انسانوں کی طرف پیغمبر ہونے کا منطقی تقاضا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَ لَوۡ كَرِهَ

الْكٰفِرُوْنَ O هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O (8-9:61)

''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے''۔

مزید فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (55:24)

''جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں''۔

انہیں آیات کی وضاحت احادیث مبارکہ میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

1۔ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِیْكُمْ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَا شَاءَ اَنْ یَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِیًّا فَتَكُوْنُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ یَّرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ (احمد عن النعمان بن بشیر)

تمہارے اندر عہد نبوت جب تک اللہ چاہے گا موجود رہے گا پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اس (عہد نبوت) کو ختم کردے گا اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی جو قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کردے گا پھر (اس کی جگہ) کاٹ کھانے والی بادشاہت قائم ہوگی جو جب تک اللہ چاہے گا برقرار رہے گی پھر اسے بھی جب اللہ ختم کرنا چاہے گا تو ختم کردے گا پھر جابرانہ ملوکیت کا دور ہوگا جو جب تک اللہ چاہے گا باقی رہے گا پھر اللہ جب اسے بھی ختم کرنا چاہے گا تو ختم کردے گا پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (دوبارہ) قائم ہوگی پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔

2۔ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَ مَغَارِبَھَا، وَ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا (مسلم و الترمذی عن ثوبان)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا، چنانچہ میں نے اس کے تمام مشارق ومغارب دیکھے اور یقیناً میری امت کا اقتدار وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لیے لپیٹا گیا!'' (یعنی اہل اسلام کا اقتدار پورے کرۂ ارض پر قائم ہوگا)

3۔ لَایَبْقٰی عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ اللّٰہُ کَلِمَۃَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ اِمَّا یُعِزُّھُمُ اللّٰہُ فَیَجْعَلُھُمْ مِنْ اَھْلِھَا اَوْ یُذِلُّھُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَھَا۔ قُلْتُ: ((فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ)) (احمد عَنِ المقداد)

روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کردے خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرمادے گا اور انہیں کلمۂ اسلام کا قائل وحامل بنا دے گا یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے! حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر میں

نے اپنے دل میں کہا: ''پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہو جائے گا!''

● ان آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں جنوبی ایشیا کے معروضی حالات میں ملتِ اسلامیہ کے حالات (1910ء تا 1947ء) تو اندازہ ہوگا کہ کیسے کیسے نابغۂ عصر لوگ یہاں جمع تھے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ دیوبند کے مکتب فکر کے چوٹی کے آدمی حضرت شیخ الہند جو اس وقت جمعیت علمائے کے صدر تھے اور اس میں تمام مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ مسلک) کے چوٹی کے لوگ موجود تھے۔ انہوں نے آزادی ہند کے لئے 4 سال جزیرہ مالٹا کی جیل کاٹی۔ پھر مولانا محمد الیاس جیسا مبلغ ہے۔ ادھر تحریک خلافت کے کارپردازان ہیں۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد ہیں، مولانا ابوالاعلی مودودی ہیں، علامہ محمد اقبال ہیں، قائداعظم محمد علی جناح ہیں، سید سلیمان ندوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالعلیم میرٹھی اور ان کے فرزند مولانا شاہ احمد نورانی ہیں، مولانا پیر جماعت علی شاہ ہیں، مولانا غلام محمد گھوٹوی ہیں، پیر قمر الدین سیالوی ہیں۔ کئی گدی نشین اور سیاسی گھرانے الگ ہیں۔

ان دینی اکابرین اور آزادی کے رہنماؤں جیسا اجتماع ملت اسلامیہ کے کسی حصہ میں گذشتہ کئی صدیوں سے نہیں دیکھا گیا۔ یہ اللہ کی خالص 'حکمت بالغہ' اور مشیت ایزدی کا فیصلہ ہے۔

● انہیں شخصیات کے مخلصانہ کام کی برکت ہے کہ بڑے نامساعد حالات میں مسلمانوں نے آزادی کے لئے کام کرنا شروع کیا اور انہوں نے اپنوں اور پرایوں کی مخالفت کے باوجود آزاد ملک حاصل کر کے دَم لیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا ہے۔

● بیسویں صدی کے نصف اول میں منحوس برطانوی صہیونی استعمار سے نجات کے لئے جذبہ بھی جوان تھا اور کوششیں بھی عروج پر تھیں۔ اس ماحول میں جس نے جس طرح دامے، درمے، سخنے، قلبے و دماغے انگریز کو کمزور کیا اور آزادی کا سورج قریب کرنے کے لئے جدوجہد کی وہ قابل ستائش ہے۔

مگر ایک بات واضح ہے کہ علامہ محمد اقبال جیسا 'نابغہ عصر' شخص نہ جنوبی ایشیا کی تاریخ میں گذشتہ چار صدیوں میں پیدا ہوا اور نہ ملت اسلامیہ میں اور کہیں ان کی ٹکر کا کوئی نامور سپوت پیدا ہو سکا۔

حیرت ہے کہ علامہ اقبال جدید نظام تعلیم کے پروردہ ہیں (ہاں ان کے گھر کا ماحول اچھا تھا) وہ کالج میں رہے، وہ ہائی کورٹ میں وکالت کرتے رہے، وہ انگلستان سے تعلیم حاصل کر کے آئے اور بعد میں بھی گئے لیکن اسلام کی وکالت جتنی انہوں نے فرمائی، وہ کسی اور کے حصے میں نہ آسکی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ بھی دیکھئے

1۔ علامہ اقبال نے 1911ء میں اسلامیہ کالج میں شکوہ نظم پڑھی۔

2۔ 1912ء میں شمع وشاعر لکھی۔

3۔ 1913ء میں علماء کرام کے شکوہ پر بعض اعتراض کے پیش نظر، جوابِ شکوہ پڑھی۔ جوابِ شکوہ میں انہوں نے مسلمانوں کی بیداری اور آزادی کیلئے کوشش کرنے اور الگ ملک لے کر اس میں اسلام کے نفاذ کیلئے 'خلافت' کی اصطلاح استعمال فرمائی اور جیسا کہ احادیث مبارکہ میں وارد ہے، فرمایا یہ خلافت پھیل کر عالمی ہو جائے گی۔ ع میرے درویش خلافت ہے جہانگیری تری

4۔ اسی دور کی نظموں میں فرمایا:

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

یعنی مسلمانوں کی آزادی، آزاد ریاست کا قیام، اسلام کا غلبہ، اسلامی قانون کا نفاذ یعنی خلافت کا قیام اور اس خلافت کا بعد میں پھیل کر عالمی ہو جانا ــــــ کتنی اہم باتیں علامہ اقبال نے 1913ء میں ایک ہی سانس میں کہہ دیں۔ ــــــ مگر مولانا ابوالکلام آزاد 1912ء-1916ء البلاغ اور الہلال میں حکومت الٰہیہ کا تصور لاتے ہیں۔ مولانا مودودی بہت بعد میں اسلامی حکومت کا تصور دیتے ہیں۔ مختلف مکاتب فکر کے علماء اسلام کے غلبے کے اگر اب کچھ قائل ہیں بھی تو ایک صدی بعد بھی خلافت کا لفظ زبان پر لانے سے کتراتے ہیں۔

علامہ اقبال نے یہی قرآن پڑھا تھا اور یہی احادیث کا مطالعہ کیا تھا اور نتائج اخذ کئے تھے۔ علماء کرام بھی یہی پڑھتے ہیں۔ نتائج اور سوچ کا یہ فرق کیوں ہے؟ اللہ بہتر جانتا ہے!

5۔ تحریک خلافت برپا ہوئی اور ملک گیر ہوئی اور اپنے دیرپا اثرات چھوڑ گئی۔ علامہ اقبال بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر اور بعض اہم مثبت نتائج نکالے بغیر نہ رہ سکے۔ فرماتے ہیں:

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تجمل سے
تماشائی شگاف در سے ہیں صدیوں کی زندانی
غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم ﷺ
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

فرماتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے
اُٹھ کے بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

● چنانچہ ہم دیکھتے ہیں مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی جنگ لڑنے کے لئے قائم کی گئی ایک جماعت 'آل انڈیا مسلم لیگ' 1906ء میں ڈھاکہ میں بنی تھی اور نوابوں اور جاگیرداروں کے گھر کی لونڈی تھی اور انہیں کا مشغلہ تھا۔ اس کے صدر طویل عرصہ تک سر آغا خان سوئم تھے۔ 1929ء میں وہ کسی اعلیٰ اعزاز کی بدولت مسلم لیگ کی صدارت سے مستعفی ہوگئے۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا اس کی عارضی صدارت کے لئے مسلم لیگ نے علامہ اقبال کو مدعو کیا یہ مشہور اجلاس الٰہ آباد میں دسمبر 1930ء کے اواخر میں منعقد ہوا۔ جس کی آپ نے صدارت فرمائی اور تاریخی صدارتی خطبہ ارشاد فرمایا۔

بیسویں صدی کے آغاز پر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے مسائل کا حل

شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

(1851ء-1920ء)

☆ بیسویں صدی کے آغاز میں ان تین صد سالہ تجدیدی مساعی کا ایسا مرحلہ درپیش تھا کہ اس کا صحیح اِدراک وقت کا تقاضا تھا اور اس کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تیاری ضروری تھی۔ جہاں تک مسلمانوں کے زوال کے مرض کی تشخیص کا تعلق ہے تو علماء اسلام کا طبقہ ایسا تھا جو قرآن و حدیث سے وہ تعلق رکھتا تھا جو ان کے منصب کے لحاظ سے ضروری ہے اور وہ اسی کام پر مامور تھا مگر عصری علوم سے یہ طبقہ کما حقہ باخبر نہیں تھا۔ ان میں شیخ الہند محمود حسن صاحب (متوفی 1920ء) کی مساعی کا نچوڑ اور حاصل وہ ہے جو انھوں نے اپنے تاریخی خطاب میں تذکرہ فرمایا۔ جون 1920ء میں مالٹا کی چار سالہ قید سے رہائی پا کر ممبئی کی بندرگاہ پر اترے تو استقبال کرنے والوں میں مسلمانوں کے علاوہ مہاتما گاندھی بھی موجود تھا، جب دیوبند پہنچے تو استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں انھوں نے فرمایا:

> ''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔''

('وَحدت امت' تالیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

(1888ء -1958ء)

مولانا ابوالکلام آزاد بھی 1920ء تک استخلاصِ وطن کی جدوجہد میں علماء کے ساتھ

شریک تھے۔ ان کے رسالہ الہلال اور البلاغ میں حکومتِ الٰہیہ کی دعوت دی گئی تو اس میں بھی قرآن مجید سے دوری کو مسلمانوں کے امراض کی وجہ اور علاج ـــــ قرآن مجید کے علوم کو سیکھنا اور عام کرنا تجویز کیا گیا تھا۔

''اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علت حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علت اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل واسباب پر حاوی اور جامع ہو.....تو اس کو بتایا جاسکتا ہے کہ علماء حق ومرشدین صادقین کا فقدان اور علماء سوء ومفسدین دجالین کی کثرت۔ رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا۔ اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملہ میں اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کو امام مالک کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ ''لَا یَصْلُحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا''یعنی اُمت مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہوسکے گی، تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔'' (ماخوذ 'البلاغ' جلد اوّل، شمارہ اوّل مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(1877ء-1938ء)

جدید تعلیم یافتہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں وقت گزارنے والا شخص علامہ اقبال جو تحریک علی گڑھ کی فکری لغزشوں کے لیے مجدد بن کر آئے تھے اور دین کا صحیح تصور رکھتے تھے ان کی رائے بھی یہی تھی کہ مسلمانوں کے مسائل پر زوال کا سبب قرآن سے 'ہجر' ہے اور علاج قرآن مجید سے تمسّک اور اس کے علوم کا پڑھنا، عمل کرنا اور تبلیغ واشاعت اور غلبہ دین ہے۔

علامہ اقبال نے فرمایا:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی　　شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمین افتندۂ　　در بغل داری کتابِ زندۂ

صاحب قرآن و بے ذوق طلب العجب ثم العجب ثم العجب

جواب شکوہ (1913ء) میں فرمایا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

؎ گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

مسلمان کے طرز عمل پر فرمایا:

بایآتش ترا کار جز ایں نیست کہ از یٰسین او آساں بمیری

تمہیں اس کے سوا قرآن سے کوئی غرض نہیں رہی کہ اس کی سورۂ یٰسین کی تلاوت سے موت آسانی سے آجائے۔

صد جہاں در آیات او ست عصر ہا پیچیدہ در آیت او ست

☆ شیخ الہند محمود حسن کی تشخیص اور ابوالکلام آزاد کی تشخیص مماثل ہے۔ اس کی ممکنہ وجہ یہ ہے کہ ابوالکلام آزاد شیخ الہند سے ملاقات اور ربط وضبط رکھتے تھے، مگر علامہ اقبال کی ہو بہو وہی تشخیص بلکہ زیادہ مدلل، موثر اور عصر حاضر کے محاورے میں تشخیص اور قرآن کے ذریعے اس کے علاج کا پیغام دراصل ـــــ علامہ اقبال کے کلام کا آفاقی والہامی ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ پہلے آچکا ہے کہ وہ دعویدار ہیں کہ میرے کلام میں 'قرآن مجید' کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اُمت مسلمہ کے مسائل کی صحیح ترین نباضی اور الہامی علاج تو مجددانہ جذبے والا شخص ہی دے سکتا ہے۔

☆ علماء کرام اور خطباء اسلام کی تقاریر اور سحر بیانی اپنی جگہ مگر کلام اقبال میں امت مسلمہ کے جدید تعلیمی طبقہ کے لیے جس طرح روحانی آسودگی، دل کی آواز والا احساس اور دل کے تاروں کو چھو لینے والا انداز ـــــ جو کلام اقبال نے دیا تھا وہ ''از دل خیزد ـــــ بر دل ریزد'' والا معاملہ اسی لیے ہو گیا اور قوم اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک نئے ولولے اور جذبے کے ساتھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی آرزومندی کا ہار اپنے گلے کا زیور بنالیا کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اس سے دوری نہ رہے۔

اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(ب) قیامِ پاکستان یا تقسیم ہند کا اصل سبب کون؟

(اقبال نے ہمارا متحدہ ہندوستان کا خواب چکنا چور کر دیا۔
جیمز رامزے میکڈونلڈ پرائم منسٹر برطانیہ)

کیا اسلام کو جدیدیت کو اپنا لینا چاہیے یا اپنے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے؟ دو ایسے مدارس کے درمیان جو اپنے قیام کے وقت جغرافیائی لحاظ سے چند میل کے فاصلہ پر تھے، دینی نظریات کی اس چپقلش کو اس دَور میں قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اگلے 100 برس میں یہ معمولی دراڑ اسلام کو دو باہم برسر پیکار نظریات میں تقسیم کرنے والی ایسی صدا تھی جس کی بازگشت آج تک دنیا میں گونج رہی ہے۔ اس معمولی چپقلش کے ایک بحران کی صورت میں ظاہر ہونے سے پہلے مدرسہ دیوبند اور علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی آزادیٔ ہندوستان کے مشترکہ مقصد میں شریک تھے اور تعلیمی رجحانات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے دونوں اداروں کے طلبہ اور عملہ بیسویں صدی کے ابتدائی دہائیوں میں برصغیر میں سامراجی حکومت کے خاتمہ کے لیے ہندوؤں کے ساتھ شامل تھے۔ لیکن قومیتی رجحانات اس کمزور اتحاد کی راہ میں حائل ہو گئے۔ ہندوستان جو مختلف ریاستوں کا ایک مجموعہ تھا اور مغل حکمرانوں کے تحت متحد ہو گیا تھا، برطانوی سامراج کے تحت تہذیبی اور مذہبی بنیادوں پر پارہ پارہ ہونے لگا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک ہر دلعزیز مسلمان شاعر

اور مفکر نے جس کا نام محمد اقبال تھا، مستقبل کے آزاد ہندوستان میں مسلم اقلیت کی حیثیت کا سوال اٹھاتے ہوئے ایک اسلامی قومیتی نظریہ کی بنیاد رکھنا شروع کی۔

اقبال جنھیں کسی دور میں اپنی نظموں کی وجہ سے ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا تھا، یورپ میں وقوع پذیر ہونے والے یہودی انتشار عظیم (DIASPORA) کے انجام کے بارے میں اب انتہائی متفکر نظر آنے لگے، کیونکہ ''اقبال نے عیسائی یورپ کی ثقافتی اکثریت میں یہودی وحدانیت کو پارہ پارہ ہوتے دیکھا تھا اور انہیں یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمانوں کا بھی یہی انجام ہوگا ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے اپنی تہذیب کو ہندی قومیّت کی بھینٹ چڑھا دیا تو آہستہ آہستہ وہ اس میں جذب ہوتے ہوئے معدوم ہو جائیں گے۔'' یہ بات پاکستان کے ادارہ مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین اور اقبال کی سیاسی فکر پر لکھی گئی ایک کتاب کے ایڈیٹر فتح محمد صاحب نے بیان کی۔

اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک حواس باختہ اجتماع کے سامنے 29 دسمبر 1930ء کو اس صورت حال کا یہ حل رکھا کہ شمال مغربی ہندوستان میں مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک آزاد ریاست ہو، ایک علیحدہ وطن جہاں مسلمانوں کا اپنا اقتدار ہو۔ اس تجویز کا ردعمل دھماکہ خیز تھا۔ اس وقت کا برطانوی وزیر اعظم JAMES RAMSAY MacDONALD پکار اٹھا کہ متحدہ ہندوستان کے لیے ’ہماری تمام کاوشوں پر اقبال شاعر نے پانی پھیر دیا ہے‘ اگلے ہی روز TIMES OF LONDON کے اداریہ نے مشرق وسطیٰ، ایران، افغانستان اور روسی سلطنت کے سرحدی علاقوں پر مشتمل ایک متحدہ اسلامی ریاست کے منصوبہ کا چرچا کیا۔

(ٹائم میگزین 13 اگست 2007ء) (ترجمہ شہرام اقبال)

علامہ اقبال کی تجدیدی مساعی کا اعتراف جو دشمن کو ہوا اور مجددانہ شان کے ساتھ ضربِ کلیمی کے جو کرشمے ظاہر ہوئے جس کا اعتراف عالمی صیہونی سامراج بھی کرے ____ اللہ اکبر! لوٹنے کی جائے ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری نے جس طرح ’ممولے کو شہباز‘ کے مدمقابل کھڑا کر

دیا اور دو صدیوں کی غلامی میں پسی ہوئی قوم جو ہمہ قسم کے اندرونی اور بیرونی لحاظ سے زوال کی گہرائیوں یا پاتال میں تھی یکا یک ابھری کہ استعماری سامراج منہ تکتا رہ گیا۔ یہ تھے علامہ اقبال۔

● ہمارے نزدیک قیام پاکستان کے لئے جنوبی ایشیا کے تمام مسلمانوں نے خوب کام کیا۔ براہِ راست یا بالواسطہ تحریک پاکستان میں وہ لوگ پیش پیش تھے اور ہراول دستہ تھے جوان علاقوں میں آباد تھے جہاں مسلم اقلیت میں ہیں اور وہاں کبھی پاکستان نہیں بنے گا۔ مگر ایک اسلامی جذبہ اور اسلام کی حقیقی حکومت کے قیام کا خواب آنکھوں میں سجائے دیوانے رات دن کام کرتے رہے۔ ان میں سے قیام پاکستان پر بعض لوگ پاکستان آ گئے اور بعض نہ آ سکے یا راستے میں شہادت کی موت آ گئی۔

قیام پاکستان کے لئے کسی ایک شخصیت کا نام لیا جائے کہ ان کی مساعی سب زیادہ ہیں تو یقیناً علامہ محمد اقبال ہیں انہوں نے قائداعظم کو ڈھونڈ نکالا انہیں متعدد ملاقاتوں میں انگلستان سے واپس لاکر مسلم لیگ کی قیادت سنبھالنے پر راضی کیا اور انہوں نے بھی 60 سال کی عمر میں آ کر اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کی نصرت و تائید اور مسلمانانِ ہند کے لازوال عزم کے زور پر پاکستان کا خواب ممکن بنا دیا۔

اُمت مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

(ج) علامہ اقبال اور تصور پاکستان ___ درویش حکمران

علامہ اقبال نے 1930ء کے خطبہ آلہ آباد میں امت مسلمہ کی تاریخ کے پانچ ادوار والی حدیث کا تذکرہ کر کے آخری دور میں نظام خلافت کے دوبارہ آنے پر استدلال فرمایا اور مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن پر زور دیا اور اپنی شاعری میں اس ملک کے جو خدوخال اور تصورات دیے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ علامہ اقبال کی ایک مشہور رباعی ہے۔ انہوں نے کسی اعلیٰ تخیلاتی کیفیت کا ذکر کر کے ایک حقیقت بیان کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن!
با نشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ میرا جہاں تمہیں پسند ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، مجھے پسند نہیں ہے (انگریز کا راج ہے اور اسلام اور مسلمان محکوم ہیں اسلام کسی جگہ غالب نہیں ہے) اس نظریہ تبدیلی کو پہلے دل میں رکھو اور درویشی کے ساتھ اس کو پھیلاؤ، عام کرو، چرچا کرو، جب لوگ معتد بہ تعداد میں ہوں اور تربیت پا کر پختہ ہو جائیں تو اسلام دشمن حکمرانوں (جم ___ ایران کے حکمران کا لقب) سے ٹکرا جاؤ۔

یہاں بھی درویشی کا ذکر ہے اور جب حکومت ملے گی تو یہی درویش غالب ہوں گے۔

2۔ 1913ء میں جواب شکوہ میں فرمایا:

سورہ صف کی آیات 8 اور 9 میں دشمنوں کی چالوں کے علی الرغم حضرت محمد ﷺ کے لائے دین ـــــ دین اسلام کے غلبے کا ذکر کیا ہے۔

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفل ہستی کو ضرورت تیری
زندگہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکب قسمت امکان ہے خلافت تیری
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا تمام ابھی باقی ہے

نورِ توحید کا اتمام.....آیت نمبر 8 سے بھی ماخوذ ہے۔ پھر فرمایا:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

مزید فرمایا:

جس دن اسلام پوری دنیا پر غالب ہوگا اس دن قرآن مجید کی اس آیت کا ترجمہ انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ دیکھے

آخری بند میں فرمایا:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیری تری
میرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوئ اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

ایک جگہ فرماتے ہیں۔مسلمانوں میں وسائل کی کمی ہے تو کیا ہوا؟

نان جویں: جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
جو کی روٹی اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

ایک اور جگہ فرمایا:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

درویشی کی حکمرانی کا تصور ___ دیگر مسلمان زعماء کی نظر میں

(i) جناب ماہر القادری کی مشہور نعت (سلام) کے اشعار ہیں:

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی، نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

(نوٹ: حضرت محمد ﷺ اپنی عمر مبارک کے آخری حصے میں 8 لاکھ مربع علاقے کے حکمران تھے)۔

(ii) مولانا الطاف حسین حالی کی مشہور منظوم کتاب مسدس حالی کا اقتباس
سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے تذکرے میں یوں اشعار ہیں

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
غریبوں کا ماویٰ غلاموں کا ملجا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

3۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم

15 لاکھ مربع کے علاقے کا حکمران ___ اور عملاً طرز زندگی

(بنی اسرائیل اور ان کے زیر اثر لوگ سکندر و قیصر و کسریٰ جیسے حکمران کو اپنا آئیڈیل

مانتے ہیں۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے سادہ مزاج حکمران سے کیسے راضی ہو سکتے ہیں
اوران کے حق میں کیسے کلمہ خیر کہہ سکتے ہیں)

نیو ورلڈ آرڈر کے نیٹو ممالک کے عوام کے نام
حکمران ایسے بھی ہوتے ہیں

مثالی حکمران

امیر المؤمنین سیّدنا عمر بن خطابؓ میں شجاعت، عدل، تقویٰ اور استقامت یہ چار خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ جن کی بنا پر آپ ایک کامیاب حکمران تھے، آپ کا نام سن کر بڑے بڑے جری بہادر بھی کانپ جاتے تھے۔ آپ کے کھانے، لباس اور رہائش میں انتہا درجہ کی سادگی تھی، سلطنت کے معاملات کو نپٹانے کے لیے کوئی تخت یا خاص مسند نہیں بنائی تھی۔ رات کو گشت اور دن کو رعایا کے حالات کا جائزہ لینا آپ کے معمول میں شامل تھا۔

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت اپنا سامان سر پر اُٹھائے بڑی مشکل سے قدم اُٹھا رہی ہے، آپؓ نے آگے بڑھ کر اس بڑھیا کا سامان خود اُٹھا لیا اور اسے اس کے گھر تک چھوڑ آئے۔ اس نے یہ حسن سلوک دیکھ کر دعا کی کہ اللہ تمہیں عمر بن خطاب کی جگہ خلیفۃ المسلمین بنائے۔ ایک دفعہ امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطابؓ اپنے معمول کے مطابق گشت کر رہے تھے، ایک جھونپڑی کے پاس سے گزرتے دیکھا کہ ایک مرد جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہے اور اندر سے ایک عورت کے کراہنے کی آواز آ رہی ہے۔ آپ صورت حال کو سمجھ گئے۔ جلدی سے اپنے گھر گئے۔ اپنی اہلیہ خاتون اوّل حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو صورت حال سے آگاہ کیا، وہ فوراً تیار ہو گئیں۔ کچھ کھانے پینے کا سامان ہمراہ لے لیا۔ وہاں آ کر خود اس شخص کے پاس بیٹھ گئے اور سیّدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کو جھونپڑی کے اندر بھیج دیا۔ اس نے پہلے ہی مرحلے میں کھانا تیار کیا، تھوڑی دیر بعد بچے کے رونے کی آواز آئی تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے باہر آ کر فرمایا: امیر المؤمنین اللہ نے اس خاتون کو بیٹا عطا کیا ہے، جھونپڑی والے شخص نے جب امیر المؤمنین کا نام سنا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اور والہانہ انداز میں پکار اُٹھا: واہ سبحان اللہ! امیر المؤمنین مجھ غریب کی کٹیا پر۔

(محمود حسن) (بشکریہ ہفت روزہ ندائے خلافت، لاہور 20 اکتوبر 2015ء)

سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی سیرت کا وہ سنہرا باب
جس کی دھول کو بھی ایران، یونان اور روم کے حکمران نہ پہنچ سکے

مولانا ظفر علی خان

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا
ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ چولہا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا
دست دعا انہی کے لیے عرش تک بلند
ہے جن کی آستین میں خنجر چھپا ہوا
بوتے رہے جو رستے میں کانٹے تمام عمر
پھولوں میں ایک ایک ہے آ کر تلا ہوا
احسان کی نوید سپید و سیاہ کو
سب کے لیے ہے دریچۂ رحمت کھلا ہوا
جن کے یہ سارے کام ہیں اللہ کے لیے
پھر کیوں نہ سب سے رُتبہ ہو ان کا بڑھا ہوا

4 درویشی کی حکمرانی ____ مسلمان حکمرانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ

حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور ہم مسلمان ان کے اُمتی ہیں جیسے ہمیں نماز کا طریقہ حضرت محمد ﷺ نے سکھایا اسی طرح مسلمان حکمرانوں کے لئے حکمرانی کا طریقہ سکھایا۔ ہم انفرادی سطح پر حضرت محمد ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر نماز نہیں پڑھ سکتے قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح مسلمان حکمران حضرت محمد ﷺ کے طریق حکمرانی کو چھوڑ کر حکمرانی کریں گے تو قیامت کے دن

مجرم ٹھہریں گے۔

علامہ اقبال کے تصور کے مطابق یہ ریاست پاکستان جب اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق سماجی، معاشی اور سیاسی سطح پر مساواتِ انسانی، عدل اجتماعی، کفالت عامہ، سود کا خاتمہ، غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ اور اللہ کی حاکمیّت جیسے تصورات کو عملی جامہ پہنا دے گی تو لازماً ـــــ یہ تصورات دوسرے ملکوں کو بھی متاثر کریں گے اور یہ اسلامی حکومت پھیل کر عالمگیر اسلامی فلاحی جمہوری ریاست کا روپ دھارے گی۔

- **20 صدی عیسوی میں پاکستان کا قیام اور اسلامی حکومت کے دو ماڈل**

(i) عالمی صہیونی مغربی استعمار کے بیسویں صدی عیسوی میں پہلی جنگ عظیم (1914ء-1918ء) کے بعد تمام عالم اسلام کا غلام بن جانا اور دست نگر ہونا تاریخ اسلامی کا ایک المیہ تھا۔ اور مسلمانوں کے لئے دورِ زوال کی انتہا (ANTI-CLIMAX) تھی۔

اس زوال کے بعد مسلمانوں میں بالعموم آزادی کی ایک اُمنگ پیدا ہوئی۔ صاف ظاہر ہے جنوبی ایشیا کے مسلمان کا مغربی استعمار سے میل جول گذشتہ دو صدیوں سے جاری تھا لہٰذا ـــــ آزادی کی لہر بھی جنوبی ایشیا میں ہی سب سے پہلے پیدا ہوئی۔ مشرق وسطیٰ کی ریاستوں میں یہ جذبہ بعد میں پیدا ہوا۔ جبکہ USSR کے زیر اثر آنے والی ریاستوں 1990ء میں USSR کی تحلیل کے بعد آزاد ہوئیں۔

- پاکستان اگست 1947ء میں معرض وجود میں آیا۔ پاکستان واحد ملک ہے جس کے لئے جدوجہد کا آغاز ایک مشن اور نظریہ سے ہوا۔ دوسرے ممالک کے لئے جذبہ لسانی، علاقائی یا جغرافیائی یا رنگ و نسل کی بنیاد پر بنا کر سامنے لایا گیا۔ جبکہ پاکستان کے لئے صرف اسلام کا جذبہ اُبھارا گیا اور پاکستان صرف اسلام کے نام پر بنا۔

نظریاتی سطح پر قیام پاکستان کے ساتھ ہی کئی قرائن سامنے آئے جس میں اس کا نظریاتی تشخّص معین ہوتا چلا گیا۔ مثلاً

(1) پاکستان کے لئے نعرہ اسلام کا لگایا گیا۔ اس وقت کابل سے لے کر ڈھاکہ تک مسلمان ایک ہی نعرہ کے ساتھ کھڑے تھے۔ اسلام اگرچہ بعض علاقے کے لوگوں کو یقین تھا کہ پاکستان بھی

ان کے علاقے میں نہیں بنے گا۔ تاہم پھر بھی جذبہ اور نعرہ یہی تھا۔

(2) علامہ اقبال نے اس ملک کا خواب دیکھا تھا ان کے کلام میں قرآن وحدیث کے احکام وہدایت کے مطابق علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں اس ملک کے مستقبل کو معین کر دیا تھا اور آج بھی اس کے اثرات ہیں۔ ملک کے تمام مکاتب فکر اور جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی علامہ اقبال کے کلام اور افکار سے روشنی پاتے ہیں اور ہر مسلک کی مسجد میں اور منبر ومحراب سے علامہ اقبال کا کلام سنا جا سکتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح بھی علامہ اقبال سے حیران کن حد تک متاثر تھے اور انہوں نے دینی شعور کا بیشتر حصہ انہیں سے لیا تھا۔ لہٰذا ___ قائداعظم کی تقریروں اور تحریروں سے (مسلم لیگ کی صدارت سنبھالنے کے بعد وفات تک) علامہ اقبال کے افکار ہی نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسلام کی حکومت اور اسلامی احکام کا نفاذ ___ جس کا مجموعی نام، نظام خلافت ہے۔

(3) پاکستان 13 اور 14 اگست کی درمیانی شب رات 12 بجے قائم ہوا تھا اور صحیح مصدقہ معلومات کے مطابق یہ رات 27 ویں رمضان المبارک تھی اور عام تأثر کے مطابق یہ لیلۃ القدر تھی یعنی قرآن کے نزول کی رات۔ گویا اللہ تعالیٰ نے پاکستان کا رشتہ اور تعلق قرآن مجید کے ساتھ اور لیلۃ القدر کے ساتھ یا اسلام کے ساتھ الہامی طور پر جوڑ دیا ہے۔

(4) پاکستان کے آئین میں قراردادِ مقاصد پاکستان کا ہونا اور کئی اسلامی دفعات کا شاملِ آئین ہونا پاکستان کے نظریاتی اور اسلامی تشخص کا غماز ہے۔

(5) پاکستان کا دارالحکومت بنا تو اس کا نام 'اسلام آباد' طے پایا ___ پاکستان کے مسلمانوں کی اجتماعی سوچ کا آئینہ دار ہے۔

اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

(د) عصر حاضر کی اسلامی ریاستیں

پاکستان کے قیام کے دن سے ہی اہلِ دل و اہلِ نظر زمین پر اور فرشتے اور وفات پاجانے والے اہل ایمان آسمان سے اور ''باغِ جنت سے کھڑی دیکھ رہی ہے زہرا رضی اللہ عنہا'' کے مصداق، ہمارے اسلاف جنت سے ـــــ اہلِ پاکستان کے اعمال کو دیکھ رہے ہیں اور کیسے حسرت ناک احساسات سے دیکھ رہے ہیں یہ نا قابل بیان ہے۔ تاہم عالم اسباب میں ایک معقول وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ پاکستان اپنے قیام کے بعد جلد ہی برطانیہ سے آزادی کے بعد، امریکی غلامی میں چلا گیا تھا (جیسے ہمارے دیہاتی علاقوں میں بسیں، سواریاں کسی دوسری بس والے کو بیچ دیتے ہیں۔ برطانوئی سامراج نے خود آزادی کے نام پر واپس جاتے جاتے پاکستان کو اپنے لئے کئی مراعات لے کر امریکہ کے ہاتھوں بیچ دیا یا ابتدائے اسلام میں غلام ایک دوسرے کو ایک COMMODITY کے طور پر دے دیتے تھے)۔ فیا اسفا۔

اس وقت سے آج تک امریکا نے ہمیں آزادی کا سانس نہیں لینے دیا۔ اگر کوئی اچھا نظریاتی اقدام قوم نے کر لیا جسے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا یا ایٹمی دھماکہ کر لینا وغیرہ، تو امریکہ نے بعد میں پوری قوم سے اس کا انتقام لیا ہے۔ قومی سطح پر ہماری مثال ایسی ہے جیسے کسی بے رحم دشمن فوجی کے بوٹ تلے کوئی بے کس آدمی سسک رہا ہو اور فوجی اسے اور دبا رہا ہو۔ ہم مسلمانانِ پاکستان ـــــ عوام اور حکمران اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے حکمران اور مقتدر لوگ شاید باتھ روم بھی اپنی مرضی سے نہیں جا سکتے۔

وقت بدلتے دیر نہیں لگتی، ستر سال گذر گئے اب وہ وقت جلدی آنے والا ہے جب

پاکستان امریکی غلامی سے آزاد ہوگا (امریکہ کو ناراض کر کے یا امریکی زوال کی صورت میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگا) لہٰذا ___ مسلمانانِ پاکستان کے لیے حقیقی آزادی کا دن ___ یعنی 14 اگست 1947ء کے بعد 15 اگست 1947ء کا دن وہ دن ہوگا جب امریکا زوال سے دوچار ہوجائے گا اور ماضی کی دنیا کی دیگر سپر طاقتوں کی طرح قصۂ ماضی بن جائے گا اور ماضی کی پانچ تہذیبوں کی طرح موجودہ مغربی تہذیب بھی فنا ہو جائے گی اور جو لوگ بچیں گے وہ نئی دنیا آباد کریں گے۔ اہرام مصر بنانے والوں کی تہذیب کہاں ہے؟ فاعتبرو یا اولی الابصار

پاکستان کا اپنے قیام کے مقاصد کی طرف بڑھنا اس حقیقی دن کے بعد شروع ہوگا اور ان شاءاللہ اسلام میں اور نظریہ پاکستان میں یا فکر اقبال میں اتنی جان ہے کہ اس سارے دباؤ کو برداشت کر کے بھی زندہ بچے گا اور دنیا کو متاثر کر کے عالمی غلبے کی شکل اختیار کرے گا اور پاکستان یقیناً درویشی کی حکومت کا رول ماڈل ہوگا۔

☆ سعودی حکومت کا قیام

1926ء میں موجودہ سعودی حکومت (المملکۃ السعودیہ العربیہ) قائم ہوئی تھی۔ آل سعود اور آل شیخ (ان پر اللہ کی رحمتیں ہوں) کے معاہدہ کے مطابق دینی معاملات آل شیخ کے پاس ہیں اور حکومتی معاملات آل سعود کے پاس ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکومت کو جلد ہی حرمین شریفین کی تولیت بھی سپرد فرما دی اور دنیاوی وسائل پیسہ بھی اتنا دیا جس کی مثال ماضی قریب میں کہیں نہیں اور امن وامان کی کیفیت بھی۔

تاہم اس حکومت نے اسلام کی کتنی خدمت کی ہے اور اجتماعی سطح پر حضرت محمد ﷺ کی اُسوۂ حسنہ پر سعودی حکمران اور آل شیخ کہاں کھڑے ہیں اس کے بارے میں کچھ کہنا قبل اَز وقت ہے یہ کام بالعموم کسی خاندان کی حکومت کے زوال کے بعد مؤرخ سرانجام دیتے ہیں۔ اہلِ علم شاید آج بھی کوئی رائے رکھتے ہوں تاہم حالات کا صحیح تجزیہ کر کے حتمی میزانیہ نفع ونقصان مستقبل کا مورخ ہی دے سکتا ہے۔ یہ بات طے ہے کہ سعودی حکومت کا 'اسلامی حکومت کا ماڈل' غیر مسلم حکومتوں کے لیے تو اپنے اندر کیا کشش رکھے گا۔ خود مسلمان ملکوں کے لیے بھی کوئی مثالی طرز حکومت قرار نہیں پاسکا۔

☆ افغان طالبان کی حکومت 1996ء-2002ء

ماضی قریب میں ہی مسلمانوں کی ایک دوسری حکومت بھی قائم ہوئی تھی اور تھوڑا عرصہ قائم رہی۔ ہماری مراد افغانستان میں 1996ء میں قائم ہونے والی طالبان افغانستان کی حکومت ہے۔

یہ حکومت اگرچہ 1996ء سے 2001ء تک چھ سال ہی رہی۔ تاہم اس حکومت کو دنیا بھر کے بیشتر ملکوں نے تسلیم کرلیا تھا۔ امریکہ، پاکستان، سعودی عرب سمیت بے شمار ملکوں نے سفارتی تعلقات بھی قائم کر لیے تھے۔

دنیا میں کسی حکومت کی کامیابی داخلی امن وامان اور جرائم کا خاتمہ کے اشارے سے سمجھی جاتی ہے اور دوسرے تعلیم کی کمی اور غربت کو جرائم کا منبع مانا جاتا ہے۔ افغان طالبان نے اپنے ملک افغانستان میں وسائل کی کمی اور تعلیم کی بھی کمی کے باوصف جرائم صفر (ZERO) کر دیے تھے اور پوست کی کاشت ختم ہوگئی تھی اور دنیا کے نمائندے اس بات پر گواہ ہیں انہوں نے اسلامی جذبہ کے تحت ہی اکیسویں صدی کا یہ معجزہ کر دکھایا تھا۔ دنیا نے اس رول ماڈل کو اس لئے قبول نہیں کیا کہ وہ ایک قبائلی معاشرہ تھا اور دورِ حاضر کا دین تو جمہوریت ہے۔ لہٰذا اتنے بڑے واقعے اور جرائم کے خاتمے جیسے کام کو دنیا نے جانتے بوجھتے نظر انداز کر دیا۔

ہمارے نزدیک افغان طالبان کا یہ اقدام اسلامی نقطہ نظر سے آج کی مسلم دنیا پر ایک اتمام حجت تھا اور مسلمان حکمرانوں کو ایسا ہی نظام لانا چاہیے تھا تاہم دنیا کے لئے یہ حکومت بھی رول ماڈل (ROLE MODEL) نہیں بن سکی۔

باب10

اُمت مسلمہ کی نشأۃِ ثانیہ
زوال سے عروج کی طرف

(۶) پاکستان ___ مستقبل کا رول ماڈل

پاکستان معروف معنی میں علماء کے زیر اثر لوگوں نے نہیں بلکہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذریعے قائم علی گڑھ نے ہراول دستے کا کام کیا۔ سکولوں، کالجوں میں مسلمان گھرانوں کے بچوں نے پاکستان کے لئے گھر گھر کام کیا اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پیغام کو عام کیا۔ علی گڑھ کا نام آتے ہی جناب سرسید احمد خان کا نام آجاتا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک سرسید احمد خان سے اسلامی عقائد کے باب میں اور قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے لغزشیں ہوتی تھیں۔

وہ سب کی سب نگاہوں میں گھوم جاتی ہیں۔ یہ تمام باتیں اپنی جگہ تاہم ہمارے نزدیک جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یا علی گڑھ سے تعلیم یافتہ لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے خاص احسان فرمایا تھا کہ سرسید احمد خان کے افکار کی اصلاح کے لئے علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کو مجدد بنا کر بھیجا ___ کہ وہ بھی سکولوں کالجوں سے تعلیم یافتہ تھے۔ مغرب کی یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کر کے لوٹے تھے مگر پھر بھی قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کرتے تھے حضرت محمد ﷺ دے وار فگی کی حد تک عشق تھا۔ انہوں نے اسلام کی صحیح ترجمانی کی اور علی گڑھ سے تعلیم یافتہ حضرات یا سرسید احمد خان کے مکتب فکر کے لوگوں کی اصلاح فرمادی۔ انگریز نے تو اسی جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے (جو بالعموم سیکولر اور لبرل ہو جاتا ہے۔) مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹے دعویٰ نبوت کے ساتھ کھڑا کیا تھا کہ یہ سب جدید تعلیم یافتہ ادھر آجائیں گے۔

مگر اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی شکل میں علی گڑھ کے فکر کے لوگوں کے

درمیان ایک مجدد پیدا کیا جس نے ان کے افکار کی صحیح خطوط پر رہنمائی کی اور تربیت فرمائی۔ اس مقصد کے لئے کلامِ اقبال نے الہامی کلام ہونے کا کام کیا اور بڑے چھوٹوں سب کو متاثر کیا۔ علامہ اقبال نے علی گڑھ والوں کو مغربی افکار سیکولرازم اور لبرل ازم سے بھی بچایا اور قادیانی نبی کی پھیلائی ہوئی گمراہی سے بھی۔ الحمد للّٰہ عَلٰی ذالك

☆ پاکستان کے مفکر علامہ اقبال ہیں۔ ☆ علی گڑھ مکتب فکر کے لیے مصلح و مجدد علامہ اقبال ہیں۔ ☆ عصر حاضر میں انقلابی فکر کے داعی علامہ اقبال ہیں۔

لہٰذا ـــــ سعودی عرب اور افغان طالبان کے اسلامی حکومت کے ماڈلز کے بعد پاکستان میں اسلامی حکومت کا ماڈل ابھی آنا ہے۔ یہاں پاکستان میں یہ انقلاب علامہ اقبال کے افکار پر آئے گا اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی مساعی اور کوششوں سے آئے گا۔ ان شاءاللہ

پاکستان میں فکر اقبال کے مطابق، اسلامی حکومت کا عصر حاضر میں یہ نمونہ صحیح اسلامی نمونہ ہوگا جس پر جاگیرداری، زمینداری، سرمایہ داری، خاندانی بادشاہت اور قبائلی معاشرہ ہونے کی چھاپ نہیں ہوگی ـــــ اور یقیناً اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق اور اُسوۂ رسول ﷺ کے عکس کامل کے طور پر 'درویشی کی حکمرانی' کی مثال ہوگی اور یقیناً خلافت راشدہ کا بھی صحیح نمونہ ہوگی۔

وماذالك علی اللّٰہ بعزیز

علامہ اقبال کا پیغام

قیامِ پاکستان سے پہلے کانگریس کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کے نام

''مسلمان ہونے کی حیثیت سے انگریز کی غلامی کے بند توڑنا اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا ہمارا فرض ہے۔ لیکن آزادی سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم آزاد ہو جائیں بلکہ ہمارا اوّل مقصد یہ ہے کہ اسلام قائم رہے اور مسلمان طاقتور بن جائیں۔ اس لیے میں کسی ایسی حکومت کے قیام میں مددگار نہیں ہوسکتا جس کی بنیادیں انہی اصولوں پر ہوں جن پر انگریز حکومت قائم ہے۔ ایک باطل کو مٹا کر دوسرے باطل کو قائم کرنا چہ معنی دارد۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کلیتاً نہیں تو ایک بڑی حد تک دارالاسلام بن جائے..... لیکن اگر آزادیٔ ہند کا نتیجہ یہ ہو کہ جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی رہے یا اس سے بھی بدتر بن جائے تو مسلمان ایسی آزادی پر ہزار لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی آزادی کی راہ میں لکھنا، بولنا، روپیہ خرچ کرنا، لاٹھیاں کھانا، جیل جانا، گولیوں کا نشانہ بننا سب کچھ حرام اور قطعی حرام سمجھتا ہوں۔''

(بشکریہ: ماہنامہ کوثر۔ اگست 2015ء، صف 44)

حکمران کون ہو!

آج کی دنیا میں

زیادہ ممالک میں دولت یا ملکی وسائل کی غیر منصفانہ بلکہ غاصبانہ تقسیم ہے۔ غیر حاضر زمینداری، سود، جوا، سٹہ اور غلط کاروباری معاملات کی وجہ سے دنیا میں 5% آبادی ملکی وسائل کے 72% حصے کے مالک ہیں اور 95% لوگ 28% وسائل کے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ:

ملک کے حکمران 5% آبادی کے نمائندے

ہونے چاہئیں یا 95% آبادی کے؟؟؟

سوچ بدلیں ___ نظریۂ پاکستان اور مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کی سوچ ملکی قانون کو ارب پتی لوگوں، شہزادوں اور بادشاہوں کی دست برد سے نکال کر اسلام کی تعلیمات اور علامہ اقبال کے تصورِ پاکستان کے مطابق درویش حکمرانوں، درویش ممبرانِ قومی اسمبلی وصوبائی اسمبلی کے ہاتھوں میں لانے کے لیے انتخابی قوانین اور عوامی مزاج میں تبدیلی کی کوشش ضروری ہے۔

آپ بھی اس ___ رُخ پر سوچنے کا آغاز فرمائیں۔

عن النَّبِيّ ﷺ

قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِی ظِلِّهٖ، يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ: اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِی عِبَادَةِ اللّٰهِ وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ فِی خَلَاءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسْجِدِ، وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ اِلٰی نَفْسِهَا، قَالَ: اِنِّی أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهٗ

(بخاری عن ابی ہریرۃ)

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا: (۱) عدل و انصاف کرنے والا حکمران۔ (۲) وہ نوجوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہا۔ (۳) وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ جائیں۔ (۴) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو۔ (۵) وہ دو آدمی جو اللہ کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہوں۔ (۶) وہ آدمی جس کو منصب اور جمال والی کوئی عورت اپنی نفس کے طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور (۷) وہ آدمی جو صدقہ وخیرات کرے تو اس کو پوشیدہ رکھے یہاں تک کے اس کے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات

نمبر شمار	نام کتاب	صفحات	قیمت
1	خیریت تعلّم وتعلیم قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں	16	16
2	جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو سال (1910ء۔2010ء)	128	300
3	یاجوج ماجوج؟	208	220
4	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ اوّل)	104	120
5	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ دوم)	108	130
6	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ سوم)	100	120
7	21 اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل)	316	380
8	صہیونیت قرآن مجید کے آئینے میں	300	425
9	10 علاماتِ قیامت (ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت)	128	165
10	تعمیر سیرت وکردار (مکمل)	320	450
11	تعمیر سیرت وکردار (پندرہ کتابچے)		610
12	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟	72	120
13	مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق	20	40
14	اسلامی نظریہ اور ریاست پاکستان	24	45